مقتل الحسین

المشہور بہ

مقتل ابی مخنف

(اردو ترجمہ)

تقدمہ و تعارف

محمود احمد عباسی

مولف کتاب "خلافت معاویہ و یزید"

ترجمہ و تشریح و تعلیقات

پروفیسر حکیم علی عباسی

مولف کتاب "حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی"

نام کتاب — مقتل حسین المشہور بہ مقتل ابی مخنف

نام مولف — ابو مخنف لوط بن یحیٰ ازدی الغامدی متوفی قبل 170 ہجری

اردو ترجمہ و تشریح و تعلیقات پروفیسر حکیم علی عباسی

تقدمہ — محمود احمد عباسی

سن طباعت — 1972

ناشر مکتبہ محمود 1/24 بی ایریا لیاقت آباد۔ کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدمہ

عراق کے ایک شیعہ عالم سید حسین بن احمد الحسینی النجفی متوفی 1332 ہجری نے جو مورخ براقی کے لقب سے مشہور ہیں اور شیعہ علمی حلقوں میں محقق ومورخ سمجھے جاتے ہیں اپنی تالیف "تاریخ کوفہ"[1] میں اہلیان کوفہ کے نفسیاتی تجزیہ میں یہ کہہ کر (ھذہ نفسیۃ القوم منذ العھد العلوی) یہ ہے اس قوم اہل کوفہ کی نفسیات شروع زمانہ حضرت علی سے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو آپس میں پھوٹ ڈالنے، منافقت کی تخم ریزی کرنے، گلی کوچہ میں فتنہ وفساد کے جراثیم چھپا رکھنے، سچائی سے انحراف، اہل حق پر حملے اور (المیل الی الجور ولا صاختۃ داھیہ ضلال) ظلم کی طرف میلان اور گمراہی کے عذاب کی طرف بلاوے کے سوا اور کچھ ان میں نہیں دیکھا گیا۔ شیعہ مورخوں کے اس قول کی صداقت کا بین ثبوت تو عثمانی خلافت کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے علاوہ خود حضرت علی اور ان کے صاحبزادوں حضرات حسنین ہی کے واقعات سے مل جاتا ہے۔ کتب تاریخ کے علاوہ "نہج البلاغہ" اور دیگر کتب شیعہ میں حضرت علی خطبات اور تقریروں کے وہ فقرے درج ہیں جن میں موصوف نے ان لوگوں کی کیسی کچھ مذمت کی ہے جو آپ کی موالات اور طرف داری کے بڑے دعوے دار تھے۔ نافرمان، بے وفا، حیلہ ساز، بزدل، بد عہد بتایا اور فرمایا (قاتلکم اللہ لقد ملتم قلبی قیحا و شحنتم صدری غیضا) "اللہ تم لوگوں کو ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے سینے کو غصے سے"۔ ان ہی لوگوں کی خصلت، حکم عدولی اور وفائی سے بد دل ہو کر تو وہ یہ آرزو بھی کیا کرتے تھے۔

"واللہ ان معاویۃ صارفنی بکم صرف الدینار فاخذ منی عشراً منکم واعطائی رجلا منھم"

(نہج البلاغہ قسم اول ص354)

[1] یہ کتاب ادارۃ المکتبۃ المرتضویہ کے اہتمام سے بمقام نجف (عراق) کے شیعہ پریس المطبعۃ الحیدریہ میں 1347 ہجری میں طبع ہو کر شائع ہوئی تھی مصنف کا نام وسلسلہ نسب یوں تحریر ہے۔

سید حسین ابن احمد اسمٰعیل بن زینی الحسینی النجفی ولادت 1261 ہجری وفات 1332 ہجری۔

قسم بخدا، کاش معاویہ مجھ سے تمھارا تبادلہ کر لیں۔ جس طرح اشرفیہ روپیہ سے بدلی جاتی ہیں، مجھ سے وہ دس آدمی تم میں سے لے لیں اور اپنا ایک ہی آدمی مجھے دے دیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی اسی سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"وعلی کان عاجزا من قھر الظلمۃ من العسکرین ولم تکن اعوانہ یوافقونہ علی مایامر بہ واعوان معاویۃ یوافقونہ"

اور علی اپنے فوجی ظالموں کے قہر سے عاجز تھے ان کے مددگار وانصار احکام ان کی موافقت نہیں کرتے تھے (برخلاف ان کے) معاویہ کے مددگار وانصار کی موافقت کرتے تھے۔ (منہاج السنۃ جلد 2 ص 302)

تمردو سرکشی کا توان لوگوں کی خود حضرت علی ہی نے بار بار شکوہ کیا ہے۔ ایک موقع پر فرمایا تھا۔

"منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا یجیب اذا دعوت"

میں ایسے لوگوں میں مبتلا کر دیا گیا ہوں جو نہ کہنا مانتے ہیں اور نہ پکار کا جواب دیتے ہیں۔ (نہج البلاغۃ)

(1) اس عہد کے سب ہی والیان کوفہ کے خلاف ان لوگوں نے شکایتوں کی بھرمار کرکے بار بار تبدیل کرایا تھا۔

(2) نیک دل خلیفہ اور رسول اللہ کے دوہرے داماد امیر المومنین حضرت عثمان کے نظم حکومت پر من گھڑت الزامات عائد کرکے ہنگامہ برپا کرنے اور اس کے نتیجے میں انھیں ظلم وشقاوت سے قتل کرنے میں یہ کوفی، مصری، سبائیوں کے شریک کار تھے۔

یہ نافرمان وسرکش جو حضرت علی کے نام نہاد مددگار وانصار تھے اکثر بیشتر سپاہی پیشہ تھے اور ان عرب قبائل کے مقاتل (نبرد آزما) تھے جو حضرت علی کے برسر اقتدار آنے سے کوئی سترہ اٹھارہ برس قبل بحکم امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم عراق میں دو نئے شہر کوفہ وبصرہ

[2](2) بساتے وقت دفاعی مقصد سے باہتمام امیر سعد بن ابی وقاص فاتح ایران جداجدا محلوں میں آباد کئے گئے تھے۔ اکثریت ان کی طبعاً ہنگامہ پرور تھی کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ثالث کے عہد میں ابن سبا کوفے آیا تھا اور یہاں کے شر پسند عناصر میں داخلی انتشار بھڑکانے کی تخم ریزی بھی کر گیا تھا چنانچہ:

(3) کوفی لیڈر مالک الاشتر اور اس کے باغی ساتھی قاتلین حضرت عثمان نے حضرت علی کو منصب خلافت پر فائز کرنے میں جو کردار ادا کیا صفحات تاریخ پر ثبت ہے۔ اسی بنا پر یہ زعم ان لوگوں کو برابر رہا کہ ہمارے ہی زور سے تو حضرت علی بر سر اقتدار آئے ہیں، ہمارا کہنا انھیں بہر حال کرنا ہو گا۔ مالک الاشتر نے تو اسی وقت جب حضرت علی اپنے بعض عزیزوں کو حکومت کے مناصب جلیلہ پر فائز کر رہے تھے صاف کہہ دیا ارے ہم ان بڑے میاں (حضرت عثمان) کو کل قتل کیوں کیا جب آج یہ بھی (حضرت علی) وہی کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت علی نے کہتے ہیں اسے جھڑکنے کی بجائے اس کی استمالت قلب کی باتیں کیں۔ کوفیوں کا مطمح نظر سیاست وقت پر مسلط و اثر انداز ہونا تھا۔

بقول مورخ ویلہاوزن[3]، اہل کوفہ کی بھاری اکثریت کی وابستگی حضرت علی سے اس بنا پر تھی کہ اپنے صوبہ عراق کی سیاسی آزادی کا ان کو پشتی بان جانتے تھے۔ اور ان اہلیان کوفہ کی اکثریت وہ تھی جسے افکار جاہلیت کی تطہیر کے صحیح اسلامی کردار کے موثر مواقع اس وقت تک نہ ملے تھے۔ جاہلی تمدن کی خو بو ان میں باقی تھی۔ ان کی تلون مزاجی و بے وفائی سے "کوفی لا یوفی" مثل مشہور ہوئی۔

---

[2] شہر کوفہ 17 ہجری میں حسب الحکم امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم قدیم ایرانی شہر مدائن کی جگہ بسایا گیا تھا۔ مالک الاشتر کا قبیلہ نخع نیز قبیلہ ہمدان و کندہ واز رو بنو اسد وغیرہ شمالی عرب قبائل جن کی عددی قوت چالیس ہزار بتائی گئی ہے آباد کئے گئے اس سے قبل حضرت خالد بن ولید سیف اللہ نے عرب قبیلوں کو اس نوح میں آباد کرنے کے لئے موزوں مقام منتخب کرنے کی غرض سے اس علاقے کا سروے کیا تھا۔ کربلاء کے پڑاو پر چند روزہ قیام کیا۔ وہاں کی زمین نرم اور مرطوب ہونے کی وجہ سے مکھیوں کی بہتات تھی۔ دریائے فرات سے بھی کوئی بیس میل دور تھا اس کی بجائے کوفہ کی زمین ریتلی و کنکریلی بھی تھی اور دریا بھی نزدیک تھا۔ وہ اراضی بمقابلے کربلا کے عرب آبادی کے لئے زیادہ موزوں قرار دی گئی۔ 14 ہجری میں بصرہ بدری صحابی حضرت عتبہ بن غزوان نے امیر المومنین موصوف کے حکم سے اس مقام پر بسایا تھا جہاں قدیم بندرگاہ ابلہ تھا اور اس طرف سے غنیم کے حملے کا خطرہ بھی تھا۔ یہاں یمنی عرب آباد کئے گئے تھے وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اہل فارس اس مقام کو "بس راہ" اس لئے کہا کرتے تھے کہ یہاں سے متعدد راہیں نکلا کرتی تھیں۔ فارسی کا "بس راہ" معرب ہو کر بصرہ ہو گیا۔ واللہ اعلم

[3] مورخ ویلہاوزن کے اپنے الفاظ انگریزی ترجمے کے یہ ہیں

(4) قصاص کون عثمان کی عملاً مخالفت اسی سبائی گرہ کے اثرات سے ہوئی جو قتل عثمان کے ملزم بھی تھے اور سیاست وقت پر قابو یافتہ بھی۔

(5) جنگ جمل بھی اسی گروہ نے شب خون مار کر چھیڑ دی تھی، ابن سبا بذات خود موقع پر موجود تھا۔

(6) مالک الاشتر اور اس کے بلوائی ساتھی سیاسی اغراض سے حضرت علی کو بصرہ سے مدینہ واپس چلے جانے کے بجائے کوفہ لے آئے۔ مدینہ کی سیاسی اسلامی مرکزیت مستقر خلافت تبدیل ہو جانے پر بری طرح متاثر ہوئی۔

(7) قصاص خون عثمان ہی کے نزاعی مسئلہ سے صفین کی آتش جنگ مشتعل ہوئی جس کے نتیجہ میں سبائیان کوفہ بری طرح ناکام رہے انھیں پھر کبھی اہل شام سے مقابلے کی ہمت نہ ہو سکی۔ انھی لوگوں کی دسیسہ کاریوں کی تحقیق کے نتیجے میں منصب خلافت سے حضرت علی کی معزولی کا فیصلہ متفقہ ثالثی کو کرنا پڑا۔

(8) کوفی شیعوں اور سبائیوں کی منافقت اور بزدلی کی وجہ سے حضرت علی کو اپنی پوزیشن سنبھالنا دشوار ہو تا گیا۔ اپنے لوگوں کو طرح طرح سے بار بار سمجھاتے اور عملی اقدام پر ابھارتے رہے آخر میں ان بزدلوں کو اس طرح مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یا اشباہ الرجال ولا رجال ویا طغام الاحلام و عقول ربات الرجال" (الخ)

اے زنان بصورت مرداں اور اے بزدل کمینو اور زنانہ عقل والو۔

The overwhelming majority of The Kufaites addressed to Ali as the champion of the political independence of Iraq (P. 117)

حضرت علی نے فرمایا تھا تم ہی میرے رسوا کرنے والے ہو، تمھاری وجہ سے قریش والے کہنے لگے ہیں ابو طالب کا بیٹا بہادر تو ہے مگر سیاست حرب سے نابلد محض ہے۔ ایک مشہور روایت میں ہے کہ اپنے گروہ کی غلط کاریوں سے جن مخالف حالات کا سامنا کرنا انھیں فیصلہ ثالثی سے قبل ہی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ حکمران نہ رہ سکیں گے۔ مشہور روایت یہ ہے:

عن الحارث قال لما رجع علی من صفین علم انہ لایملک ابدا فتکلم اشیاء کان لایتکلم بھا وحدث باحدیث کان لایتحدث بھا فقال فیما یقول ایھا الناس لاتکرہوا امارۃ معاویہ فواللہ لو قد فقد تموہ لقد وایم الروس تنزواعن کوایلھا کالحنظل۔ (ازالۃ الخفاج۔ جلد 2۔ صفحہ 283)

"الحارث سے روایت ہے انھوں نے کہا صفین سے لوٹتے وقت، حضرت علی نے جان لیا تھا کہ اب وہ کبھی حکمران نہ رہیں گے تو ایسے کلمات انھوں نے کہے جو پہلے کبھی نہ کہے تھے اور ایسی باتیں کہیں جو پہلے کبھی نہ کہیں منجملہ ان باتوں کے انھوں نے فرمایا لوگو! معاویہ کی امارت (خلافت) سے تم کراہیت مت کرنا ان کو بھی اگر تم کھو بیٹھے تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے سر کٹ کٹ کر اس طرح گریں گے جیسے حنظل کے پھل۔"

(9) جنگ صفین ہی کے نتائج بد کے سلسلے میں حضرت علی کے شیعوں کی ایک بڑی ی جماعت ان سے جدا ہو کر خوارج کہلائی ان کی مخالفانہ حرکات سے حضرت علی نے جنگ نہروان میں ان کا قلع قمع کر دیا تھا اسی جماعت کے ایک فرد عبد الرحمن بن ملجم[4] نے اپنے بعض اعزہ کے انتقام میں حضرت علی پر مہلک حملہ کر کے اُنھیں شہید کر دیا۔

---

[4] عبدالرحمٰن بن ملجم المراوی نے ابتداء بدری صحابی حضرت معاذ بن جبل سے جو علمائے صحابہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے علم حاصل کیا تھا۔ وہ شیعان علی میں سے تھا اور جنگ صفین میں ان ہی کی جانب سے نبرد آزما ہوا تھا۔ پہلے فتح مصر میں بھی حصہ لے چکا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم کے حکم سے جامع مسجد کے قرب میں تعلیم قران کے لئے اس کی سکونت کا انتظام مصر میں کیا گیا تھا۔ فکان من القراء واہل الفقتہ والعبادۃ (الاعلام قاموس التراجم زر کلی جلد 4 صفحہ 114) کہتے ہیں کہ بعد میں وہ خارجی جماعت میں شامل ہو گیا اور اپنے کسی عزیز کے انتقام میں حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کر کے شہید کر دیا۔ عبد اللہ بن نجیتہ بن عبید تمیمی نے اسی وقت تلوار کا وار کر کے اسے قتل کر دیا تھا۔ فضربتہ بالسیف حتی قتل عضنھا یعلی رضی اللہ عنہ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ 89) یہ روایت زیادہ قرین صحت ہے بہ نسبت مشہور روایت کے جس میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت حسین نے اپنے پدر بزرگوار کے قاتل کا ایک ایک عضو کاٹ کر ہلاک کیا تھا۔

(10) حضرت علی کی وفات ہونے پر [5] سبائیان کوفہ نے حضرت حسن سے بیعت کی، باپ کے بعد بیٹے کے بر سر اقتدار آنے کی یہ پہلی مثال تھی۔ سیاسی فضا سازگار نہ پاکر حضرت حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کرنا چاہی [6]، سبائیوں نے نواسہ رسول کو بھی نہ بخشا، حضرت حسین کے پروتے اور شیعوں کے پانچویں امام سے اس کی کیفیت سنئے۔ ایک شیعہ مجتہد اپنے امام کا ارشاد لکھتے ہیں۔

"پس با پسر ش امام حسن بیعت کردند و بعد از بیعت با او عذر و مکر کردند و خواستند کہ او را بد شمن دہند اہل عراق بر روئے اویستادند خنجر بہ پہلویش زوند خیمہ اش راغارت کردند حتیٰ کہ خلخالہائے کنیزان آنحضرت را از پاہائے ایشاں بیرون آوروند آنحضرت را مضطر گردید تا آنکہ با معاویہ صلح کردو خونہائے خود و اہلبیت او بسیار اندک بوو ند" (جلاء العیون ملا باقر مجلسی)

"پھر لوگوں نے ان کے (حضرت علی کے) فرزند امام حسن سے بیعت کی اور بعد بیعت ان سے بد عہدی و مکر کیا اور چاہا کہ ان کو دشمن کے حوالے کر دیں۔ اہل عراق ان کے سامنے کھڑے ہوگئے، ان کے پہلو میں خنجر مارا، ان کا خیمہ لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ ان کی لونڈیوں کے پاؤں سے خلخال اتار لیں اور آپ کو پریشان کر دیا تا آنکہ معاویہ سے صلح کر لی اور اپنی اور اپنے اہلبیت کی جانوں کی حفاظت کر لی۔ اہلبیت ان کے بہت تھوڑے تھے۔"

اب خود حضرت حسن کی زبانی سنیئے کہ شیعان کوفہ نے حضرت حسین کے برادر بزرگ کی بیعت کر لینے کے بعد یہی ان سے غداری کی۔ قاتلانہ حملہ کرکے مجروح کیا مال و اسباب ان کا لوٹ لیا۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی کی روایت میں حضرت حسن کے یہ کلمات راوی نے بیان کئے ہیں:

---

5 تاریخ طبری میں صرف ان تین شرطوں کا بیان ہے۔ (1) بیت المال کوفہ میں پچاس لاکھ کی جو رقم موجود ہے وہ حسن لے لیں۔ (2) ایران کے ایک علاقے داراب جرد کا خراج انھیں ملا کرے (3) ان کے سامنے حضرت علی کی برائی نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شرط نہ تھی۔ حضرت حسن و حسین کو سالانہ رقم وظیفے کی پہلے سے ہی ملا کرتی تھی۔ شیعہ کتب میں جو یہ کذب بیانی ہے جس میں مسٹر جسٹس امیر علی بھی شامل ہیں کہ حضرت معاویہ کے بعد خلافت حضرت حسین کو ملنے کی شرط بھی محض لغو ہے۔ جن حالات دہشت زدگی میں حضرت نے صلح کی تھی ایسی کسی شرط کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

6 حضرت علی 35 ہجری میں بعد قتل عثمان بر سر اقتدار آئے۔ دوسرے ہی سال 36 ہجری میں جنگ جمل میں خونریزی ہوئی۔ پھر ایک سال بعد 37 ہجری میں جنگ صفین کے ایک ہی سال بعد 38 ہجری میں جنگ نہروان ہوئی۔ رمضان 40 ہجری میں وہ خود مقتول ہو گئے۔

"عن زید بن وھب الجھنی قال لما طعن الحسن بن علی با المدائن اتیتہ ۔۔۔۔ الحی منا والمیت"

(احتجاج طبرسی۔ مطبوعہ ایران صفحہ 148)

"زین بن وہاب جہنی سے روایات ہے وہ کہتے ہیں جب حسن بن علی کو مدائن میں خنجر مارا گیا تو میں ان کے پاس گیا۔ اس وقت ان کو (زخم کی وجہ سے) بہت تکلیف تھی میں نے کہا اے فرزند رسول آپ کی کیا رائے ہے لوگ بہت متحیر ہو رہے ہیں۔

انھوں نے کہا قسم بخدا میں معاویہ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں جو اپنے کو میرا شیعہ کہتے ہیں۔ ان شیعوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا۔ میرا اسباب لوٹ لیا، میرا مال لے لیا۔ واللہ میں معاویہ سے کوئی معاہدہ کر لوں جس سے میری جان اور میرے متعلقین کی حفاظت ہو جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ شیعہ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہل بیت ضائع ہو جائیں۔ واللہ میں معاویہ سے لڑتا تو میرے شیعہ ہی مجھے گردن سے پکڑ کر مجھے ان کے حوالے کر دیتے۔ واللہ عزت کے ساتھ معاویہ سے صلح کرنا اس سے بہتر ہے کہ مجھے گرفتار کر کے قتل کریں۔ یہ احسان ان کا (معاویہ کا) بنی ہاشم پر قیامت تک رہے گا اور معاویہ برابر اس احساس کا اظہار ہمارے زندہ اور مردے پر کرتے رہیں گے"

مورخ طبری نے الزہری کی روایت سے بتایا ہے کہ کوفی شیعوں کے حملے سے حضرت حسن کے دل میں ان لوگوں سے بغض و نفرت اور دہشت زیادہ ہو گئی تھی۔ (جلد 2 صفحہ 93)۔ حضرت معاویہ سے صلح کرنی چاہی اور بچند شرائط انھیں سمع و اطاعت کا یقین دلایا۔ کہا گیا کہ حضرت حسین نے اپنے بھائی سے یہ کہہ کر اختلاف کیا تھا۔ "میں آپ کو واسطہ دیتا ہوں کہ آپ معاویہ کی بات کی تصدیق اور علی کی بات کی تکذیب نہ کریں اس پر حسن نے ان سے کہا کہ تم چپ رہو میں اس باب میں تم سے زیادہ جانتا ہوں" (طبری جلد 2 صفحہ 94)

مصری مورخ طہٰ حسین نے تو اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"حسین بن علی نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور ان کے میلان صلح کو نہیں مانا۔ بلکہ اپنے بھائی کو میدان جنگ میں نکلنے پر زور دیا لیکن ان کے بھائی نے انھیں منع کیا اور ڈرایا دھمکایا کہ اگر تم نے میری اطاعت نہ کی تمھیں بیڑیاں پہنا دی جائیں گی۔" (کتاب علی و نبوہ صفحہ 203)

حضرت حسین نے کاروائی صلح میں بجبر و اکراہ شرکت کی ہو یا بمصلحت تکمیل صلح پر تو تمام امت نے باستثنائے جماعت سبایۂ و گروہ شاتم صحابہ اطمینان کا سانس لیا تھا۔ حضرت معاویہ کے بیعت و اطاعت میں لوگوں کے بخوش دلی داخل ہونے سے اس سال کا نام "عام الجماعتہ" رکھا گیا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد کا سال۔

"پھر سب لوگ (حضرت) معاویہ کی اطاعت میں داخل ہو گئے معاویہ کوفے آئے اور تمام لوگوں نے ان سے بیعت کر لی" (طبری جلد 2 صفحہ 92)

حضرت حسن نے اس موقع پر عراقی کوفیوں لا یوفیوں کو مخاطب کر کے ان سے چھٹکارا پانے کو یوں بیان کیا تھا

"اے اہل عراق! تم لوگوں سے میں نے جو اپنی جان چھڑائی ہے اس کے یہ تین سبب ہیں (1) تم نے میرے والد کو قتل کیا (2) مجھ پر تم نے برچھی کا وار کیا (3) میر امال تم نے لوٹ لیا۔ (طبری جلد 2 صفحہ 192)

الغرض پچھلے اوراق کے مطالعہ سے آپ نے دیکھ لیا کہ اس پنج سالہ مدت میں جو 35 سے 41 ہجری کے ابتدائی ایام تک کی ہے کیسے کیسے اندوہناک سانحات یکے بعد دیگرے واقع ہوتے رہے جو سب کے سب کوفی سبائیوں کی وسیسہ کاریوں اور سازشوں سے واقع پذیر ہوئے۔ قتل عثمان، قتل علی۔ جمل و صفین و نہروان کی خونریز خانہ جنگیوں اور نواسہ رسول حضرت حسن کے جسم مبارک پر قاتلانہ حملے اس سب میں اسی مفسد گروہ کا ہاتھ تھا۔ علوی حکومت کے اس مختصر سے زمانے اختلال و انتشار کے منقضی ہونے پر 41 ہجری کے ابتداء سے امیر المومنین حضرت معاویہ کا مثالی عہد حکومت نظم و ضبط کا، راحت و عدل و فوز فلاح عامہ کا شروع ہوا۔ امیر المومنین کے سوتیلے بھائی امیر زیاد ابن سفیان کے حسن و انتظام سے ابتری دور ہوئی (7)۔ باشندگان عراق کی افتاد طبعیت کے اعتبار سے بقولیکہ درشتی و نرمی بہم در بہ است، جو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است امیر موصوف کے نرم گرم طریقہ کار سے شر پسند و فتنہ انگیز عناصر کی تادیب ہو کر عامۃ الناس کو امن و امان، آزادی و خوشحالی کی فضا میں زندگی گزارنے کے مواقع بھی حاصل ہوئے۔ قبیلہ بنو کندہ کے بعض غالی شیعوں کو جو بد گوئی خلیفہ وقت کے علاوہ علی الاعلان کہتے تھے کہ خلافت کا حق آل علی کو ہے۔ عبرتناک سزائیں دی گئیں۔

خفیہ پراپگینڈا البتہ ان کا جاری رہا۔ حضرت معاویہ نسباً حضرت علی کے ابن العم بھی تھے اور ام المومنین ام حبیبہ بنت ابو سفیان[7] کے رشتے سے حضرت فاطمہ کے ماموں اور حسنین کے نانا بھی ہوتے تھے اور یہ دونوں بھائی خلافت قائم ہو جانے بعد ہی ان کے پاس دمشق جایا کرتے تھے۔ سربراہ امت امیر المومنین کے یہاں محض حاضری و ملاقات کی غرض سے ہی نہیں بلکہ رشتے و قرابت کے تعلقات سے بھی پانصد میل کا طویل سفر طے کر کے حضرت حسین اپنے بھائی حضرت حسن کی معیت میں دار الخلافہ دمشق پہنچتے۔ حضرت معاویہ جس شفقت و محبت سے ان عزیزوں کی مدارات کرتے علامہ ابن کثیر سے سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

"خلافت جب (حضرت) معاویہ کی قائم ہوگئی تو حسین اپنے بھائی حسن کی معیت میں ان کے پاس (دمشق) جایا کرتے تھے۔ معاویہ ان دونوں کا بہت اکرام کرتے، مرحبا و خوش آمدید کہتے اور بڑے بیش بہا عطیے دیتے ایک ہی دن میں انھوں نے بیس لاکھ کی رقم ان دونوں کو عطا کی تھی۔

حضرت حسن کی وفات خلافت معاویہ کے آٹھویں سال 49 ہجری میں ہوگئی۔[8] اس وقت سے بھی حضرت حسین نے دمشق کے سالانہ پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کی اپنے بھائی کے سال رحلت 49 ہجری میں بھی وہاں گئے اور فرزند معاویہ امیر یزید کے لشکر میں شامل ہو کر

---

[7] عہد رسالت کے عمال میں اکثریت بنی امیہ کے افراد کی تو اس بنا پر تو تھی کہ بہ نسبت دوسروں کے ان میں صلاحیتیں انتظامی امور کی انجام دہی کی زیادہ تھیں۔ رسول اللہ نے حضرت ابو سفیان کو علاقہ نجران کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ ان کے یہ چاروں بیٹے حضرت یزید بن ابو سفیان، حضرت معاویہ بن ابو سفیان، حضرت عتبہ بن ابو سفیان اور حضرت زیادہ بن ابو سفیان اُنے اپنے وقت میں مختلف مناصب جلیلہ کے فرائض کامیابی اور نیک نامی سے انجام دیتے رہے۔ امیر زیاد بن ابو سفیان نے حضرت علی اور حضرت معاویہ کے زمانے میں ایران و عراق کے انتظامی معاملات کی ابتری کو جس حسن و تدبر سے سلجھایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے بیٹوں میں بھی نظم و نسق حکومت کی عمدہ صلاحیتیں تھیں۔ امیر عبید اللہ و امیر مسلم فرزندان امیر زیاد نے فتوحات اور نظم و نسق حکومت میں انجام دیں۔ امیر زیاد بن ابو سفیان کے ایک پروتے زید بن ابراہیم بن عبید اللہ بن امیر زیاد جو اسراء عصر امیر المومنین مامون الرشید عباسی کے زمرے کے پہلے شخص تھے جو ملک یمن میں با اختیار حکمران ہوئے۔ عدن و صنعاء و حضر موت و نجران وغیرہ ان سب علاقوں پر ان کی حکومت تھی۔ خطبہ خلفائے عباسی کا پڑھا جاتا تھا اور سالانہ خراج بھی ارسال ہوتا تھا شہر زبید پایہ تخت تھا۔ عرصہ تک ان کی نسل میں وہاں حکومت رہی وہ بڑے شجاع عازم اور بڑے فہیم و دانشمند تھے۔ (الاعلام زرکلی جلد 2 صفحہ 183)

[8] حضرت حسن نے بعارضہ تپ محرقہ چالیس دن بیمار رہ کر وفات پائی تھی۔ زہر خوانی کی روایت سبائیوں کی من گھڑت محض لغو ہے۔ زہر کھا کر چالیس دن تک کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

جہاد قسطنطنیہ میں شرکت کی۔ اس کے بعد سے فی کل عام ہر سال مدینہ سے دمشق پہنچتے رہے۔ حضرت معاویہ کی وفات سے قبل 59ہجری تک گیارہ سال مسلسل جاتے اور زروجواہر کے بیش بہا تحائف سے شاد کام ہوتے رہے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں

جب وفات حسن کی ہوگئی جب بھی حسین ہر سال حضرت معاویہ کے پاس دمشق جایا کرتے تھے وہ انھیں عطیے دیتے ان کا اعزاز و اکرام کرتے وہ (حسین) اس لشکر میں غازیوں میں شامل تھے جنھوں نے فرزند معاویہ یزید کے ساتھ قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ (البدائیہ والنھایۃ جلد 8 صفحہ 151)

قسطنطنیہ پر پہلا جہاد یہی جہاد تھا جو 49ہجری میں ہوا اور اس جہاد کے مجاہدین کی بشارت مغفرت کا ذکر صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے۔ وقائع 49ہجری کے زیر عنوان علامہ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں۔

"اور اس 49ہجری میں یزید بن معاویہ نے رومی شہروں پر جہاد کیا حتیٰ کہ قسطنطنیہ پہنچے ان کے ساتھ اکابر صحابہ کی جماعت تھی اس میں ابن عمر و ابن عباس و ابن زبیر و ابو ایوب انصاری تھے۔ اور صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے اس کے لئے مغفرت ہے یہی وہ لشکر تھا جس نے سب سے اول جہاد (قسطنطنیہ) پر کیا تھا" (البدائیہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 151)

مدت اس جہاد کی 6ماہ بتائی گئی ہے۔ اپریل لغایت ستمبر (تاریخ گبن) اس تمام مدت میں حضرت حسین بھی سپہ سالار لشکر امیر یزید کے ساتھ محاذ جنگ پر موجود رہے۔ امیر یزید سے نیز حضرت معاویہ سے جو خال المومنین و کاتب وحی رب العالمین تھے۔

حضرت حسین کے مزید رشتے یہ بھی تھے۔

(1) ایک رشتے سے حضرت حسین امیر یزید کی پھپیری بہن کے شوہر ہونے سے ان کے بہنوئی بھی تھے اور حضرت معاویہ کے بھاجن داماد، یہ بھانجی حضرت معاویہ کی سیدہ آمنہ بن سیدہ میمونہ بنت حضرت ابو سفیان حضرت حسین کی زوجیت میں تھیں۔ علی اکبر ان کے فرزند ان ہی کے بطن سے تھے۔

(2) دوسرے رشتے سے حضرت معاویہ کے لائق فرزند امیر یزید حضرت حسین کے بھتیج داماد تھے۔ حضرت حسین کے تایازاد بھائی اور بہنوئی وشوہر سیدہ زینب حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی دختر سیدہ ام محمد امیر یزید کی زوجہ تھیں۔

(3) ایک تیسرا رشتہ یہ بھی تھا کہ حضرت معاویہ کی زوجہ محترمہ سیدہ میسون والدہ یزید اور حضرت حسین کی زوجہ محترمہ الرباب والدہ سکینہ بنوکلب کے دوسگے بھائیوں زہیر وعلیم پسران عدی بن جناب کلبی کی اولاد میں ہونے سے چچیری بہنیں تھیں اس لئے حضرت حسین خالو تھے امیر یزید کے اور ساڑھو تھے حضرت معاویہ کے ان رشتوں کے علاوہ حضرت حسین ہاشمی گھرانے کے بعض ممتاز افراد دمشق میں مسکن گزیں تھے۔ رسول اللہ کے تایا الحارث بن عبد المطلب کے پروتے حضرت عبد المطلب بن رابیعہ بن الحارث مذکور جو رسول اللہ کی چچیری بہن سیدہ ام الحکم بنت الزبیر بن عبد المطلب کے فرزند ہونے سے آپ کے عزیز بھانجے تھے دمشق میں رہتے تھے اور امیر یزید کی صفات حسنہ کی وجہ سے انھوں نے ان کو اپنا وصی بنایا تھا۔ رسول اللہ کے یہ عزیز بھانجے حضرت عبد المطلب آپ کی ایسی چچیری بہن کے فرزند تھے جن کے پدر بزرگوار جناب زبیر بن عبد المطلب نے جو عبد مناف ابو طالب کے سگے بڑے بھائی تھے رسول اللہ کی بچپن میں کفالت وپرورش کی تھی نہ عبد مناف ابو طالب نے جو محض غلط مشہور ہے۔ اپنے ان بھانجے کی شادی بھی رسول اللہ نے اپنے ایک اور چچیرے بھائی حضرت ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب کی دختر سے کرائی تھی ان ہی حضرت عبد المطلب ہاشمی کے ساتھ ان کے نانا اور رسول اللہ کے کفیل تایا زبیر بن عبد المطلب کے پروتے عتیق بن حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبد المطلب دمشق میں رہتے تھے۔

غرضیکہ حضرت حسین کا ہر سال (فی کل عام) دمشق جانا اور قبل وفات حضرت معاویہ 59 ہجری تک دس گیارہ سال بار بر جانا اور اس دارالخلافہ میں ہفتوں کیا مہینوں مقیم رہنا غیروں واجنبیوں میں نہیں اپنوں میں ہی ہوتا تھا اور ایسے عزیزوں وقرابت داروں میں ہوتا تھا جو کئی کئی رشتوں میں ان سے منسلک تھے۔ دمشق سال بسال جانے آنے اور عرصہ تک مقیم رہنے سے زیادہ قریب قیاس ہے کہ بعض دفعہ اپنی اہلیہ سیدہ آمنہ کو ان کے ماموں حضرت معاویہ سے اور دوسری زوجہ سیدہ الرباب والدہ سکینہ کو ان کی چچیری بہن سیدہ میسون والدہ یزید سے ملنے ملانے کو ہمسفر رکھتے ہوں۔ اور اس بات اعتراف تو شیعہ مصنفین خصوصاً ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کو بھی ہے اور بالصراحت کہتا ہے کہ حضرت حسین کو امیر المومنین حضرت معاویہ مقررہ رقم وظیفہ کے علاوہ بڑے بڑے عطیات دیتے اور بے تحاشا دیتے حوائج وضروریات ان کی پوری کرتے مقروض ہونے پر قرض بھی ادا کردیتے جیسے ایک لاکھ روپیہ ادا کرکے حضرت حسین کا قرضہ عین ابی نیزر کا ادا کرایا تھا۔
(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد 4 صفحہ 199)

اس امر واقعہ سے کسی کو مجال انکار نہیں کہ حضرت حسین بیس برس سے امیر المومنین حضرت معاویہ کی بیعت میں داخل تھے۔ ایک شیعہ مورخ نے ہی شیعان کوفہ کے اصرار خروج پر حضرت حسین کے جواب کے یہ الفاظ لکھیں ہیں۔

"پس حسین نے فرمایا ہم نے بیعت کرلی ہے معاہدہ کرلیا ہے۔ ہماری بیعت توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔(اخبار الطوالی صفحہ 224)

بیعت خلافت کے علاوہ امیر یزید کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت حسین نے جہاد قسطنطنیہ میں شرکت بھی کی تھی[9]۔ جہاد اور شرکت جاہد امام و خلیفہ وقت کے حکم و اجازت کے بغیر ممکن نہیں۔ دیگر صحابہ و تابعین کی طرح جنھوں نے اللہ اور رسول کے نام پر حضرت معاویہ کی بیعت کی تھی۔ حضرت حسین بھی حضرت معاویہ کو خلیفہ وقت امیر المومنین و امام مفترض اطاعت ہی جانتے تھے۔ اب دیکھئے ایک طرف تو یہ حالات و واقعات ہیں۔ حضرت معاویہ و حضرت حسین کے باہمی مراسم انس و محبت روابط ملاطفت دارتباط و مصادقت کے جو مختصراً بیان ہوئے ہیں اور دوسری طرف وضعی روایتوں میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت حسین معاذ اللہ تقیہ پر عامل تھے۔ دل میں کچھ زباں پر کچھ۔ امیر المومنین معاویہ سے بیعت بھی کی تھی۔ سمع و طاعت و اتباع کا اقرار بھی تھا اور سبائی راویوں بالخصوص ابومخنف کی کذب بیانی کے مطابق بیعت معاویہ سے اس قدر کراہت و نفرت تھی جس کے اظہار میں ان کی ہی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے کوئی کاٹنے والا چھری سے میری ناک کاٹ رہا ہو یا نشتر سے میرا گوشت چیر رہا ہو،(مقتل ابومخنف)۔ اسی ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیس برس تک وہ اپنے شیعوں کو تاکید کرتے رہے کہ معاویہ کی زندگی تک کوئی علانیہ تحریک نہ اٹھاؤ گھروں میں چپ چاپ بیٹھے رہو۔ مشتبہ ہونے سے بھی بچتے رہو۔ معاویہ کی موت کے منتظر رہو اگر وہ مر گئے ہم بھی سوچیں گے تم بھی سوچنا۔ دیکھا آپ نے حضرت حسین کے کردار کو اس طرح معاذ اللہ منافقت سے آلود کرنے سے بھی یہ لوگ باز نہیں رہے۔ خلافت و حکومت کا خواہش مند اور متمنی ہونا اور موروثی حق سمجھنا امر دیگر ہے۔ ان ہی کے بچپن کا واقعہ مشہور ہے جس کے راوی بھی وہ خود ہی ہیں۔ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے ہیں۔ حسین ان کے پاس پہنچ کر کہتے ہیں۔

"میرے ابا کے منبر پر سے اتریئے اپنے ابا کے منبر پر جایئے"(الاصابہ جلد 1 صفحہ 333)۔

---

[9] شیعہ مورخ امیر علی نے ہسٹری آف سیر ینز میں حضرت حسین کے جہاد قسطنطنیہ کا ذکر تو کیا ہے مگر لشکر یزید کا نام تک نہیں لیا۔ درآنحالیکہ غیر مسلم مورخین خصوصاً ایڈورڈ گبن نے مشہور کتاب "رومتہ الکبریٰ عروج و زوال" میں قسطنطنیہ کے اس معرکے کا ذکر کرتے ہوئے امیر یزید کی موجودگی حدیث بشارت مغفرت اور حضرت ایوب انصاری کی وفات وغیرہ کا تذکرہ صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ مورخ امیر علی نے اموی سادات کے بارے میں عموماً حضرت معاویہ و امیر یزید کے متعلق خصوصاً سفیہانہ انداز میں جو دریدہ دہنی کی ہے تاریخ نگاری کے اصول سے گری ہوئی ہے۔ ایسی کتاب کا یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہونا نامناسب ہے۔

بیٹے کے منہ سے یہ سنتے ہی حضرت علی نے عرض کر دیا اے امیر المومنین! یہ بات اس نے اپنے دل سے کہی ہے کسی نے کہلوائی نہیں۔ ابو مخنف نے بھی موروثی حق و خلافت کا ذکر ان سے موقع بموقع کروایا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے موروثی حق خلافت کا ذکر تو نہیں کیا "قصۃ الحسین بن علی و سبب خروجہ باہلہ من مکۃ الی العراق فی طلب الامارۃ و کیفیۃ مقتلہ" کے عنوان سے ان کے سفر عراق کا مقصد طلب امارت و خلافت ہی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ کچھ دنوں تو حالت تذبذب کی رہی کبھی ارادہ کرتے اہل کوفہ کے پاس چلے جائیں کبھی ان سے دور ہی رہنا چاہتے تھے "مرۃ یرید ان یسیر ھم الیھم و مرۃ یجمع الا قامۃ عنھم" (البدایہ والنھایہ جلد 8 صفحہ 161) یہ تذبذب حسین کو اپنے پدر بزرگوار کے حالات کے لحاظ سے ہونا قدرتی بات تھی اور اہل کوفہ کے دلوں میں دمشق کا دار الخلافہ بن جانا اور مسلسل بیس برس تک رہنا خار کی طرح کھٹکتا تھا۔ حضرت حسین کو حصول مقصد کا آلہ کار بنانے کے لئے خطوط و عرضداشتوں اور وفود کا تانتا باندھ دیا۔ حضرت حسین کی بڑی پھوپھی ام ہانی کے فرزند جعد بن ہبیرہ کو جو بہنوئی بھی تھے۔ حضرت علی نے اپنے زمانہ میں گورنر کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔ بعد میں وہ کوفہ میں مسکن گزین ہو گئے تھے۔ بقول صاحب "اخبار الطوال" وہ حضرت حسین کے سچے محب و مخلص تھے۔ شیعان کوفہ نے ان سے بھی تاکیدی خط حضرت حسین کو آمد کوفہ کے بھجوائے۔ آخر میں لکھا تھا۔

"پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی طلب و خواہش ہے تو ہمارے پاس آ جاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمھارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے" (اخبار الطوال صفحہ 221)

تعجب ہے ابو مخنف اور دوسرے مصنفین کے بیانات میں ان جعدہ بن ہبیرہ کا نہ پھر کوئی ذکر آتا ہے نہ حضرت حسین کے یہ دوسرے بہنوئی اور تایازاد بھائی مسلم بن عقیل کوفہ جا کر ان سے ملتے یا ان کے یہاں مقیم ہوتے ہیں۔ غیروں سے ملتے اور غیروں کے پاس ٹھہرتے ہیں۔ کوفی لا یوفی اول تو جوش و خروش سے حضرت حسین کی خلافت کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگا دینے کا حلف اٹھاتے ہیں "فبایعرہ علی امرۃ الحسین و حلفو الہ لیبضرنہ بانفسھم و اموالھم (البدائیہ والنھائیہ جلد 8 صفحہ 152) مگر عین موقعہ پر مسلم کا ساتھ چھوڑ کر انھیں بھی قتل کرا دیتے ہیں۔ قتل ہونے سے پہلے مسلم نے حضرت حسین کو پیغام بھجوایا تھا اس میں بھی کوفیوں کو ہی اپنا قاتل بتایا تھا۔ اور کہا تھا۔

"اہل کوفہ کے قریب مت آئیو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے چھٹکارا پانے کے لئے آپ کے والد (حضرت علی) مر جانے یا قتل ہونے کی تمنا رکھتے تھے۔ ان کوفیوں نے آپ سے بھی جھوٹ بولا اور مجھ سے بھی۔"

حضرت حسین کا کوفیوں کو قاتل بتانا

(2) مقتل الحسین کے فاضل مترجم نے آخری تعلیقے بعنوان ایک دلدوز حادثہ مگر سادہ واقعہ میں سانحہ کربلا کی حقیقت پیش کر دی ہے۔ جس سے یہ واضح وہویدا ہو جاتا ہے کہ حقیقت میں یہ کوفی لا یوفی ہی باعث اور مجرم اس سانحے کے تھے اور خود حضرت حسین نے ان ہی لوگوں کو قاتل بتا کر یہ بد دعا کی تھی۔

"خداوند! ان لوگوں کو آسمان کی بارش سے اور زمین کی برکتوں سے محروم کر دے اگر تو انھیں کچھ مہلت دے تو ان میں تفرقہ ڈال دے۔ ان کو فرقہ فرقہ کر کے متفرق کر دے اور فرمایا ولا ترض عنھم الولاۃ ابدا فانھم دعونا لینصرونا فعدوا علینا فقتلونا یعنی خداوند ان کے حاکموں کو ان سے کبھی راضی نہ ہونے دے انھوں نے ہی ہمیں بلایا ہماری نصرت و مدد کرنے کو اور یہی ہم پر حملہ کرنے کو دوڑ پڑے ہیں یہی ہم کو قتل کر رہے ہیں۔" (طبری جلد 2 صفحہ 259)

حضرت حسین کے اعزہ نے جو کربلاء میں موجود تھے ان ہی کوفیوں کو قاتل بتایا ہے ان کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہ سب واقعات کی عینی شاہد تھیں وہ جب اپنے زوج ثانی مصعب بن الزبیر[10] کے کوفہ میں قتل ہو جانے کے بعد مدینہ جانے لگیں، کوفیوں کو اپنے والد کا قاتل بتاتے ہوئے فرمایا تھا۔

"اللہ تمھیں (اے کوفیو!) کسی قوم سے اچھا بدلہ نہ دلائے اور نہ بہتر خلافت تم پر مسلط کرے۔ تم لوگوں نے میرے والد کو، میرے دادا کو میرے بھائی کو میرے چچا کو اور میرے شوہر کو قتل کیا ہے"

حضرت حسین تو اب آپ دیکھ رہے ہیں صاف لفظوں میں اہل کوفہ کو ہی اپنا اور اپنے عزیزوں کا قاتل بتا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں انھوں نے ہی ہمیں بلایا ہماری نصرت و مدد کرنے کو اب یہی ہم پر حملہ کرنے کو دوڑ پڑے ہیں۔ یہی ہم کو قتل کر رہے ہیں۔ پھر کس غمزدہ اور جلے دل سے کوفیوں کی تباہی و بربادی کے لئے منتقم حقیقی کی بارگاہ میں التجا کر رہے ہیں۔ خداوند! ان لوگوں کو آسمان کی بارش اور زمین کی برکتوں سے محروم کر دے اور ان کے حاکموں کو ان سے کبھی راضی نہ ہونے دے۔ اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیے کوفیوں کے مجرم اور اموی حکام عراق کے بے گناہ ہونے کا۔ یہ کلمات حضرت حسین کے مورخ طبری نے حمید بن مسلم راوی کی سند سے نقل کئے ہیں۔ مسلم بن عقیل نے بھی کوفیوں کی ہی غداری کا شکوہ کیا ہے اور سیدہ سکینہ نے تو ان کوفیوں کے منہ پر ہی انھیں قاتل بتایا ہے۔ اپنے دادا حضرت علی کا، اپنے والد حضرت حسین کا اور اپنے دوسرے عزیزوں کا اور اپنے شوہر مصعب بن الزبیر کا۔ ان کا یہ قول شیع مورخ نے ہی تاریخ کوفہ نقل کیا ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں کوفی راویوں اور مصنفوں کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دکھانے اور مجرموں کو بے گناہ اور بے گناہوں کو مجرم ٹھہرانے کے لئے وضعی روایتوں کا ایک انبار لگا دیا اور بیسیوں کتابچے لکھ لکھ کر واقعات تاریخ کو مسخ کی سعی نامشکور کی ہے۔ ان ہی شیعہ و

---

[10] یہ مصعب بن الزبیر سیدہ سکینہ بنت الحسین کے دوسرے شوہر تھے۔ ان کی ماں الرباب بنت انیف (بعض نے کرمان بنت انیف بتایا ہے) اور سیدہ سکینہ کی ماں الرباب بنت امر والقیس دو حقیقی بھائیوں الحصین و جابر فرزندان کعب بن علیم کلبی کی اولاد ہونے سے چچیری بہنیں تھیں۔ مصعب اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن الزبیر کے نائب کی حیثیت سے خلیفہ عبدالملک اموی کے خلاف معرکے میں قتل ہوئے تھے یہ واقعہ، واقعہ کربلا کے دس برس بعد 70 ہجری کا ہے۔ مصعب بڑے شجیع اپنے زمانے کے بڑے صاحب و جمال و حسین تھے۔ ان کی زوجیت میں دو قرشیہ خواتین یعنی سیدہ عائشہ بنت طلحہ جو حضرت ابو بکر الصدیق کی نواسی تھیں اور سیدہ سکینہ بنت الحسین تھیں۔ یہ دونوں اپنے زمانے میں حسن و جمال و نسوانی صفات میں یگانہ تھیں۔

کانتا من احسن النساء من ذلک الزمان (البدایۃ والنھایہ جلد 8 صفحہ 319) سیدہ سکینہ سے مصعب کے صلب سے ایک بیٹی تھیں سیدہ عائشہ بنت طلحہ سے دو بیٹے عبداللہ و محمد تھے۔ دیگر ازواج سے مصعب مذکور کے آٹھ بیٹے اور تھے

سبائی مصنفین میں یہ کوفی مصنف ہے جس کی کتاب مقتل الحسین کا اردو ترجمہ آپ کے مطالعہ میں ہے۔ کتاب شیعہ یا پدید ارند گان فنون اسلام کے مولف نے ابو مخنف از دی مصنف مقتل الحسین کو رئیس مور خین کوفہ از طبقہ شیعہ بتایا ہے۔ مناسب ہے کہ مختصر تعارف اس مصنف کا قارئین سے کرا دیا جائے۔

ابو مخنف مصنف کتاب

نام لوط کنیت ابو مخنف، مولدا و مسکناً کوفی، نسلاً و نسباً ازدی غامدی۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

ابو مخنف لوط بن یحیٰ بن سعید بن مخنف بن سلیم بن الحارث بن عوف بن ثعلبہ بن غامد کوفے کے ممتاز بیت الازد سے تھا۔ جد اعلیٰ اس کے مخنف بن سلیم [11] جن کے نام سے اس کی کنیت ہے۔ حضرت علی کے ایک ایسے معتبر و معتمد ساتھیوں میں تھے کہ انھیں اصبہان و ہمدان کا آپ نے والی مقرر کیا تھا۔ پھر آپ کی ہی طلبی پر مقام تعینات سے آکر جنگ جمل و صفین دونوں خونریز لڑائیوں میں اپنے قبیلہ ازد کے علاوہ چار اور قبیلوں کے تیغ زنوں کو اپنی کمان میں لڑوایا تھا۔ اب کے متعدد عزیز جنگ جمل میں مارے گئے اور یہ خود بھی جنگ صفین میں مقتول ہو گئے۔

واقعہ صفین کے شیعہ مولف نے بعض ان وضعی روایتوں میں ان کا نام لیا ہے جن میں یہ مہمل بات کہی گئی ہے کہ حضرت حسین کے واقعہ سے کوئی چھبیس ستائیس برس پہلے جب حضرت علی کا گزر مقام کربلاء ہو ہوا آپ نے ہاتھ کا اشارہ کرکے اور ایک اور روایت میں اس مقام کی مٹی سونگھ کر ہی لوگوں کو بتادیا تھا کس کس جگہ پر آکر آل محمد کے افراد ٹھہریں گے اور کہاں کہاں ان کے خون گریں گے۔ ان مخنف بن سلیم کا خالہ زاد بھائی اور ہم جد ان بلوائیوں کی جماعت میں شامل تھا جنھوں نے امیر المومنین حضرت عثمان کے خلاف ہنگامہ برپا کرکے انھیں شہید کیا تھا وہ بھی جنگ صفین میں مارا گیا تھا۔

بعض مؤلفین نے ابو مخنف کے باپ یحییٰ کو بھی اصحاب امیر المومنین (علی) میں شمار کیا ہے۔ غرضیکہ ابو مخنف کوفہ کے ایسے گھرانے میں پیدا ہوا جس کے بزرگ اور سرپرست نہ صرف شیعہ مسلک کے تھے بلکہ جنگ جمل اور صفین میں طالبان قصاص خون عثمان کے خلاف نبرد آزمائی میں نمایاں حصہ لے چکے تھے۔ خصوصاً حضرت معاویہ و اہل شام کے خلاف لڑے تھے اور جدال و قتال میں مارے گئے تھے۔ ابو مخنف بچپن

---

[11] علامہ ابن عبدالبر نے الاستعیاب میں مخنف بن سلیم کا شمار زمرہ صحابہ میں کرتے ہوئے حضرت علی کا ان کو والی اصبہان مقرر کرنے اور صفین میں ان کا شامی فوج کے ہاتھوں سے مقتول ہونے اور ان کی اولاد میں ابو مخنف صاحب اخبار ہونے کا ہی ذکر کیا ہے۔ زرکلی نے بھی کہا ہے کہ قدم لنصرۃ علی حاملا رایۃ الازف۔ جنگ جمل میں نہیں جنگ صفین میں قتل ہوئے۔

سے اپنے اجداد و اسلاف کی لڑائیوں کے ذکر و اذکار کوفہ کی اس مسموم فضا میں بڑے شوق سے سنا کرتا تھا۔ جہاں جارحانہ شیعیت و سبائیت اس زمانے میں ایسی چھائی ہوئی تھی جسے قاضی نور اللہ شوستری نے ان الفاظ میں بتایا ہے و بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامہ دلیل ندارد و سنی بودن کوفی الاصل محتاج بدلیل است وگرچہ ابو حنیفہ کوفی باشد۔[12]

سنہ ولادت تو ابو مخنف کا معلوم نہیں سال وفات اس کا اکثر نے مات قبل سبعین ومائتہ لکھا ہے یعنی قبل 170 ہجری فوت ہوا۔ بعض نے 157 ہجری بتایا ہے۔ کوفے کے مشہور کذاب سبائی راویوں سے اس نے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔

خصوصاً محمد بن سائب کلبی متوفی 146 ہجری اور اس کے فرزند ابو منذر ہشام بن محمد کلبی متوفی 204 ہجری سے اول الذکر کا یہ قول میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب میں نقل ہے یعنی وہ کہا کرتا تھا۔

"جب جبریل رسول اللہ کے پاس وحی لاتے تھے اور آپ کسی حاجت ضروری کے لئے اٹھ جاتے تھے تو علی آپ کی جگہ بیٹھ جاتے اور جبریل باقی وحی علی کو پیش کر دیتے"

اسی طرح محمد کلبی کے بارے میں تصریح ہے:

"کلبی سبائی تھا اور کا شمار اس جماعت میں تھا، جو کہتے ہیں علی فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ پھر اس دنیا میں لوٹیں گے اور اس کو پھر عدل سے بھر دیں گے جس طرح اب ظلم سے بھری ہے۔ یہ لوگ باد کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ امیر المومنین (علی) اس میں ہیں" (میزان الاعتدال صفحہ 62)

محمد بن سائب کلبی کا بیٹا ہشام بات کے قدم بقدم تھا۔ ائمہ اسماء الرجال میں دار قطنی وغیرہ نے اس کو متروک بتایا ہے۔ اور ابن عساکر نے رافضی و غیر معتبر ابو مخنف نے اپنے دوست ہشام بن کلبی سے زیادہ اخذ کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ابو مخنف وہشام بن محمد بن سائب اور ان جیسے دوسرے لوگ ان میں سے ہیں جن کا جھوٹا ہونا اہل علم کے نزدیک مانا ہوا ہے۔ خود ابو مخنف کو علماء رجال نے کذاب و غیر معتبر و متروک بتایا ہے۔ امام بن عدی اس کے بارے میں فرماتے ہیں ابو مخنف بڑا کٹر یعنی جلا بھنا شیعہ تھا۔

---

[12] یہ قول غلو و تعصب پر مبنی ہے۔ کوفہ کے باشندوں کی اکثریت میں شیعیت و سبائیت ضرور تھی مگر ان کے مسلک کے خلاف اور بھی تھے اگرچہ قلیل التعداد تھے۔ ان ہی بنو الازد میں عبداللہ بن عائذ صاحب شرف و منزلت تھے جو حضرت معاویہ کے ساتھ تھے۔ نیز سفیان بن اعوف ازدی نے خلافت معاویہ میں رومیوں کے خلاف بحری مہمات میں خدمات لائق انجام دیں تھیں۔ 53 ہجری میں امیر البحر بسر بن ابی الطاۃ کے ساتھ تھے کہ وہیں انتقال کیا۔ (البدائیہ والنھائیہ جلد 8 صفحہ 58)

شیعوں ہی کی روایتیں بیان کرنے والا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ائمہ رجال کے یہ اقوال مزید نقل کرتے ہوئے ابو مخنف کے بارے میں لکھا ہے کہ:

یہ قابل اعتماد نہیں اسے ابو حاتم اور دوسرے حضرات نے متروک کہا ہے (مات قبل السبعین ومائۃ جلد 3 صفحہ 268) یعنی اس سے کوئی روایت نہ لی جائے امام دار قطنی نے کہا وہ کمزور راوی ہے۔ امام یحییٰ بن معین (جو اجلہ ائمہ رجال سے ہیں) فرماتے ہیں کہ یہ اعتماد کے لائق نہیں۔ علامہ مزۃ کہتے ہیں وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ قبل 70 ہجری فوت ہوا اسی طرح صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (صفحہ 92) نے اور صاحب تذکرہ الموضوعات نے ابو مخنف کو کذاب بتایا ہے۔ حتیٰ کہ سیوطی نے بھی کلبی اور ابو مخنف دونوں کے بارے میں لکھا ہے۔ لوط و کلبی کذابان (اللاء لی صفحہ 386)

ابو مخنف مشہور سبائی مورخ و نساب محمد بن سائب کلبی کے بعد دیگر قدیم تاریخ نگاروں پر مقدم ہے۔ سید علی اکبر برقعی قمی جنھوں نے سید حسن صدر کی کتاب تاسیس الشیعۃ الکرام لفنون الاسلام کی تلخیص یعنی فارسی کتاب شیعہ پاپدید ارندگان فنون اسلام میں ابو مخنف کو رئیس مورخین کوفہ بتا کر لکھا ہے کہ

"ابو مخنف کو تاریخ نگاری و روایات اور فتوح عراق میں دوسروں پر برتری ہے۔ مدائنی[13] کو تاریخ خراسان وہند و فارس میں دوسروں پر برتری ہے اور قد اوی تاریخ حجاز و سیرت میں دوسروں پر مقدم ہے۔ اور یہ تینوں فتوح الشام میں مساوی ہیں اور معلومات میں بھی برابر" (صفحہ 129)

ابو مخنف کی تالیفات ابن الندیم نے نام بنام 47 گنوائی ہیں۔ جن میں صرف مقتل نام سے 9 کتابیں یا کتابچے اس کے ہیں۔ یعنی مقتل عثمان، مقتل علی، مقتل الحسن السبط، مقتل الحسین، مقتل محمد بن ابی بکر والاشتر و محمد بن حنیفہ، مقتل حجر بن عدی، مقتل عبد اللہ بن الزبیر، مقتل ضحاک بن قیس، مقتل سعید بن العاص، لیکن امیر المومنین فاروق اعظم کا مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے وقت کوفے کے ایک مجوسی الاصل کے ہاتھ

---

[13] المدائنی۔ علی بن محمد بن عبد اللہ بن ابی سیف الحافظ بوالحسن مدائنی۔ اصلاً بصری سکناً مدائنی بعد میں بغداد میں مسکن گزین ہوئے ولادت 135 ہجری وفات 325 ہجری تیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں کتاب خطب النبی، کتاب الرسائل النبی، کتاب عمال النبی، کتاب ابو بکر صدیق، اخبار العباس عم النبی واخبار عبد اللہ بن عباس واخبار الدولتہ العباسیہ فضائل جعفر بن ابی طالب، فضائل محمد بن ابی حنیفہ وغیرہ شامل ہیں۔ مقتل الحسین پر کوئی کتاب نہیں۔

سے مقتول ہونا جو صدر اسلام کی تاریخ کا پہلا اندوہناک واقع ہے۔ اس پر ابو مخنف کا کوئی کتابچہ مقتل عمر کے نام سے نہ ہونا قابل لحاظ ہے۔ غرضیکہ مقتل کے نام سے کتابچے لکھنے کی پہل ابو مخنف نے ہی کی۔ اور یہی پہلا کوفی شیعی مصنف ہے جس نے خلافت عباسیہ کے قائم ہونے کے بعد ہی سے تاریخی واقعات پر جداگانہ کتابچے لکھے، اس کی دیگر تالیفات میں الجمل و کتاب صفین، کتاب وفات معاویہ ولایتہ ابنہ یزید۔ کتاب المختار بن ابی عبید و کتاب سلیمان بن صرد وغیرہ کوئی بھی باقی نہیں لیکن ان کے مضامین کی نوعیت کا اندازہ بعض اقتباسات سے ہو سکتا ہے جو ابن جریر طبری نے ان واقعات کے سلسلے میں ال ابو مخنف لکھ کر درج کئے ہیں نیز اس کی کتاب مقتل الحسین کے مضامین کا اندازہ طبری کے رجحان طبع سے بھی کیا جا سکتا ہے۔[14]

کتاب مقتل الحسین علیہ السلام کے مصنف اور راویوں کا حال معلوم کرنے کے بعد قاری کے لئے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ یہ جو کچھ بیان کریں گے وہ ہیچ محض ہو گا۔ پھر بھی چونکہ ان لوگوں کے بیانوں نے اسلامی حلقوں میں غلط فہمیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ اور مفت میں خود ساختہ روایات شہرت پکڑ گئی ہیں اس لئے تنقیح ضروری ہے۔ تاکہ اہل فکر متنبہ ہوں اور جن باتوں کو شہرت دیدی گئی ہے ان کی اصل حقیقت سامنے آجائے۔ اس بار میں ہمارے بزرگوں سے اس قسم کی جو روایتیں نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے اس کا نقشہ خود علامہ ابن کثیر نے پیش کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں

"ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں بعض باتیں محل نظر ہیں اور اگر ابن جریر طبری وغیرہ حفاظ وائمہ نے ان کا ذکر نہ کیا ہوتا تو میں بھی وہ روایتیں نہ لیتا کیونکہ ان میں اکثر روایتیں ابو مخنف لوط بن یحیی کی بیان کردہ ہیں جو شیعی ہے اور ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔ لیکن

---

[14] محمد بن عمر بن واقد مدنی الاصل سکنا بغدادی ولادت 130 ہجری وفات 307 ہجری یہ بھی کوفی تیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ تاریخ البعث مغازی و تفیر القران کے مبحث پر لکھا ہے نیز سیراۃ ابی بکر و کتاب السفیقہ و بیعۃ بکر کے علاوہ مقتل الحسین مولد الحسن والحسین پر بھی کتابچے ہیں۔ شیعہ مولف کتاب شیعہ یا پدیدارندگان فنون اسلام نے اس کو مسلکاً شیعہ بتایا ہے۔

ابو مخنف کی وفات 170 ہجری کے بعد سے مقتل الحسین نام سے متعدد شیعہ مصنفین نے کتابچے لکھے یعنی نصر بن مزاہم نے متوفی 212 ہجری، مصنف وقعۃ صفین نے ابراہیم بن محمد ثقفی کوفی متوفی 283 ہجری نے، ابو احمد جلودی شیعی نے نیز الغلابی والاشنائی نے۔ شیعہ مصنفین کے علاوہ چوتھی صدی ہجری سے بعض غیر شیعہ مصنفین نے مقتل کی بجائے شہادت نامے لکھے اسفرائنی متوفی 418 ہجری نے، نور العین فی مشہد الحسین، کتاب وضعی روایتوں پر مبنی لکھ ڈالی۔ ان کے بعد تو ہر کس و ناکس نے شہادت حسین پر قلم فرسائی کی۔

مقتل ابو مخنف کی قدرے تاریخی حیثیت محض ابن جریر طبری کی وجہ سے حاصل ہو گئی۔ جنھوں نے مقتل کی تصنیف کے ڈیڑھ سو سال بعد اس کتاب کا مواد نوک پلک سنوار کر درج کر دیا اور کیوں نہ کرتے بظاہر شافعی المذہب بنے ہوئے تھے بلکہ اپنے آپ کو خود صاحب مذہب باور کراتے تھے اور اسی لئے اہلسنہ میں ہونے کا دعویٰ تھا مگر اہل تحقیق نے ان کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کیا۔ ابن خلکان نے صاف لکھ دیا ہے "ھو امام من ائمۃ الامامیۃ " یعنی وہ (ابن جریر طبری) امامیہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ ہم عصرات ان سے اس وجہ سے ناراض تھے کہ انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا، وہ اپنے گھر میں دفن ہوئے۔ غرضیکہ اسلامی تاریخ کے اس طرح مسخ کرنے میں کہ ابو مخنف وغیرہ کذابوں کی روایتوں سے اپنی کتاب کے صفحات بھر دئے ہیں۔ ابن جریر طبری کا بڑا حصہ ہے۔

چونکہ وہ اخباری ہے اور حافظ اس کے پاس ایسی روایتیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں اس لئے اکثر مصنفین اسی کی طرف لپکتے ہیں۔(البدائیہ والنہائیہ جلد 8 صفحہ 202)

بعض دوسروں نے بھی مقتل الحسین پر کتابچے لکھے ہیں مگر وہی وضعی روایتوں کا ابو مخنف کے علاوہ دوسروں کے پاس نہ ہونے کا قوی سبب یہ تھا کہ امت مسلمہ نے حادثہ کربلا کو محض ایک دلدوز حادثہ جانا اور سیاسی یا ملی زاویہ نگاہ سے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ چار برس تک امت میں کامل سکون رہا اور کسی طرف سے بے چینی کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ 64 ہجری کے آخر میں حضرت عبداللہ بن الزبیر نے جب امیر المومنین یزید کے خلاف پراپیگنڈا شروع کروایا اور اہل مدینہ میں شورش بپا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو اس وقت بھی حادثہ کربلا کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا ہم عصر امت اچھی طرح جانتی تھی کہ اس سانحے کی ذمہ داری نہ امیر المومنین یزید پر ہے اور نہ ان کے کسی کارکن پر۔ بنو ہاشم اصل صورت حال سے واقف تھے اور اس کے لئے تیار نہیں ہوئے کہ بغیر صحیح بنیاد کے یا غلط مفروضہ پر یا انتقاماً وہ امیر المومنین کے خلاف کسی تحریک میں شامل ہوں۔ وہ سب کے سب پوری استقامت کے ساتھ اپنی بیعت پر قائم رہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"علی بن الحسین نے لوگوں سے (یعنی باغیوں سے) علیحدگی اختیار کی اور اسی طرح عبداللہ ابن عمر بن خطاب نے۔ ان دونوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی اور نہ ابن عمر کے گھرنے میں سے کسی نے۔ اسی طرح یزید کی بیعت بنو عبد المطلب میں سے بھی کسی نے نہیں توڑی۔" (البدایہ والنہایہ جلد 8 صفحہ 218)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"عبداللہ بن عمر بن الخطاب اور اہل بیت نبوۃ بھی اجتماعی حیثیت سے ان میں ہیں جنھوں نے بیعت نہیں توڑی اور نہ یزید سے بیعت کے بعد (ان کی زندگی میں) کسی سے بیعت کی۔"

جناب ابو جعفر محمد فرماتے ہیں۔

"ابو جعفر الباقر فرماتے ہیں کہ حرہ کے دنوں میں نہ تو آل ابی طالب میں سے کسی نے خروج کیا اور نہ بنو عبد المطلب میں سے"

یہ تھی اصل صورتحال اور ہم عصر امت حادثہ کربلاء کو نہایت دلدوز اور حسرتناک سمجھنے کے باوجود ایک مختصر سانحہ جانتی تھی اور اس بارے میں ان کے پاس روایات کا کوئی پشتارہ نہ تھا۔ جب آخری عہد اموی میں دعوت عباسیہ کو فروغ حاصل ہوا تو سبائیوں نے اسے اموی خلافت کے خلاف خروج قرار دے کر اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا۔ یوں اموی سادات کے خلاف عموماً اور امیر المومنین یزید کے خلاف خصوصاً روایتیں وضع کی گئیں۔ اور ابو مخنف جیسے لوگوں نے روایات کا جال پھیلا دیا جس میں اچھے اچھے سمجھدار لوگ بھی گرفتار ہو گئے۔ مسعودی اور ابن جریر جیسے مورخوں نے یہ روایات اپنے یہاں داخل کر کے انھیں معتبر بنادیا ورنہ ان وضعی روایات کی جو حقیقت وہ اس کتاب کے بالاستعیاب مطالعہ سے واضح ہے۔

کتاب کے قلمی اور مطبوعہ نسخے

ابو مخنف متوفی 157 ہجری یا 170 ہجری کا زمانہ بارہ سو برس کا اس قدر قدیم زمانہ ہے کہ اس کی کسی تصنیف کا کوئی قلمی نسخہ نہیں پایا جاتا البتہ کوئی ڈیڑھ سو برس بعد اس کی وفات کے ابن جریر طبری متوفی 310 ہجری نے اس کے تاریخی کتابچوں کی روایتوں اور مقتل ابی مخنف کا کل مواد قال ابو مخنف کی تکرار سے اپنی تاریخ میں درج کر دیا ہے۔ اب یہ نقل شدہ مواد ہی گویا قدیم ترین نسخہ مقتل ابو مخنف کا سمجھا جاسکتا ہے جو حادثہ کربلا کے تقریباً سو برس بعد محض سماعی روایتوں سے مرتب ہوا۔ زمانہ حال کے شیعہ مصنف مجاہد اعظم نے داستان کربلاء کی وضعی روایتوں کے ذکر میں مقتل ابو مخنف کے نسخوں کا مختلف البیان ہونے کا بھی اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"صدہا باتیں طبع زاد وتراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے ہوئی رفتہ رفتہ اختلافات کی کثرت اس قدر ہو گئی کہ سچ کو جھوٹ سے، جھوٹ سے سچ کو علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔ ابو مخنف لوط بن یحیٰی ازدی کربلاء میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سمعی لکھے ہیں لہذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کہ چار نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ شہادت امام حسین سے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کوئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، مخالف فوج کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا۔ شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدسہ سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوب سم اسپان کیا جانا، سرا وقات اہل بیت کی

غارت گری، نبی زادیوں کی چادر تک چھین لیناوغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص وعام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں"(صفحہ 178)

ملاحظہ فرمایا آپ نے خود ایک شیعہ مورخ ہی جنھوں نے سالہا سال کے مطالعہ اور تحقیق سے اپنی کتاب "مجاہد اعظم" تالیف کی ہے۔ حادثہ کربلا کی مشہور روایتوں کو جو زبان زد خاص وعام ہیں کس وضاحت سے سرے سے غلط، مشکوک ومبالغہ آمیز و من گھڑت کہتے ہیں اور اسی کے ساتھ مقتل ابی مخنف کے قلمی و مطبوعہ نسخوں کو مختلف البیان بتاتے ہیں چنانچہ مطبوعہ نسخہ کے سر سری مطالعے ہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بہت کچھ تصرف اس میں کیا گیا ہے بعض ایسی روایتوں کو جن کی ساختگی کتب بلدان وجغرافیہ کے ٹھوس حقائق سے عیاں ہو جاتی ہے ترک و حذف کر کے مزید واہی روایتوں کا الحاق کر دیا ہے۔ مگر اتنی بات توسب کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت حسین مدینہ سے مکہ آکر پھر کبھی لوٹ کر مدینہ نہیں گئے۔ مکہ ہی میں چار مہینے قیام کر کے یہیں سے سفر عراق پر روانہ ہوئے تھے۔ مطبوعہ نسخہ میں تاریخ روانگی کا اخفا کر کے یہ کیسی غلط بات کہی گئی ہے کہ مسلم بن عقیل وہانی بن عروہ جب کوفہ میں قتل ہو گئے اور ان کی خبریں حضرت حسین کو ملنا بند ہو گئیں تو آپ کو سخت قلق ہوا۔ اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر آپ مدینہ چلے گئے اور مرقد رسول سے چپٹ کر شدت سے روئے کہ اچانک غنودگی طاری ہو گئی تو آپ نے اپنے نانا رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا، فوراً فوراً، جلدی جلدی بھاگ کر ہمارے پاس آجاؤ ہم تمھاری آمد کے مشتاق ہیں۔ اس مکذوبہ روایت کے ڈرامائی و دیومالائی انداز بیان سے قطع نظر صرف مسلم وہانی کی گرفتاری اور ان کے قتل ہونے نیز حسینی قافلے کی تاریخ روانگی کو پیش نظر رکھا جائے تو اس واہی روایت کا صاف بطلان ہو جاتا ہے۔ مسلم وہانی کی گرفتاری اور سزائے قتل کی تاریخ ابو مخنف نے 9 ذی الحجہ 60 ہجری بیان کی ہے اور حضرت حسین کے مکہ سے عراق چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے ایک اور واقعہ بھی بیان کر دیا ہے جس سے ان کی عراق روانگی کی صحیح تاریخ 10 ذی الحجہ معین ہو جاتی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

"حسین جب (سفر عراق پر) روانہ ہوئے اور مقام تنعیم تک پہنچے تو ایک قافلہ ملا جو یمن سے آرہا تھا اور جس کو بجیر یسار حمیری نے یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا تھا وہ ان کا عامل یمن میں تھا۔ قافلے کے پاس درس (خوشبوئیں) اور حلے (پوشاکیں) تھیں جو یزید کے پاس بھیجی جارہی تھیں۔ حضرت حسین نے قافلے کو ماخوذ کر لیا اور وہ چیزیں لے لیں پھر اونٹ والوں سے کہا کسی پر جبر نہیں جو ہمارے ساتھ عراق چلے اسے کرایہ دیا جائے گا"(الی آخری طبری جلد 2 صفحہ 218)

صوبہ یمن کا سرکاری قافلہ جسے مندرجہ بالا روایت کے اعتبار سے حضرت حسین نے مقام تنعیم پر ماخوذ کر لیا تھا 10 ذی الحجہ کو وہاں پہنچا تھا اس سے پہلے نہیں کیونکہ صوبہ یمن کے سالتمام کے محاصل واشیاء و خراج دارالخلافہ دمشق کے بیت المسلمین میں داخل کرنے کے لئے اہل قافلہ اس پروگرام سے چلتے تھے کہ ایام حج میں مکہ پہنچ جائیں جہاں ارکان حج ادا کریں پھر 10 ذی الحجہ کو براہ مدینہ دمشق پہنچ کر خلیفہ وقت کو محاصل

واشیاء و خراج ادا کر دیں۔ مقام تنقیم مکہ سے راہ مدینہ کا پہلا مقام ہے جو مکہ سے شمال مغرب کی جانب ہے اور کوفہ و عراق کا راستہ اس کے مخالف طرف مکہ سے بجانب شمال مشرق ہے۔ یہ دونوں راستے ایک دوسرے کے مخالف سمت واقع ہیں۔ پس اگر حضرت حسین نے روانگی سفر عراق کے وقت سرکاری قافلے کو مقام تنقیم پر ماخوذ کیا جیسا ابو مخنف نے اور اسکی تقلید میں سب مورخین نے صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ مقام تنقیم عراقی راستے میں تو آتا نہ تھا۔ لہذا سفر شروع کرنے سے پہلے حضرت حسین عراقی راستے کے مخالف سمت چند میل طے کر کے تنقیم پہنچے جہاں سے یمنی قافلہ براہ مدینہ دمشق جاتے ہوئے گزر رہا تھا اس لئے با آسانی ماخوذ کر لیا۔ متاع قافلہ و شتران بار برداری کے ساتھ واپس لوٹ کر سفر عراق پر روانہ ہوئے۔ سرکاری قافلے کی ماخوذی سے ہی حضرت حسین کی روانگی عراق کی صحیح تاریخ 10 ذی الحجہ 60 ہجری متعین ہو جاتی ہے۔ اور ابو مخنف کا یہ قول کہ آپ حج سے ایک دن پہلے 8 ذی الحجہ کو روانہ ہوئے غلط ثابت ہوتا ہے۔ کتب جغرافیہ کے نقشہ جات کے علاوہ ذیل کے خاکے سے مقام تنقیم کا محل وقوع اور عراق و مدینہ و یمن کے راستوں کی سمتیں بھی معلوم ہوں گی۔
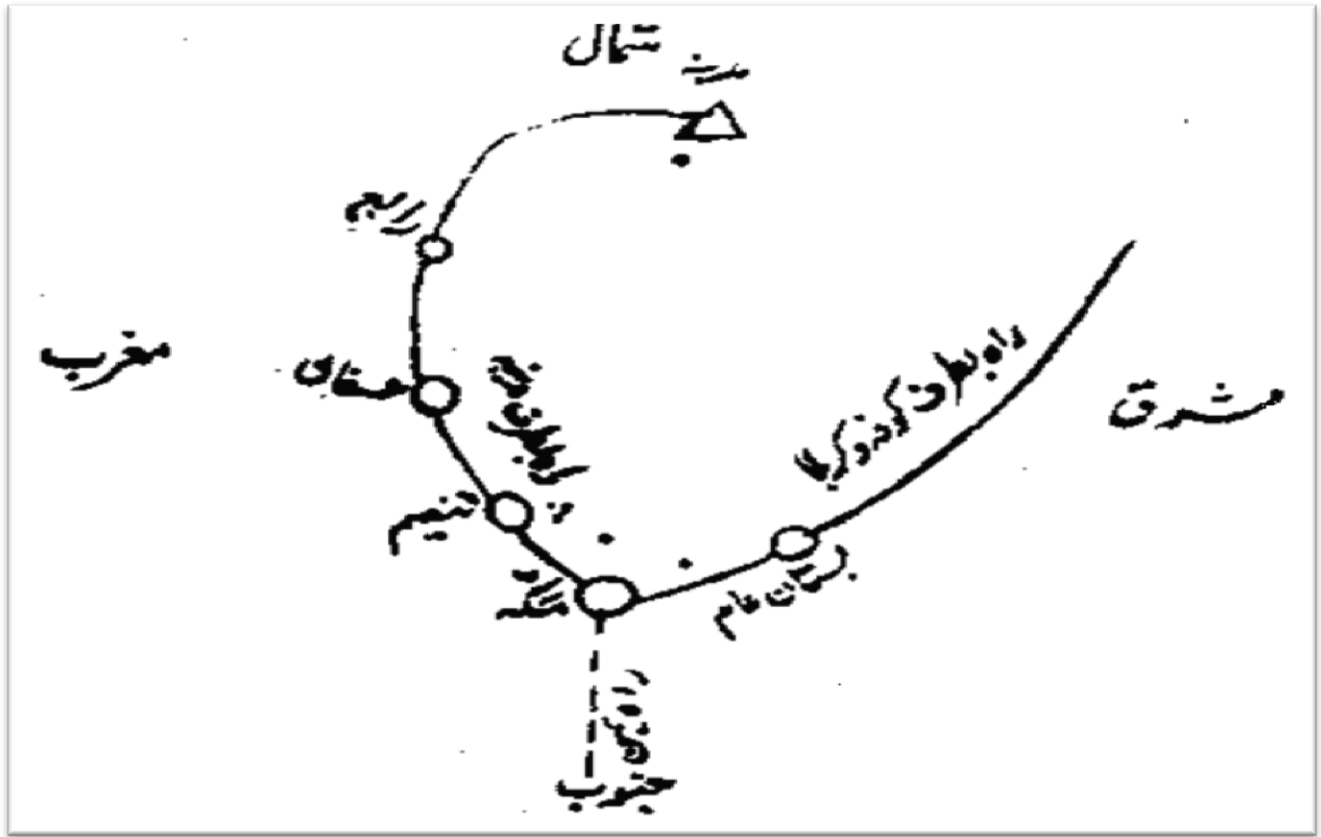
نجف کے مطبوعہ نسخے میں تاریخ روانگی قافلہ حسینی کے اخفاء کے ساتھ سرکاری قافلے کی ماخوذی کا یہ سارا واقعہ ہی ترک وحذف کر دیا گیا ہے۔ درآنحالیکہ شیعہ مورخین نے بھی اپنی تالیف میں اسے صراحتاً بیان کیا ہے۔ ناسخ التواریخ جیسی مبسوط کتاب میں جو ایک سابق شاہ ایران کی سرپرستی میں مرتب ہوئی تھی یہ سب واقعہ اس تاویل سے درج ہے کہ حضرت حسین سے امور مسلمین کا انتظام وانصرام منجانب اللہ مخصوص تھا۔ پوری عبادت شیعہ مورخ کی یہ ہے۔

"جب حسین مکہ سے باہر (سفر پر نکلے) اور چند میل کی مسافت طے کی تنقیم کی منزل پر پہنچے ایک قافلہ نظر آیا جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ درس (خوشبوئیں) اور دیگر نفیس اشیاء لے کر جارہا تھا اور یہ سب سامان جبیر بن یسار حمیری نے جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس ارسال کیا تھا، حسین نے ان اموال کو ماخوذ کر لیا۔ کیونکہ خدا تعالی کی جانب سے امور مسلمانان کا انتظام وانصرام ان سے مخصوص تھا۔[15] (تاریخ التواریخ جلد 6 کتاب دوم صفحہ 309)

یہ واقعہ جو ابھی بیان ہوا ہے 60 ہجری کا ہے جو مکہ میں پیش آیا اس سے سات سال قبل امیر المومنین حضرت معاویہ کے عہد خلافت کے ایک ایسے ہی واقعہ کو ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے یوں بیان کیا ہے۔

---

[15] اس بات کو ایک اور شیعہ مولف مصباح الظلم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ خلیفہ منجانب الناس اور خلیفہ منجانب اللہ کی کھلی مثال یزید اور جناب امام حسین ہیں۔ بلاشبہ دونوں ایک دوسرے کے ہمعصر خلیفہ تھے مگر ایک کو خلافت منجانب الناس اور دوسرے کو منجانب اللہ حاصل تھی۔ یزید شروط خلافت کے ساتھ خلیفہ قرار پایا تھا اسی لئے اس کی خلافت منجانب الناس تھی جناب امام حسین رسول اللہ کے خلیفہ عصمت کی بنا پر تھے اس لئے آپ کی خلافت منجانب اللہ تھی (صفحہ 223۔ مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور) خلیفہ بربنائے انتخاب و خلیفہ منصوص میں اللہ کی یہ تشریح جو شیعہ مولف نے کی ہے تفضیلیوں اور مساجد کے ان ائمہ کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے جو متفق علیہ منتجلہ خلیفہ امیر المومنین یزید کے صحیح الامارۃ ہونے میں غالی رافضیوں کے پراپگینڈے سے متامل ہوتے ہیں۔

"(صوبہ) یمن سے مال (خراج کا حضرت) معاویہ (خلیفہ وقت) کے پاس جارہا تھا۔ جب (قافلہ) مدینہ سے گزرا، حسین بن علی نے اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے گھر والوں اور اپنے موالیوں میں تقسیم کر دیا" (شرح نہج البلاغۃ جلد 2 صفحہ 281 طبع ایران)

اسی واقع کو دوسرے شیعہ مورخ نے اپنی تالیف ناسخ التواریخ میں بتعین سال ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"53 ہجری۔ نیز اسی سال صوبہ یمن کا کچھ خراج (خلیفہ وقت حضرت) معاویہ کے پاس (اہل قافلہ) لئے جارہے تھے۔ جب یہ لوگ (اثنائے راہ) مدینہ پہنچے حسین بن علی نے حکم دیا کہ ان اموال و اشیاء کو ماخوذ کر لیا جائے پھر ان اموال و چیزوں کو اپنے گھر والوں اور دوستوں کو عطا کر دیا"

حضرت معاویہ نے عفو و علم و کرم سے کام لیا اور ان کو لکھا یہ مال خراج کا تم نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے جو حصہ تمھارا نکلتا وہ تمھیں ملتا۔ والی اور حاکم کا ہی حق ہے کہ اموال خراج وصول کرے اور تقسیم کرے۔ آئندہ ایسا مت کرنا۔ قدیم ترین مصنف مصعب زبیری (153-236 ہجری) نے حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر کی بے ضابطگی بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات جو بعد میں طلاب خلافت ہوئے حضرت معاویہ کے ہی زمانہ سے حکومت کے خلاف حریفانہ روش رکھتے تھے۔

ابو مخنف نے عہد خلافت معاویہ کے ان واقعات کا اخفاء کیا ہے۔

تاریخ آغاز سفر و تعداد منازل سفر

کہتے ہیں دروغ کو فروغ دوامی حاصل نہیں ہوتا۔ سچ بالا آخر جھوٹ پر ایسے ہی غالب آجاتا ہے جیسے روشنی تاریکی پر۔ داستان کربلاء کے شیعہ راوی اور مقتل حسین کے اولین مصنف ابو مخنف کی وضعی روایتوں کا تحقیق و ریسرچ میں اب یہی حال ہو رہا ہے۔ اکاذیب اور دروغ بافیاں اس کی، تاریخی و جغرافیائی حقائق کی روشنی میں کھلتی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت حسین کے آغاز سفر کی صحیح تاریخ 10 ذوالحجہ 60 ہجری یعنی ایام تشریق کا پہلا دن ہے اور یہ تاریخ جیسا کہ تفصیلاً بیان ہوا ہے مقام تنقیم پر یمنی سرکاری قافلے کی ماخوذی سے ثابت و محقق ہے کیونکہ سرکاری قافلہ اس مقام سے بعد حج گزرتا ہوا دمشق جارہا تھا۔ ابو مخنف نے اس کے برخلاف حج سے ایک دن قبل کی 8 ذی الحجہ یوم ترویہ تاریخ روانگی بتائی ہے اور اس کی تصدیق حضرت حسین سے منسوبہ ایک مکتوب کے آخری فقرے سے کرانے کی جسارت کی ہے جو کہا جاتا ہے کہ موصوف نے دوران

سفر اہلیان کوفہ کو اپنی آمد کی اطلاع میں ارسال کیا تھا۔ لیکن بفحوائے دروغ گوراحافظہ نہ باشد اس فقرہ کی مندرجہ تاریخ نہ دن سے مطابق ہوتی ہے نادن تاریخ سے۔ فقرہ یہ ہے۔

"میں آپ لوگوں کے پاس مکہ سے 8 ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ منگل کے دن یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں" (طبری جلد 2 صفحہ 223)۔

اب دیکھئے 60 ہجری کے ماہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ از روئے تحقیق[16] منگل کا دن ہی نہ تھا۔ یہ دن تو اتوار یک شنبہ تھا۔ کون صحیح العقل یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت حسین کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہو۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ آپ کس دن روانہ ہوئے تھے۔ 60 ہجری کے ماہ ذی الحجہ کے عشرہ میں منگل کا دن یا تو تیسری تاریخ کو تھا یا پھر دسویں تاریخ کو۔ تیسری ذی الحجہ کو آپ کی روانگی کی کوئی روایت موجود نہیں آٹھویں کو منگل کا دن نہ تھا تو لا محالہ ماننا پڑتا ہے کہ مندرجہ بالا فقرے کے مطابق جب یوم روانگی منگل تھا تو حسینی قافلہ بتاریخ 10 ذی الحجہ یوم یوم الثلاثہ (بروز منگل) مکہ سے روانہ ہوا۔ روانگی قافلہ کی یہ تاریخ ہر دو اعتبار سے صحیح ہے یعنی مکتوب حسینی کے مذکورہ فقرے کے اندراج یوم الثلاثہ سے اور مقام تنعیم پر قافلے کی ماخوذی کے واقعہ سے بھی محقق ہے۔ اس طرح نہ صرف ابو مخنف کی کذب بیانی عیاں ہو جاتی ہے بلکہ تاریخ اور روانگی تعداد منازل سے وضعی داستان کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے۔ مکہ سے کربلا تک کی مسافت کتب بلدان و جغرافیہ اور قدیم و جدید نقشہ جات سے آٹھ سو عربی میل اور تقریباً نو سو پچاس انگریزی میل ہے۔ اس قدر مسافت بعیدہ کے طے کرنے کے لئے تیس منزلیں اس طریق الاعظم کی ہیں جن کے نام اور درمیانی فاصلے مستند کتب بلدان و جغرافیہ میں تفصیلاً درج ہیں۔ مقتل ابو مخنف کی مختلف نسخوں میں ان منازل کی تعداد چھ سے دس گیارہ تک بتائی گئی ہے۔ بیس چوبیس منزلوں کا اخفا کر کے اور سفر کا آغاز دو دن پہلے ظاہر کرنے کا مقصد محض یہ تھا کہ حسینی قافلے کو 10 محرم 61 ہجری سے چند روز قبل کربلا کے پڑاؤ تک پہنچا دیا جائے اور اس سرسبز و شاداب مقام کو جہاں چار چشمے پانی کے موجود ہوں صحرائے آب و گیاہ بتا کر منع آب و طرح طرح کے وحشیانہ مظالم کی من گھڑت داستانوں کے بیان کرنے کا موقع مل سکے۔ مگر اس عیارانہ کید کی قلعی آغاز سفر کی صحیح تاریخ کے تعین اور تعداد منازل سفر کے انکشاف سے پوری طرح کھل گئی۔ اس تحقیق و ریسرچ سے روز روشن کی طرح ہویدا ہو گیا کہ حسینی قافلہ 10 ذی الحجہ 60 ہجری کو مکہ سے روانہ ہو کر آٹھ سو عربی میل کی مسافت بعیدہ تیس منزلوں کی تیس ہی دن میں طے کر کے 10 محرم 61 ہجری کو وارد کربلا ہوا تھا، اس سے پہلے نہ پہنچا تھا نہ پہنچ سکتا تھا۔ یہ ہے ایک ٹھوس و ناقابل تردید حقیقت ثابتہ جس سے ابو مخنف کی من گھڑت روایتوں اور سماعی قصوں سے مرتبہ طویل رزمیہ داستان کا تار پود بکھر کر اس اندوہناک حادثہ کی اصل صورت منکشف ہو جاتی ہے۔ مذکورہ بالا تیس منازل کی جدول مع تصریحات بطور ضمیمہ شامل کتاب ہے۔ منازل

[16] ملاحظہ ہو تقویم تاریخی شائع کردہ مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی صفحہ 15

اب بھی موقع پر موجود ہیں [17]۔ تقلید جامد اور روایت پرستی عام وبانے ہمارے معتقدین کو ابو مخنف وغیرہ کی وضعی ومکذوبہ روایتوں کی تنقید کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا انھوں نے اسے غیر معتبر وکذاب وشیعی محترق جلا بھنا کٹر شیعہ ہی کہنے پر اکتفا کیا۔ تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر مرتبہ داستان رکھ کر انکشاف حقیقت کرلیا جاتا تو صدر اسلام کے تاریخی حالات وکوائف جس کے بیان کرنے میں اسی راوی کا بیشتر حصہ ہے اس درجہ مسخ صورت میں پیش نہ ہوتے جو صدیوں سے فرقہ ورانہ عناد وانشقاق کا موجب ہیں۔ انقلاب حکومت کی مساعی اور سیاسی اقدامات کو غلط رنگ دے کر حق وباطل کی معرکہ آرائی کا نام دیا جارہاہے۔ درآنحالیکہ ابومخنف نے خود حضرت حسین کی تقریروں اور تحریروں میں مزعومہ غصب شدہ حق خلافت کے مسئلہ پر بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے رسالہ راس الحسین میں یہ فرماتے ہوئے کہ شرافت و فضیلت اور اصلاح وتقویٰ وراثت کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ چیزیں ہر شخص کو اس کے علم وایمان وعمل واستقامت کے مطابق ملتی ہیں مگر کچھ بنی ہاشم اپنے زعم باطل کی وجہ سے غرور نفس میں پڑگئے کہ صرف نسبی تعلق جو رسول اللہ سے ہے ان کی شفاعت کے لئے کافی ہے اور فقط نسب ہی ان کو سب باتوں سے مستغنی کردے گا لکھا ہے۔

"مگر دیکھو رسول اللہ بنی ہاشم اور اپنی صاحبزادی، حسین کی ماں سے فرماتے تھے۔ اے عباس محمد کے چچا، اے صفیہ محمد کی پھوپھی اور اے فاطمہ محمد کی بیٹی، عمل کرو عمل۔ اللہ کے سامنے میں کچھ تمھارے کام نہیں آسکتا۔ اللہ اپنے رسول کو بہتر سے بہتر جزادے اس نصیحت پر جو انھوں نے اپنی امت اور اپنے اہل خاندان دونوں کو عطا فرمائی گمان غالب یہی ہے کہ یہ نسب پر بھروسہ اور سیادت وشرافت کا غرور ہی تھا جس کو ان ہاشمیوں نے موروثی قرار دے لیا تھا اور یہ سب سے بڑا سبب تھا (حضرت) حسین کے مصیبت میں پڑنے کا۔"

حضرت حسن کی دوراندیشی اور حکیمانہ سوجھ بوجھ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام موصوف مزید لکھتے ہیں کہ عراقیوں سے کنارہ کشی اختیار کرکے انھوں نے مسلمانوں کو فتنوں سے بچالیا، باہمی خونریزی نہ ہونے دی۔ اس کے برخلاف حضرت حسین پر نسبی غرہ اور شیعوں کا فریب غالب آ گیا تھا اور عملی زندگی سے ناواقفیت وناتجربہ کاری بھی تھی (راس الحسین) مصری مورخ الخضری اپنی مشہور تالیف محاضرات تاریخ الاسلامیہ (جلد 1 صفحہ 320) پر لکھتے ہیں کہ "حسین نے اپنے خروج میں بڑی شدید غلطی کا ارتکاب کیا جس سے امت میں تفرقہ اور اختلاف کا ایسا وبال پڑا کہ الفت اور محبت کے ستون آج تک متزلزل ہیں۔ اس حادثہ کو اکثر مورخین نے اس انداز سے پیش کیا ہے جس سے ان کا مقصد لوگوں کے دلوں میں بغض کی آگ بھڑکانا ہے۔ واقعہ تو صرف اتنا ہی تھا کہ ایک شخص (یعنی حضرت حسین) حکومت کی طلب میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اسکے حصول کے لئے جن اسباب واعوان کی ضرورت ہوتی ہے وہ فراہم نہیں کرسکتا اور بغیر امر مطلوبہ حاصل کئے قتل ہوجاتا ہے۔ اس سے پہلے اس کے والد (حضرت علی) بھی قتل ہوگئے تھے۔ لکھنے والوں کے قلم روکے نہیں جاسکتے، انھوں نے حسین کے قتل کو بڑھا چڑھا کر

---

[17] ایک ذی علم کرم فرما جو نسباً حسینی بھی ہیں اور ایک محترم والی ریاست کے معتمد علیہ بھی اپنے آقائے محترم کے ہمراہی بغداد سے مکہ تک عرصہ ہوا اسی راستے سفر کرنے کا اتفاق ہوا تھا عندالملاقات بتایا کہ ان ہی منازل سے ہمارا قافلہ گزرتا ہوا منزل مقصود پر پہنچا تھا۔

بیان کیاہے جس سے عداوت کی آگ بڑھتی گئی۔ مگر یہ سب لوگ اب اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں وہی ان کے لئے کافی محاسبہ لے گا لیکن اس واقعہ سے تاریخ ایک عبرت دلاتی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص بڑے کاموں کا ارادہ کرے تو مناسب تیاری سے پہلے ان کی جانب بڑھنا ٹھیک نہیں اور جب تک وہ اتنی قوت نہ حاصل کرلے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے یا کم از کم اس کے قریب ہی ہو سکے تو اسے تلوار اٹھانا نہ چاہیے نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے اسباب حقیقی طور پر موجود ہوں جو امت کے لئے اصلاح طلب ہوں یعنی بین طور سے ناقابل برداشت ظلم ہو رہا ہو اور لوگوں پر اتنی تنگی ہو کہ وہ درماندہ ہوں مگر حسین نے یزید کی مخالفت اس حال میں کی تھی کہ امت نے ان کی بیعت کرلی تھی اور حسین کی مخالفت کے وقت امیر یزید کی جانب سے کسی طرح کے ظلم وستم کا اظہار بھی نہیں ہوا تھا"

اس کتاب کے غالی مولف نے جس جس طرح حقائق کو مسخ کر کے یہ من گھڑت رزمیہ کہانی پیش کی ہے لائق مترجم نے حواشی وتعلیقات میں تارپود اس کا بکھیر کر انکشاف اصل حالات کا جویائے حقیقت کے لئے عموماً اور نوجوان نسل کے لئے خصوصاً بین طور سے کر دیا ہے۔

محمود احمد عباسی

10 ستمبر 1971

عرض مترجم

رب اعوذ بک من ھمذات الشیٰطین و اعوذ بک رب ان یحضر ون

امابعد حضرت عم محترم مولاناسید محمود احمد عباسی مد ظلہم العالیٰ نے زیر نظر کتاب ترجمہ و تنقیح کے لئے جب میرے سپرد کی میں نے اسے دو مرتبہ پڑھا حیران ہوا ترجمہ ایسی کتاب کا کیسے کروں۔ ایمان و اسلام کہتا تھا یہ معصیت ہو گی اور اتنی سخت کہ بڑے سے بڑا عملی گناہ اس کے سامنے ہیچ ہو گا۔ کیونکہ اس میں سرور کائنات اور انبیاء ورسل علیہم الصلوت والتسلیمات کی بھی بے حرمتی کی گئی اور صحابہ کرام و خلفاء اسلام کی جناب میں کسی گستاخی سے گریز نہیں کیا گیا۔

پھر ہاشمیت کہتی تھی کہ اپنے آباء کرام کی بے حرمتی پر مبنی داستان کی اشاعت کر کے کس منہ سے اپنے کو ان کی اولاد کہہ سکوں گا۔ اس لئے کہ ہر صحیح النسب ہاشمی اموی بھی تو ہے دونوں گھرانوں میں عہد جاہلیت سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ مصاہرت چلی آرہی ہے بلکہ جتنے عربی الاصل مسلمان ہیں وہ سب مہاجرین و انصار کی ہی تو اولاد ہیں۔ اس طرح دین کے ساتھ ساتھ ان کا خون بھی انھیں مجبور کرتا ہے کہ سب اسلاف کے ساتھ محبت رکھیں اور ان کی جناب میں باادب رہیں۔

غرض یہ ہے کہ اسی شش و پنج میں کئی دن گزر گئے۔ بالآخر کھلا کہ ترجمہ کرنا چاہیے اور تعلیقات کے ذریعے اصل حقائق سامنے لانا چاہئیں تاکہ اہل اسلام پر ملت اسلامیہ اور دعوت محمدیہ کے اندرونی دشمنوں کے مکائد آشکارا ہوں۔ گویا ترجمہ اس اطمینان پر کیا ہے کہ بہرحال توفیق الٰہی سے ان خرافات کی تنقیح بھی تو میرے ہی ہاتھ سے ہو گی۔ کتاب کا حال یہ ہے کہ جو ہستیاں تاریخی حیثیت سے محترم ہیں اور ہم عصر امت ان کو عقیدت و محبت سے دیکھتی تھی، ان پر اس کتاب کے مصنف نے ان پر صریح جھوٹ بولے ہیں۔ ان کے اسماء گرامی پر جگہ جگہ > بنایا ہے اور کہیں کہیں کھل کر لعنت کے الفاظ لکھ دئے ہیں بلکہ ان میں حرامی اور حرامزادہ تک کہنے سے بھی باک نہیں کیا۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کو مسخ اور واقعات کو غلط اور لغو انداز میں تحریر کرنے سے مصنف کا مقصود یہی ہی یہ ہے کہ امت مسلمہ ان فسانوں میں گم ہو کر اپنی حالت سے مایوس ہو جائے اور اخلاف کے دل میں اسلاف سے کوئی تعلق قائم نہ رہے۔ بالآخر میں نے عم بزرگوار کے

حکم کی تعمیل میں اپنے اوپر جبر کر کے اس کا ترجمہ خوب سوچ کر اسی انداز میں کیا ہے جو ابو مخنف کا کوئی شاگرد اختیار کرتا ہے تاکہ فکر اندازہ لگا سکیں کہ ملت اسلامیہ کے یہ اندرونی دشمن کس کس طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ دراصل اس کتاب میں وہی ذہنیت کارفرما ہے جو شکست خوردہ قوموں کی ہوتی ہے جو اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی ہوں پر اپنا مقام پیدا نہ کر سکی ہوں۔ یا کسی درجہ میں کامیاب ہو بھی گئی ہوں تو درخشانی دوسروں کی روداد کو نصیب ہوئی ہو۔

یونانی اور ہندوانی اساطیر میں مغلوب و محکوم ہونے کے بعد اپنے گزرے سورماؤں کے محیر العقول واقعات اور ان کے کامیاب مخالفوں پر سب و شتم کلمات محض اپنے جذبات کی تسکین کے لئے عام ہیں۔ فردوسی کے شاہنامہ میں اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ رستم کی مافوق الفطرت قوت پر فخر و غرور اور ظاہری مادی پر طنز کا سبب بھی یہی ہے کہ ان مردان حق نے درفش کے پرخچے اڑادئے اور تخت کیانی کو قصہ پارینہ بنا دیا۔ اسی جذبے کے تحت جمل و صفین کے واقعات اور حادثہ کربلا کو بھی اساطیری رنگ دے دیا گیا ہے۔

عرض یہ ہے کہ زیر نظر داستان غیر مربوط اور متضاد بیانات پر مشتمل خرافات کا مجموعہ ہے۔ مگر مصنف کتاب نے ایک ایک تفصیل اس طرح سے دی ہے کہ جیسے یہ سب کچھ اس کی آنکھوں دیکھا حال ہو۔ حالانکہ نہ اس نے یہ زمانہ پایا اور نہ اس کے راویوں نے۔ اور نہ ہی ان لوگوں کو ان حضرات کی محفلوں میں کبھی بار ملا جو خود معرکہ کربلا میں موجود تھے اور ہر بات کے عینی شاہد ہونے کے سبب انھوں نے اپنے وہ موقف اختیار کئے تھے جو سبائی تصورات کے عیاناً خلاف ہیں۔ جیسا کہ تعلیقات سے ناظرین کرام پر عیاں ہو جائے گا البتہ ابتداء میں ان چند امور پر توجہ کی ضرورت ہے جس سے اس شخص کی ذہنیت پر مزید روشنی پڑے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ عہد بعہد کیا کیا گلکاریاں کی گئیں ہیں۔

(1) پہلی غور طلب بات ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالب حضرت علی کے سگے بڑے بھائی صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ ہونے کے سبب سبائیوں میں مبغوض تھے اور انھیں جاہلیت کا پیرو کہا جاتا تھا جیسا کہ طبری نے کتاب الاحتجاج میں حضرت علی کی طرف سے یہ قول منسوب کیا ہے۔

"میرے اہل بیت کے وہ لوگ جاتے رہے جو اللہ کے دین کی حمایت میں میرے دست و بازو تھے۔ اب میں صرف ان دو حقیر آدمیوں میں گھرا ہوا ہوں جو جاہلیت کے زمانے کے قریب ہیں یعنی عقیل و عباس"

یہ قول اپنے بیس برس بڑے بھائی اور اپنے عم بزرگوار کے متعلق کیا حضرت علی کی زبان سے نکلنے ممکن تھے؟ خصوصاً اس لئے کہ حضرت عباس تو اس وقت دنیا میں تھے ہی نہیں۔ اور ان کے فرزند سب کے سب حضرت علی کے ساتھ رہے۔ اور ان کی حکومت کے کارکن تھے۔ رہے حضرت عقیل تو بیشک وہ اور ان کے سب فرزند حضرت معاویہ کے ساتھ تھے۔ اسی لئے ان میں سے کوئی صاحب عہد مرتضوی میں کسی عہدے پر فائز نظر نہیں آتے۔ مسلم بن عقیل نے چونکہ حضرت حسین کا ساتھ دیا تھا اس لئے حضرت عقیل کے دن بھی پھر گئے۔ اب ان کا شمار اہل بیت اور آل محمد میں ہونے لگا۔ نام کے ساتھ علیہ السلام کا اضافہ ہوا اور اس قابل ہو گئے کہ اپنے دوسرے بزرگوں کے ساتھ حضرت حسین ان کے نام کی بھی دہائی دیں۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اس افسانے میں مسلم کے ان دو خورد سال بچوں کا کوئی ذکر نہیں جنھیں ان کے ساتھ کوفہ جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ مسلم کے مقتول ہونے کے بعد ان یتیموں پر جو گزری اس کے بڑے طویل اور دلگداز مرثیے کہے گئے ہیں۔ گویا ابو مخنف کے وقت تک ان دو عقیلی بچوں کا کوئی تصور تک نہ تھا یہ ایجاد بعد کی ہے اور یہ مضامین غیب سے کسی اور وقت مرثیہ خوانوں پر القاء ہوئے ہیں۔

(2) دوسری بات یہ ہے کہ اس پورے افسانے میں کہیں ان ابو بکر و عثمان کا نام نہیں جو حضرت حسین کے بھائی اور حضرت علی کے فرزند تھے۔ کربلاء میں مقتول ہونے کے باوجود غالباً اپنے ناموں کی وجہ سے وہ اس قابل نہ رہے کہ ان کی طرف بھی کوئی اشارہ ہوتا۔ کیونکہ اس طرح ان ناموں کی وہ عظمت کھل جاتی جو حضرت علی کے دل میں تھی۔ ان کے وہ جذبات محبت وعقیدت واضح ہو جاتے جن کی نمود آپ کے فرزندوں کے اسماء گرامی میں ہے۔ یعنی جس دلی تعلق اور گہری مودت کے سبب حضرت علی نے اپنے ایک فرزند کا نام محمد رکھا اور ایک کا اپنے عم بزرگوار کے نام پر عباس، اسی جذبے کے تحت ایک فرزند کا نام ابو بکر رکھا، ایک کا عمر اور ایک کا عثمان۔

(3) راوی نے حضرت حسین کو سمجھانے والوں میں ان کے ایک بھائی حضرت محمد بن علی بن ابی طالب کا تو ذکر کیا ہے، اگرچہ انداز غلط ہے جیسا کہ اپنی جگہ تعلیقے سے ظاہر ہو گا، مگر اس نے ان کے دوسرے بھائی حضرت عمر بن علی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ بھی ان میں سے ہیں جنھوں نے اس اقدام سے حضرت حسین کو روکا تھا اور جب حضرت حسین نے اصرار کر کے اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو قوت کے ساتھ انکار کر دیا۔ غالباً ان عمر بن علی کا ذکر بھی ان کے نام کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔

سبائیہ نے حضرت محمد بن علی بن ابی طالب کو ابن الحنفیہ کہنا شروع کیا اور اس کثرت سے کہ دوسرے لوگ بھی ان لوگوں کا مقصد سمجھے بغیر یہی کہنے لگے۔ چونکہ حضرت محمد مذکور اپنے تمام بھائیوں علم و فضل کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتے تھے اور علماء و فقہا میں ان کا مقام تھا، اس لئے ان کی حیثیت کم کر کے دکھانے کی سبیل ان لوگوں کو یہی نظر آئی کہ انھیں (ابن الحنفیہ) کہنا شروع کر دیں اور تاثر دیں کہ حضرت فاطمہ کے فرزندوں کے مقابلے میں وہ کم حیثیت ہیں۔ حالانکہ شرعاً و عرفاً بیٹے کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور اس کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا کہ وہ

بیوی سے ہے یا ام الولد سے۔ اپنے باپ کے ورثے میں سب فرزند برابر ہوتے ہیں۔ اور یہ محض علم و تقویٰ ہے جو کسی کو کسی پر فضیلت دے دے۔

عرب اس بارے میں بڑا ذکی الحس ہوتا ہے اور ہمیشہ اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ چنانچہ کہنے والا کہتا ہے

"ہمارے بیٹے وہ ہیں جو ہمارے بیٹوں کی اولاد ہوں، رہیں ہماری بیٹیاں تو ان کے بیٹے دوسرے لوگوں کی اولاد ہوتے ہیں" (عربی شعر)

یہ لوگ جو حضرت محمد بن علی کو ابن الحنفیہ کہتے ہیں۔ یہ اس وقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ کہنے والا حضرت علی (زین العابدین) کو بھی علی بن السندھیہ کہہ سکتا ہے۔ اور اگر کہے تو ابن الحنفیہ کہنے والوں کو خفا ہونے کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ خصوصاً اس لئے کہ ان علی (زین العابدین) کی والدہ ساری عمر ام الولد رہیں۔ لیکن جناب محمد بن علی کی والدہ ماجدہ چونکہ عربی النسل تھیں اس لئے حضرت فاروق کے حکم سے حضرت علی نے انھیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ تمام عربی النسل خواتین جو جنگ میں گرفتار ہوئی تھیں وہ سب آزاد کر دی گئی تھیں اور سب اپنے اپنے مالکوں کے نکاح میں آ گئی تھیں۔ دراصل فاطمیت کا تصور اہل عجم کا پیدا کردہ ہے اور سب سے پہلے مجوس الاصل عبیدی لوگ تھے جنھوں نے اپنے آپ کو بزور شمشیر فاطمیہ کہلوایا۔ ورنہ صحیح النسب علوی لوگ اپنی نسبت حضرت علی سے ہی کرتے تھے بلکہ عبد مناف ابو طالب سے نسبت کی بناء پر ان سب کی اولاد کو طالبی کہا جاتا تھا۔ عبیدیوں نے جہاں اپنا مجہول نسب چھپانے کے لئے فاطمیت کا دعویٰ کیا وہاں ہدم اسلام اور تخریب دین کے لئے اپنی ملحدانہ اور کافرانہ حکومت کو بھی خلافت کا نام دے دیا۔ چنانچہ یہ بنے ہوئے فاطمی ہی ہیں جنھیں اموی سادات سے سخت عداوت ہے۔ اگر یہ لوگ واقعی فاطمی ہوتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ جنھیں وہ علویوں سے جداگانہ اور غیر لوگ سمجھتے ہیں وہ دراصل خود ان کے اپنے آباء کرام ہیں کیونکہ دونوں خاندانوں میں تواتر کے ساتھ رشتے ہوتے شروع سے چلے آ رہے ہیں۔

اسی فاطمیت کے خود ساختہ تصور کو فروغ دینے کے لئے نص قرآنی اور علم الانساب کی مسلم الثبوت شہادتوں کو پس پشت ڈال کر بلکہ جوأو استکباراً یہ خیال پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت فاطمہ رسول اللہ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ اور بھول جاتے ہیں کہ نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔ اللہ رب العزت نے صاف فرما دیا ہے "یا ایھا النبی قل الازواجک و بناتک و نساء المومنین"

(اے نبی کہہ دو اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلم خواتین سے)

(4)حضرت حسین کی اولاد میں ابومخنف نے علی الاکبر اور علی الاصغر (زین العابدین) نیز سیدہ سکینہ کا تو عجب جاہلانہ اور سفیہانہ انداز میں ذکر کیا ہے اور ایک موہوم شیر خوار بچے کا بھی۔ لیکن سکینہ کی بڑی بہن سیدہ فاطمہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ اپنے شوہر حسن المثنیٰ بن الحسن بن علی بن ابی طالب کے ساتھ کربلا میں موجود تھیں۔

لیکن نہ تو حسن المثنیٰ کا کوئی کارنامہ دکھایا گیا ہے اور نہ کوئی رجز ان کے نام سے وضع کیا گیا ہے۔ غالباً وجہ یہ ہے کہ وہ کربلا سے زندہ واپس آئے اور ساری زندگی سبائیہ سے بیزار رہے۔ امیر المومنین یزید سے بیعت کی اور اموی خلافت کے ایسے موید تھے کہ حضرت ابن الزبیر تک سے بیعت نہیں کی۔ حالانکہ امیر المومنین یزید وفات پاچکے تھے۔ شام جانے والے نام نہاد قیدیوں میں وہ شامل تھے۔ لیکن ان کا موقف چونکہ سبائیوں کو پسند نہ تھا اس لئے اس کتاب میں وہ مجاہد کی حیثیت سے بار نہ پاسکے کیونکہ تمام ہاشمیوں کی طرح ان کا بھی یہی طریقہ رہا کہ ہر طرح اموی خلافت کے استحکام میں مدد دیں۔ اور اس کے خلاف جو بھی تحریک اٹھے اس سے بے تعلق رہیں اور ملت کو وحدت قائم رکھنے کی تلقین کریں۔ انھوں نے اپنی زینب کا نکاح اموی خاندان میں امیر المومنین ولید اول سے کر دیا تھا۔

حضرت حسین کے سگے بھتیجے اور داماد کا یہ موقف چونکہ ابومخنف جیسے لوگوں کے تصورات کو باطل کرتا ہے اس لئے ان کا ذکر کیوں ہوتا۔ دوسرے انھیں امامت سے بھی محروم کر دیا گیا جو آل حسین کے بعض افراد سے مخصوص کی گئی ہے۔ داماد کے ساتھ بیٹی بھی محض اس لئے قابل نہیں رہیں کہ وہ اپنے خاوند کے موقف پر تھیں پھر انھوں نے سبائیوں کے نزدیک غضب یہ کیا کہ اپنے شوہر حسن المثنیٰ کی وفات کے بعد اپنا نکاح ثانی اموی خاندان میں کر لیا۔ اور جناب عبداللہ بن امیر المومنین عثمان کی زوجیت میں آگئیں۔ جن سے حضرت حسین کے اموی نواسے محمد اور قاسم پیدا ہوئے اور ایک نواسی رقیہ۔ اسی لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ حضرت حسین کی اس بیٹی اور داماد کا کچھ ذکر نہ ہو۔

فاطمہ بنت الحسین کی والدہ ماجدہ سیدہ ام اسحٰق بنت سیدنا طلحہ تھیں۔ وہی طلحہ جو رسول اللہ کے ہم زلف ہیں عشرہ مبشرہ میں ہیں اور جنھوں نے امیر المومنین حضرت علی کی بیعت نہیں کی۔ اور جنگ جمل میں ان کے خلاف کھڑے ہوئے اور کسی سبائی کے تیر سے بعد اختتام جنگ جام شہادت نوش کیا۔ انھی حضرت طلحہ کی بیٹی سے اول حضرت حسن نے نکاح کیا اور 49 ہجری میں ان کی وفات کے بعد حضرت حسین نے اپنی ان بھاوج سے نکاح کر لیا جن سے فاطمہ بنت الحسین پیدا ہوئیں۔ یہ انتساب بھی ابومخنف کو اجازت نہیں دیتا کہ فاطمہ بنت الحسین کا ذکر کیا جائے جو ان ہی حضرت طلحہ کی نواسی تھیں جن پر سبائیہ و روافض حلقوں میں لعنت کی جاتی ہے۔

حسن المثنیٰ کے دوسرے بھائی جناب زید کا بھی اس کتاب میں کوئی ذکر نہیں حالانکہ وہ حادثہ کربلا میں زخمی ہوئے، سرکاری اہتمام سے ان کا علاج کیا گیا۔ شام جانے والے قیدیوں میں وہ بھی شامل تھے لیکن ان کا موقف چونکہ سبائیہ کو پسند نہ تھا اس لئے یہ کتاب ان کے ذکر سے بھی خالی ہے۔ ان کا بھی موقف وہی رہا جو دوسرے بنو ہاشم کا تھا۔ انھوں نے اپنی صاحبزادی سیدہ نفیسہ کا نکاح بھی اموی خاندان میں امیر المومنین ولید اول سے کر دیا تھا اس طرح دونوں چچازاد بہنیں ایک ہی اموی خلیفہ کی زوجیت میں تھیں۔

(5) سیدہ سکینہ بنت الحسین کو اس افسانے میں خورد سال دکھایا گیا ہے۔ یہ وہی سکینہ ہیں جن کے متعلق بعد کے لوگوں نے یہ روایت وضع کی ہے کہ وہ شام کے قید خانے کے ظلم سہہ سہہ کر جان سے گئیں۔ اور اس خیالی بات کو شہرت دینے کے لئے مرثیے تک لکھ دئے گئے۔ لیکن ابو مخنف نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ لکھا کہ سب خواتین کو عزت و احترام کے ساتھ مدینہ واپس بھیج دیا گیا۔ گو اس زمانے تک سبائی لوگ بھی واقف نہ تھے کہ سیدہ سکینہ پر شام کے قید خانے میں مظالم ڈھائے گئے اور یوں وہ خورد سال وفات پا گئیں۔ درآنحالیکہ کربلا کے زمانے میں جوان اور شادی شدہ تھیں۔ کم عمری میں وفات کا یہ قصہ اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اگر علماء انساب کی بات مان لی جائے تو حادثہ کربلا کو حق و باطل کا معرکہ کیسے کہیں گے۔ کیونکہ سیدہ زینب کا پہلا نکاح حضرت۔۔۔ کے چھوٹے صاحبزادے عبد اللہ سے ہوا تھا جن کی کنیت ابو بکر تھی۔ (ناسخ۔۔غانی جلد 14 صفحہ 163)۔

ان کے انتقال پر دوسرا نکاح حضرت مصعب بن۔۔۔ سے ہوا جو حضرت حسین کے سیاسی حریف کے بھائی تھے اور ان حضرت زبیر۔۔ تھے جو عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ رسول اللہ کی پھوپھی کے بیٹے تھے حضرت صدیق اکبر کے داماد ہیں اور جنگ جمل میں حضرت علی کے۔۔ سبائیہ نے جنگ کے بعد دھوکے سے شہید کر دیا تھا۔ پھر ان ہاشمیہ خاتون نے غضب کیا کہ جناب مصعب کی شہادت کے بعد الاصغ بن امیر عبد العزیز بن مروان کے نکاح میں آئیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ ان کی سوکن بنت امیر المومنین یزید تھیں۔ اس کے بعد ان کا چوتھا نکاح اموی خاندان۔۔ عمر بن امیر المومنین عثمان سے ہوا۔ پہلے شوہروں سے علیحدگی یا وفات کے بعد جن سے نکاح ہوئے ان خاوندوں میں بھی نہ کوئی ہاشمی تھا نہ کوئی علوی۔

سبائی حضرت حسین کی ان بیٹی کو وفات یافتہ نہ کہتے تو اور کیا کہتے۔ ان کے نکاحوں نے سبائیہ کے تعمیر کردہ سب قلعے مسمار کر دیئے۔ سبائیہ کے نزدیک دوسرا غضب انھوں نے یہ کیا کہ اپنی بیٹی سیدہ ربیحہ کا نکاح اموی خاندان میں امیر عباس بن امیر المومنین سے کر دیا۔ یہ سیدہ ربیحہ ان کے ایک خاوند عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن الحکیم اسدی سے تھیں۔ جن سے حضرت عثمان بن عبد اللہ اسدی پیدا ہوئے اور ان سے نسل چلی۔ (جمہرۃ الانساب)

علاوہ ازیں اس افسانے میں کہیں سیدہ رباب کا ذکر نہیں جو سکینہ کی والدہ اور حضرت حسین کی چہیتی بیوی تھیں۔ ان ماں بیٹی کے بارے میں آپ کے شعر مشہور ہیں۔

(المعارف ابن قتیبہ و طبری جلد 13 صفحہ 199)

"تیری عمر کی قسم میں اس گھر سے بلاشبہ محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہیں"

"میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر ان پر اپنا مال خرچ کرتا ہوں اس میں کسی ملامت کرنے والے (ناصح) کی ملامت کا کوئی موقع نہیں"

"میں ان (ناصحین) کی بات زندگی بھر ماننے کا نہیں۔ یہاں تک کہ میں قبر میں چلا جاؤں"

غالباً وجہ یہ ہے کہ سیدہ رباب امیر المومنین یزید کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون کی قریب ترین عزیزہ تھیں یعنی سیدہ سکینہ اور سیدہ رباب کا شام جانا کو د اپنے گھر ہی جانا تھا۔ ماں کا مائکہ تھا اور بیٹی کا ننھیال۔

(6) اس افسانے میں عباس بن امیر المومنین کا ذکر تو بڑے والہانہ انداز میں ہے اور ان مزعومہ جانثاری کے واقعات بھی نہایت تفصیل سے دیئے گئے ہیں مگر ان کے فرزند عبید اللہ[18] کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ وہ کربلا میں موجود تھے اور صحیح و سالم رہے کہ خراش تک نہ آئی۔ وہ بھی شام جانے والے نام نہاد قیدیوں میں تھے۔ مگر ان کا طریقہ کار سبائیہ کے خلاف رہا اپنے عزیزوں کی طرح وہ بھی اموی خلافت کے ہمنوا تھے۔ انھوں نے اپنی بیٹی سیدہ نفیسہ کا نکاح امیر عبد اللہ بن امیر خالد بن امیر المومنین یزید سے کر دیا جن سے ان کے دو اموی نواسے علی اور عباس پیدا ہوئے جو فخر یہ کہا کرتے تھے کہ ہم صفین کے دونوں سرداروں کی اولاد ہیں۔ کربلاء میں جو شخص موجود ہو اور بقول سبائیہ حق و باطل کے اس معرکے میں ساتھ دے رہا ہو وہ بعد میں ایسا بطال پرست بن جائے کہ اپنی بیٹی اسی شخص کے پوتے کو دے دے جو ابو مخنف کے نزدیک حرام زادہ تھا اور باطل کا علم بردار ایسے شخص کا ذکر بھلا ابو مخنف کیوں کرتا۔

---

[18] ان عبید اللہ کی والدہ سیدہ رباب بنت عبید اللہ بن العباس بن عبد المطلب تھیں جو اپنے شوہر عباس بن علی ابی طالب کے کربلاء میں مقتول ہو جانے کے بعد حضرت معاویہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابو سفیان اموی کے نکاح میں آئیں۔ اور ان ولید کی وفات کے بعد زید بن حسن بن علی بن ابی طالب سے نکاح کیا جن سے ایک بیٹی نفیسہ بنت زید عالم وجود میں آئیں جو اموی خاندان میں امیر المومنین الولید بن عبد الملک کے عقد میں تھیں۔ (نسب قریش صفحہ 32)

(7) جناب علی بن الحسین کو حادثہ کربلا کہ موقع پر اس کتاب میں خورد سال اور بیمار دکھایا گیا ہے حالانکہ وہ اس وقت جواب اور صاحب اولاد، دو بیٹوں کے باپ تھے۔ بڑے بیٹے حسین الاکبر تھے ان ہی کے نام پر آپ کی کنیت ہے (نسب قریش صفحہ 59)۔ واقعہ حرہ کے وقت جب اہل مدینہ نے اموی سادات کو شہر سے نکال دیا تو حضرت مروان کے اہل وعیال کو علی (زین العابدین) اپنی جاگیر ینبع پر لے گئے تھے (انساب الاشراف جزو نمبر 4 مطبوعہ ہیبر ویونیورسٹی) پھر جب حضرت مروان شام پہنچ گئے تو فرزند اکبر کی معیت میں جیسا ایک اور روایت میں بیان ہے ان کے اہل عیال کو شام بھیج دیا۔ ظاہر ہے کہ 64 ہجری میں جب وہ اس عمر کے تھے کہ شامی قافلہ میں سفر کر سکیں تو حادثہ کربلاء میں یقیناً دس بارہ برس کے ہوں گے۔ لیکن ان سے نسل نہیں چلی اسی لئے سلسلہ امامت سے بھی تعلق نہیں رکھتے اور غیر سیاسی شخص تھے۔ ان کا نام نامی کبھی ضمناً بھی آجاتا ہے اور یوں ان کے چھوٹے بھائی جناب محمد (الباقر) کو بڑا بنا دیا گیا حالانکہ ان کی تاریخ پیدائش 57 ہجری کی مسلم ہے یعنی حادثہ کربلاء میں وہ دو تین برس کے تھے۔

اب یہ کیسی عجیب بات ہے کہ دو بیٹوں کے ان باپ کو محض اس لئے خورد سال بتایا گیا ہے کہ امیر المومنین یزید سے ان کی بیعت بے وقعت ہو جائے، لیکن پانچ برس کی عمر میں حضرت علی کا ایمان لانا ایسا اہم ہو گیا کہ انھیں اول المسلمین کہنے پر اصرار ہے۔ بالفرض جناب علی بن الحسین کو کذباء وافتراء بچہ کہہ بھی دیا جائے تو اس کو کیا کہا جائے گا کہ امیر المومنین یزید سے لے کر امیر المومنین الولید تک وہ ہر اموی خلیفہ کی بیعت میں رہے۔

جناب علی زین العابدین نہ کم سن تھے اور نہ ان کی بیعت بے وقت تھی بلکہ اس فرزند ارجمند نے اپنے والد ماجد کے موقف کی تائید وتوثیق میں یہ بیعت کی تھی۔ اور اس پر ساری عمر مستقیم رہے۔ امیر المومنین یزید کے خلاف حضرت ابن الزبیر نے اپنی تحریک اٹھائی اور اہل مدینہ سے بغاوت کرادی مگر دوسرے تمام ہاشمیوں کے ساتھ جناب علی زین العابدین نے بھی اس تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھا بلکہ مدینہ ہی سے چلے گئے جیسا کہ مذکور ہوا اور ساتھ ہی امیر المومنین کو اپنے اور اپنے خاندان کے موقف سے مطلع کر دیا۔ (انساب الاشراف بلاذری)۔ انھوں نے اور تمام بنو ہاشم اور اکابر صحابہ نے نا حضرت الزبیر سے بیعت کی نا التوابون سے کوئی تعلق رکھا اور نہ مختار ثقفی کی تحریک سے بلکہ سب کے سب اپنی بیعت پر قائم رہے، اموی خلافت کی تائید کی اور امیر المومنین عبد الملک کی بیعت میں داخل ہو گئے۔ اور کیوں نہ ہوتے ایک تو وہ امت کے متفق علیہ امام تھے اور دوسرا انھیں امیر المومنین علی کے داماد ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ یہ جناب علی بن الحسین جو حادثہ کربلاء کے عینی شاہد ہیں انھیں بھی اس حادثے میں کوئی گزند نہیں پہنچا ان کا موقف چونکہ سبائیہ کے بالکل خلاف ہے اس لئے انھیں گوشہ نشین اور امور خلافت سے بے تعلق بتانے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ وہ ایسے جری تھے کہ پوری استقامت سے انھوں نے ہر فساد کا مقابلہ کیا۔ اگر امیر

المومنین یزید اور دوسرے اموی خلفاء سے ان کی بیعت نعوذ باللہ من ذالک تقیہ پر مبنی تھی تو اسی تقیہ کے تحت وہ حضرت ابن الزبیر سے بھی بیعت کر سکتے تھے لیکن وہ ان کی طاقت سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئے اور بیعت سے انکار کر دیا۔

مزید غور طلب بات یہ ہے کہ خواتین آل البیت میں جناب علی بن الحسین کی والدہ ماجدہ کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ وہ وہاں موجود تھیں۔ تمام علماء نساب اس پر متفق ہیں کہ ان کی والدہ سلافہ یا غزالہ سندھی خاتون تھی۔ امام ابن قتیبہ ابن سعد اور طبری سب نے اس کی توثیق کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے حضرت حسین کے مقتول ہو جانے کے بعد جناب علی (زین العابدین) نے اپنی ولایت میں اپنی والدہ ماجدہ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید سے کر دیا تھا جن سے عبد اللہ بن زبید پیدا ہوئے جو علی بن الحسین کے ماں جائے ہیں، ابو مخنف کے وقت تک اس موہوم ہستی کا کوئی تصور نہ تھا۔ جسے شہر بانو نام دیا گیا ہے اور جناب علی بن الحسین کو یزدگرد کی اس خیالی بیٹی کا فرزند بتا کر تخت کیانی سے ان کا رشتہ جوڑنے کی مذموم و مردود کوشش کر کے انھیں نہایت درجہ اذیت پہنچانے کا انتظام کیا گیا کہ ان کو اپنی والدہ سے چھین کر ایک خیالی ہستی کو گود میں ڈال دیا گیا۔

ایک شیعی نساب و مورخ جمال الدین احمد بن علی بن الحسین بن علی الحسینی مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے کیا خوب کہا ہے۔

"اکثر نسابوں مورخوں نے اس کا انکار کیا ہے (یعنی اس کا کہ والدہ زین العابدین یزدگرد کی بیٹی تھیں) اور کہتے ہیں کہ جب یزدگرد خراسان گیا تو اس کی دونوں بیٹیاں ساتھ تھیں اور یہ بھی کہا گیا کہ زین العابدین کی والدہ یزدگرد کے علاوہ کسی اور کی اولاد تھیں۔ حقیقت یہ ہے اللہ نے علی بن الحسین کو رسول اللہ کے گھر پیدا ہونے کے سبب اس سے بے نیاز کر دیا ہے کہ وہ یزدگرد بن شہریار مجوسی کی اولاد ہوں جو بغیر عقد کے پیدا ہوا تھا جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے"

یزدگرد کی عمر اٹھارہ برس تھی جب وہ حضرت امیر المومنین عثمان کے عہد مبارک میں حضرت عبد اللہ بن عامر بن کریز عبشمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب سوچنا چاہیے کہ عہد عثمانی میں جس کی عمر یہ ہو اس کی بیٹی کی عمر کیا ہو گی اور عہد فاروقی میں وہ ہو گی کیسے۔ غرضیکہ ابو مخنف کے عہد تک شہر بانو کا قصہ غیر معروف تھا۔ یہ جدت بعد میں پیدا کی گئی ہے اور خالصتاً مجوسی ذہن کی پیداوار ہے۔

جناب علی بن الحسین زین العابدین اور ان کے گھرانے کے جو تعلقات مودت (اموی سادات خصوصاً امیر المومنین یزید اور ان کے گھرانے کے ساتھ اوپر مذکور ہوئے ایک طرف تو وہ حالات واقعات ہیں اور دوسری طرف ان کے بارے میں یہ لغو قصہ بھی وضع کیا گیا ہے کہ ایک

مرتبہ امیر المومنین ہشام حج کے لئے حاضر ہوئے تو ہجوم کے سبب آپ حجر اسود کو بوسہ نہ دے سکے اتنے میں جناب علی بن حسین آئے تو کائی کی طرح لوگ چھٹ گئے اور آپ نے بوسہ دیا۔ اس پر ایک شامی نے پوچھا یہ کون ہیں تو انھوں نے کہہ دیا میں نہیں جانتا۔ وہاں فرزوق کو موجود بتایا ہے اور کہا گیا ہے کہ انھوں نے جناب علی زین العابدین کی تعریف میں برجستہ ایک قصیدہ مدحیہ سنا دیا جس میں پچیس شعر ہیں۔ امیر المومنین نے قصیدہ تو پورا سن لیا یعنی طواف پورا کرنے سے رکے رہے مگر بعد میں فرزوق کو قید کر دیا۔

یہ افسانہ جس نے بھی وضع کیا ہے اسے تاریخ کا نہ کوئی علم تھا نہ فقہ کا۔ علی بن الحسین کی وفات 95 ہجری میں ہوئی اور امیر المومنین ہشام نے پہلا حج 106 ہجری میں کیا تھا۔ یعنی ان کی وفات کے گیارہ برس بعد تو وہ حج کے موقع پر یکجا کیسے ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ فرزوق کو شاعر بنی امیہ کہا جاتا تھا۔ ان کا چھپا ہوا دیوان موجود ہے جس میں ایک شعر بھی کسی ہاشمی کی مدح میں نہیں چہ جائیکہ پچیس اشعار کا قصیدہ ہو۔ لیکن اس مزعومہ واقعہ کے سبب انھیں شاعر اہلبیت کہا جانے لگا، بے پر کی اڑنا کوئی سبائیہ سے سیکھے۔ تیسرے یہ کہ مناسک حج سب امیر حج کی قیادت میں ادا کئے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب امیر المومنین خود حج کر رہے ہوں تو وہی امیر الحج ہوں گے۔ اس طرح اس کا امکان کب رہا کہ کوئی ان پر سبقت کر سکے۔ چوتھے یہ حجر اسود کا چومنا ضروری نہیں۔ ہاتھ سے اشارہ کر کے چوم لینا کافی ہے کیونکہ اس کے محاذ میں پہنچنے کے معنی یہ ہیں کہ ایک چکر پورا ہو گیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی طواف چھوڑ کر قصیدہ سننے کھڑا ہو جائے۔ ایسی ایسی خرافات کے ذریعے تاریخ مسخ کی گئی ہے۔

(8) ابو مخنف نے بڑے اہتمام سے سیدہ ام کلثوم بنت حضرت علی کا کربلا میں موجود ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی امکان نہ تھا۔ حضرت علی کی پہلوٹی کی اولاد تھیں اور سب بہن بھائیوں سے بڑی، خود ابو مخنف کے بیان کا انداز بھی یہی ہے بتاتا ہے کہ لیکن بعد کے لوگوں نے حضرت حسن کو پہلی اولاد مشہور کر دیا ہے۔ سیدہ ام کلثوم کا پہلا نکاح حضرت امیر المومنین عمر فاروق الاعظم صلوات اللہ علیہ سے ہوا اور ان سے حضرت زید پیدا ہوئے جو لاولد رہے اور ایک دختر رقیہ ہوئیں۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد وہ حضرت عون بن جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں اور ان وفات کے بعد جو کربلاء سے بہت پہلے ہوئی تھی ان کے بھائی حضرت محمد الاکبر نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ اور یہ محمد الاکبر کربلاء نہیں گئے تو اس کا امکان کہاں رہا کہ سیدہ ام کلثوم کربلاء جاتیں۔

البتہ سیدہ زینب بنت علی وہاں گئی تھیں اور ان کے خاوند عبد اللہ بن جعفر نے انھیں وہاں جانے سے روکا تھا کیونکہ وہ حضرت حسین کے اس اقدام کے سخت خلاف تھے اور بڑی کوشش کی تھی کہ وہ مکہ نہ چھوڑیں۔ امیر مکہ سے اس بارے میں ایک فرمان بھی حاصل کر لیا تھا کہ حضرت حسین واپس آ جائیں تو اطمینان سے رہیں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، لیکن حضرت موصوف نہ مانے۔ سیدہ زینب بھائی کے ساتھ

جانے پر مصر ہوئیں اور اپنے شوہر کے روکے نہ رکیں تو انھوں نے انھیں طلاق دے دی (جمہرۃ النساب ابن حزم صفحہ 33) ان سے جو اکلوتے فرزند حضرت علی (الزینبی) تھے انھیں بھی آپ نے روک لیا۔

سیدہ ام کلثوم جو کچھ مدت بعد حضرت محمد الاکبر بن جعفر الطیار کی وفات پا جانے کے سبب بیوہ ہو گئی تھیں تو حضرت عبد اللہ بن جعفر نے ان سے نکاح کر لیا اور اس طرح حضرت علی کی دامادی کا رشتہ قائم رکھا۔ گویا سیدہ ام کلثوم کا کربلاء میں موجود ہونا اور پھر قید ہو کر شام جانا محض افسانہ ہے۔ وہ اپنے دونوں خاوندوں کے موقف پر تھیں اور حضرت حسین کے خروج کے خلاف۔ ان کے نکاحوں کا یہ سب حال کتب انساب خصوصاً امام ابن حزم کی کتاب جمہرۃ الانساب میں مذکور ہے۔

(9) ابو مخنف نے اس سانحہ میں عون الاصغر کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان کے مشہور بھائی محمد کا ذکر نہیں جن کے بڑے دل گزار مرثیے لکھے گئے ہیں اور انھیں سیدہ زینب کے فرزند باور کرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کس طرح دونوں نو عمر بچے اپنی والدہ ماجدہ کے حکم سے اپنے ماموں جان پر قربان ہوئے۔ حالانکہ یہ عون اور محمد حضرت زینب کے فرزند نہ تھے۔ عون کی ماں جمانہ بنت المسیب الفرازی تھیں۔ اور محمد کی ماں حفصہ بن بکر تھیں (انساب قریش صفحہ 83)۔ زینب کے بطن سے حضرت ابن جعفر کے فرزند حضرت علی (الزینبی) تھے جو اپنے والد ماجد کے حکم سے اپنی والدہ کے ساتھ کربلاء نہیں گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن جعفر اس اقدام کے اتنے مخالف تھے اور اس درجہ ناراض کہ سیدہ زینب کو طلاق دے دی تو دوسری بیوی سے ان کے جو فرزند تھے انھیں بھی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

دراصل یہ عون اور محمد بچے نہیں تھے صاحب اولاد جوان تھے اور حضرت عبد اللہ کے فرزند نہیں بلکہ بھائی تھے۔ ان میں حضرت عون تو کربلا میں ہو ہی نہیں سکتے تھے اس لئے کہ سانحہ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ البتہ محمد الاصغر بن جعفر کربلائی قافلہ میں موجود تھے اور مقتول ہوئے مگر وہ بنت حفصہ بن بکر کے بطن سے تھے۔ ابو مخنف جیسے غالی شخص کے اس خود ساختہ افسانے میں یہ چند اغلاط و اسقام عیاناً مشہور ہیں اس لئے ان کا ذکر عرض مترجم میں ضروری تھا۔ باقی امور کی نشاندہی تعلیقات میں ہی حسب موقعہ کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔ آخر میں عرض یہ ہے کہ اپنی دانستہ میں یہ ترجمہ میں نے پوری دیانت داری سے کیا ہے اور مصنف کا مفہوم پوری طرح سے واضح کر دینے میں کوئی کمی نہیں کی۔ ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ اگر کوئی فرو گزاشت ہوئی ہو تو چشم پوشی فرمائیں بلکہ مترجم شکر گزار ہو گا۔ اگر کوئی صاحب اس کی کسی لسانی غلطی پر متنبہ فرما دیں۔

علی العباسی۔ سیدو شریف۔ سوات

مقدمہ

بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم

ابو مخنف کہتا ہے ابو المنذر بن ہشام نے ہم سے محمد بن سائب کلبی کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتا ہے ہم سے عبد الرحمن بن جندب ازدی نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتا ہے۔

"میں اور سلیمان ابن صرد خزاعی مع مسیب بن نجیہ اور سعید بن عبد اللہ حنفی کے حسن بن علی بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ آپ نے ہمارے سلام کا جواب دیا۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب انھوں نے معاویہ بن ابی سفیان سے صلح کرلی تھی اور ابھی آپ کوفہ میں ہی تھے۔ سلیمان نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔

اے ابن بنت رسول اللہ ہمیں آپ کے معاویہ سے بیعت کرنے پر بڑا تعجب ہے کیونکہ آپ کے ساتھ چالیس ہزار شمشیر زن کوفہ میں موجود ہیں جو سب کے سب وظائف لیتے ہیں اور اتنا ہی وظیفہ ان کے بیٹوں کو بھی ملتا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کے مدد گار بصرے اور حجاز میں بھی ہیں۔ پھر آپ نے نہ تو عہد نامے میں (اپنے لئے) کوئی شرط منظور کروائی اور نہ ہی عطیات میں اپنا کوئی حصہ رکھا۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو ایسا نہ کرتا، بلکہ عہد نامہ تحریر کراتا اور اس پر مشرق و مغرب کے لوگوں کی گواہیاں لیتا کہ ان کے (یعنی حضرت امیر المومنین معاویہ) کے بعد منصب خلافت آپ کا ہوگا۔ لیکن آپ اتنے پر ہی راضی ہوگئے۔ یعنی انھوں نے آپ کو دیا تو تھوڑا مگر لے لیا بہت"[19]

امام علیہ السلام نے فرمایا۔

"میں ان لوگوں میں سے نہیں جو شرطیں عائد کریں اور پھر اسے منسوخ کردیں۔ اور نہ یہ ہے کہ میں عہد کروں اور پھر قابل اعتراض طریقے پر اس سے پھر جاؤں۔ جب اللہ نے ہمارا کلمہ متحد کردیا، اور ہماری آرزوئیں پوری کردیں۔ تو پھر میں بس یہی ایک کام کر سکتا تھا۔ تم لوگ ہمارے گروہ کے ہو، ہمارے مددگاروں میں ہو، اور ہماری محبت کے اہل ہو۔ اور ان لوگوں میں ہو جو ہمارے ساتھ خیر خواہی میں اور شفقت میں جانے پہچانے ہیں۔ اور پھر خلوص کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہنے والے۔ اگر میں اپنے عمل میں دنیا اور اس پر حکومت کو نظر میں رکھتا، تو نہ معاویہ مجھ سے زیادہ جنگجو ہیں اور نہ مجھ سے زیادہ سخت کوش۔ لیکن میں نے وہ رائے قائم کرلی ہے جو تم دیکھ رہے ہو اور میں اللہ کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اپنے اس اقدام سے میں نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں سوچا کہ تمھارے مابین خون ریزی بند ہو اور تمھارے احوال

---

[19] بعد کے لوگوں نے یہ غلط مشہور کیا ہے کہ حضرت حسن نے حضرت امیر المومنین معاویہ سے یہ شرط بھی کی تھی کہ اپنے بعد وہ انھیں خلافت کے لئے نامزد کر چکے تھے۔ اور اس بیان کو قوت دینے کے لئے یہ افسانہ وضع کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے انھیں بیٹے کی خلافت کی خاطر زہر دلوا دیا تھا۔ لیکن ابو مخنف کے زمانے تک ایسی کوئی بات معروف نہ تھی۔ یہ سب بعد کی وضع کردہ باتیں ہیں۔ زیر نظر بیان وضاحت کر رہا ہے کہ خلافت کے بارے میں حضرت حسن اور حضرت معاویہ کے مابین کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا جس سے بچنے کے لئے وہ حضرت حسن کو زہر دیں۔ حضرت حسن کی بیعت خالصتاً تعمیری تھی۔

درست ہو جائیں۔ لہذا تمھیں چاہیے کہ قضاء الٰہی پر راضی ہو جاؤ۔ تمام معاملات اس کے سپرد کر دو اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہو۔ اپنی قسم تم ہی ہمارے محب اور مددگار ہو۔ میں نے اپنے والد امیر المومنین کو یہ فرماتے سنا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا" جس نے کسی قوم سے محبت کی تو اللہ قیامت کے دن اسے انھی لوگوں سے اٹھائے گا۔ یعنی تم ہمارے ہی ساتھ ہو اور ہمارے ہی گروہ میں ہو نہ تم ہم سے جدا ہوں گے اور نہ تم ہم سے الگ ہوں گے "

راوی کہتا ہے پھر ہم ان کے پاس سے چلے آئے اور ان کے بھائی حسین کے پاس گئے اس وقت وہ غلاموں کو شہر چھوڑ دینے کے بارے میں ہدایت دے رہے تھے۔ پھر وہ ہماری طرف آئے ہمارے پاس بیٹھ گئے اور ہمیں سلام کیا۔ ہم نے آپ کے سلام کا جواب تو دے دیا مگر آپ نے ہمارے چہروں پر رنج و غم کے آثار دیکھے، تو خوف ہی بات شروع کر دی اور فرمایا۔

"سب ستائش اللہ کے لئے ہے، اور ایسی کہ اس کی بارگاہ میں موزوں ہو اور بے شک اللہ ہی کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور بے شک اللہ کا کام ایک اندازے کے مطابق روبکار آتا ہے۔ اور اسی کے فیصلے کے مطابق انجام پاتا ہے۔ بخدا اگر سب انس و جن جمع ہو جائیں اور چاہیں کہ جو ہونا ہے وہ نہ ہو، تو کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بخدا میں موت پر دل سے راضی تھا تا آنکہ میرے بھائی حسن نے مجھ پر زور دیا اور خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ میں کوئی اقدام نہ کروں اور نہ سکون میں کسی تلاطم کا سبب بنوں۔ اس لئے میں نے ان کی بات مان تو لی۔ مگر لگتا ایسا ہے کہ جیسے کوئی کاٹنے والا چھریوں سے میری ناک کاٹ رہا ہو، یا نشتر سے میرا گوشت چھید رہا ہو۔

گویا میں نے جو ان کی بات مانی ہے تو مجبوراً۔ اور اللہ فرماتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمھیں کوئی بات ناگوار لگے اور وہ ہو تمھارے حق میں بہتری کی، اور ہو سکتا ہے کہ کوئی بات تم پسند کرتے ہو مگر وہ تمھارے حق میں بری، کیونکہ اللہ جانتا اور تم نہیں جانتے، اب چونکہ صلح ہو گئی ہے اور بیعت کر لی گئی ہے اس لئے ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک یہ شخص موجود ہے۔ (یعنی حضرت امیر المومنین معاویہ)۔ جب یہ مر جائے گا تو ہم بھی دیکھیں گے اور تم بھی دیکھو گے[20]۔

ہم نے عرض کیا بخدا اے ابو عبد اللہ! ہمیں اور تو کچھ رنج نہیں سوائے اس کے کہ آپ کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ ہم سب آپ ہی کے مددگار ہیں اور آپ ہی کے محب ہیں۔ آپ حضرات جب بھی ہمیں بلائیں گے ہم حاضر ہوں گے اور جس بات کا حکم دیں گے اس پر ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر حسن اور حسین علیہ السلام روانہ ہو گئے۔ اور ہم بھی انھیں رخصت کرنے کے لئے کچھ دور ان کے ساتھ گئے۔ جب ہم ہند کے گھر سے آگے نکل گئے تو حسین نے کوفہ کی طرف دیکھا اور دلدوز آہ بھری اور یہ شعر (حسب حال) پڑھے۔

(1) میں اس بات پر ناراض ہو کر نہیں جا رہا کہ اہل وطن نے مجھے امان نہ دی اور میرے پشت پناہ نہ بنے۔

---

[20] یہاں راوی یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ حضرت حسین پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ حضرت امیر المومنین معاویہ کے بعد وہ اپنا سیاسی موقف بنائیں گے۔ انھیں تو چھ مہینے لگاتار محنت کے بعد کھڑا کیا گیا تھا یہ باور کرا کے کہ تمام عراق ان کی حمایت پر متحد اور امیر المومنین یزید کی بیعت توڑ دینے پر متفق ہے۔ اور اس سلسلے میں سبز باغ دکھانے کا جو انداز ان چند شر پسند سبائیوں نے اختیار کیا، وہ ایسا تھا کہ تمام اعزہ واقرباء واحباء بلکہ بے تعلق لوگوں کو سمجھانے کا بھی آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ خود ابو مخنف نے بھی بیان کیا ہے کہ کس کس طرح اکابر و اصاغر نے آپ کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

(2) بلکہ بندوں کے حق میں اللہ کا جو فیصلہ ہو وہ ہو کے رہتا ہے اور دنیا رہنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ سب سے پہلے جو شخص حسین کو ملا وہ حجر بن عدی تھا رحمۃ اللہ۔ اور اسی نے انھیں جنگ پر ابھارا۔ ہوا یہ ہے کہ ایک دن وہ حسین کے پاس آیا اور یہ شعر پڑھے۔

(1) اہل وطن کا ایک پیامی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ امام بر حق نے صلح کر لی ہے

(2) میں نے اپنا دل ٹٹولا اور اس کہا کہ صبر کر کیونکہ امام خدا شناس ہیں۔

(3) اے پیامی میرے طرف سے انھیں یہ بات پہنچا دے کہ میں ان کے مددگاروں میں سے تھا اور ان کے دشمنوں سے ستیزہ کار رہا۔

(4) ہنگام جنگ میں ان کے نیزے مارتا تھا اور ان کے سروں اور کھوپڑیوں کو تلوار سے اڑاتا تھا۔

(5) ہم آپ کے دوستوں کے دوست ہیں اور جو آپ سے دشمنی رکھے اسے ہم بھرپور عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔

حجر کہتا ہے۔ بخدا میں نے امام کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ چمک اٹھا۔ پھر انھوں نے فرمایا اور لوگ تو ایسے نہیں جیسے تم ہو اور نہ انھیں یہ بات پسند ہے جو تم پسند کرتے ہو۔ (یعنی جنگ والی)۔ راوی کہتا ہے کہ پھر حسین کے پاس سے حجر چلا گیا تو اہل کوفہ میں سے بڑے بڑے چند شیعہ جمع ہوئے اور انھوں نے حسین کو خط لکھا جس میں ان کے بھائی کی وفات پر تعزیت کی گئی تھی۔ وہ سب کے سب سلیمان بن صرو خزاعی کے گھر پر جمع ہوئے اور مراسلے کی ابتدا یوں کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی بن ابی طالب کی خدمت میں، ان کے اور ان کے والد کے شیعوں کی طرف سے۔ امابعد ہم لوگ اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ محمد و آل محمد پر رحمت نازل کرے۔ ہمیں آپ کے بھائی حسن کی وفات کی اطلاع ملی۔ اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے اس دن جب وہ پیدا ہوئے اور اس دجب انھوں نے وفات پائی اور اس دن جب انھیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اللہ ان کی پردہ پوشی فرمائے، ان کی نیکیوں میں اضافہ کرے، ان کا اجر بلند کرے اور انھیں ان کے نانا اور ان کے والد کے درجے میں پہنچائے۔ صلی اللہ وعلیہ وسلم۔ اور آپ پر جو مصیبت پڑی ہے اس کا آپ کو زیادہ سے زیادہ اجر دے اور ان کے بعد آپ کی مصیبت کا یہ زخم بھر دے۔ ان کی وفات کا شکوہ ہمیں اللہ سے ہے کیونکہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ (شکوہ) اس مصیبت کے سبب ہے کہ جو عام طور پر ساری امت پر پڑی ہے اور اس کی خاص اذیت آپ کو پہنچی ہے۔ بڑا ہے وہ صدمہ جو آپ کو پہنچا اور سخت ہے وہ مصیبت جو آپ پر پڑی۔ مگر اے ابو عبد اللہ جو افتاد آپ پر پڑی ہے اس پر صبر کیجئیے کیونکہ حوصلہ مند لوگوں کا شیوہ یہی ہے۔ بحمد للہ آپ اپنے بزرگوں کے جانشین ہیں۔ خدا ان لوگوں کو راہ راست پر رکھے جو آپ کے طریقے پر چلیں اور آپ ہی کی رہنمائی میں مراحل حیات طے کریں۔ ہم آپ کے شیعہ آپ کی اس مصیبت میں برابر کے غم خوار ہیں۔ آپ کے رنج سے ہم رنجور ہوتے ہیں اور آپ کی مسرت پر ہم مسرور۔ ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ خدا آپ کا سینہ کھول دے، آپ کی شان بلند کرے آپ کی قدر بڑھائے اور آپ کا حق آپ کو واپس دلائے۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔[21]

اس کی بناء پر لوگ کہنے لگے کہ جب معاویہ ہلاک ہو جائے گا، تو حسین کے مقابلے میں ہم کسی کو نہیں سمجھیں گے۔ چنانچہ لوگ آپ کے پاس آنے جانے لگے اور آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ یہ بات جب معاویہ بن ابی سفیان کو معلوم ہوئی تو اس نے انھیں ایک خط اس مضمون کا بھیجا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے۔ امابعد مجھے تمھارے بارے میں کچھ باتیں پہنچی ہیں، اور ایسے احوال مجھ تک آئے ہیں جنھیں میں غلط سمجھ رہاہوں۔ اپنی قسم یہ باتیں جو تمھارے متعلق پہنچی ہیں ان کے بارے میں اگر سچ وہ ہے جو میں نے سمجھ رکھاہے، تو اپنی سعادتمندی اور عہد الہٰی کی پاسدراری میں تم اس سے کہیں زیادہ ہو۔ لہذا مجھے اپنے سے قطع تعلق کرنے پر مجبور نہ کرنا۔ تم نے اگر مجھ سے کوئی چال چلی تو میں بھی تم سے چال چلوں گا۔ اور اگر تم نے میرا احترام کیا تو میں بھی تمھارا احترام کروں گا۔ امت کی یکجہتی کو مت توڑنا، تمھیں خود ہی ان لوگوں کا (یعنی شیعوں کا) تجربہ ہے اور ان کا امتحان کر چکے ہو۔ لہذا اپنی جان اور اپنے دین کا خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ ناسمجھ لوگ جو معاملات کا فہم نہیں رکھتے وہ تمھیں ورغلالیں۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

راوی کہتاہے کہ حسین نے اس کے جواب میں جو خط لکھا اس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امابعد۔ مجھے آپ کا خط مل گیا اور جو کچھ آپ نے ذکر کیا میں اس کو سمجھ گیا۔ میں اللہ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ جو عہد میرے بھائی حسن نے آپ سے کیا تھا اسے میں توڑ دوں۔ باقی باتیں جو اپ نے لکھی ہیں، تو یہ آپ کو دروغ گو لوگوں نے پہنچائی ہیں، جو چغلی کھانے والے اور جماعت میں تفرقہ ڈالنے والے ہوا کرتے ہیں۔ بخدا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔

یہ خط جب معاویہ بن ابی سفیان تک پہنچا تو وہ چپ ہو رہا اور اس کا جواب نہیں دیا مگر بدستور انعامات سے نوازتا رہا اور آپ کا وظیفہ بند نہیں کیا۔ وہ انھیں دس لاکھ درہم سالانہ دیا کرتا تھا اور قسم قسم کے ہدیے اس کے علاوہ تھے۔

---

[21] ابومخنف کے وقت تک امت میں ایسی کوئی بات معروف نہ تھی کہ حضرت حسن کی وفات غیر طبعی تھی اور آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ ورنہ وہ اس کا ذکر ضرور کرتا کیونکہ اسے محمد بن اشعث سے عداوت ہے اور اس نے ان کا تذکرہ دشمنان اہل بیت میں کیا ہے جیسا کہ مسلم بن عقیل کے مقتول ہونے کے سلسلے میں آگے آئے گا۔ زہر خورانی کا افسانہ بعد کی ایجاد ہے۔ اور اس کی نسبت سیدہ جعدہ بنت اشعث کی طرف کی جاتی ہے جو خلیفہ الرسول اللہ کی بھانجی اور حضرت محمد بن اشعث کی بہن تھیں۔ سیوطی جیسے لوگوں نے اس افتراء محض کو جس طرح اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اس کے وبال کا انھوں نے خیال نہ کیا۔ اگر اس قسم کے تصور کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو ابومخنف اسے بیان کرنے سے کبھی نہ چوکتا۔ اس کا اس بارے میں قطعاً کچھ ذکر نہ کرنا اس کی بین اور قاطع دلیل ہے کہ زہر خورانی کا قصہ بالکل بے اصل ہے۔ اور کذب محض سو برس تک امت ایسی کسی بات سے واقف نہ تھی۔ ورنہ یہ کذاب اس کا ضرور ذکر کرتا۔

کلبی نے ایک روایت یہ کی ہے کہ جب معاویہ کی وفات کا وقت قریب آیا، اور مرض نے بہت شدت اختیار کرلی تو اس وقت یزید اس کے پاس موجود نہ تھا۔ وہ کہتا ہے (یعنی کلبی) کہ اس وقت وہ (یعنی امیر المومنین یزید) حمص کا والی تھا۔ لہذا اس نے (یعنی حضرت امیر المومنین معاویہ) کاغذ قلم و دوات منگا کر اس کے نام یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امابعد! اللہ نے جو بھی پیدا کیا ہے تو ایک طے شدہ وقت اور قطعی مدت کے لئے۔ اگر دنیا میں کسی کو رہنے دیا جاتا تو پہلوں اور پچھلوں کے سردار حضرت محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ وعلیہ وسلم) کو بقاء کا حق سب سے زیادہ تھا۔ بیٹا میں تمھیں ایک وصیت کرتا ہوں جب تک تم اس کی پاسداری کروگے عافیت میں رہوگے۔[22]

میں تمھیں اہل شام کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ تمھارے ہیں اور تم ان کے۔ ان میں سے جو بھی تمھارے پاس اس کا اکرام کرنا۔ اور ان میں سے جو غیر حاضر ہو اس کی خبر گیری کرتے رہنا۔ اور جب کسی دشمن کی طرف سے تمھیں خطرہ ہو تو انھی کو ساتھ لے کر چلنا پھر جب فتح پالو تو انھیں ان کے شہروں کو واپس کردینا کیونکہ اگر وہ غیر شہروں میں رہیں گے تو غیروں کے اطوار ان میں آجائیں گے۔ اور اگر حجاز سے کوئی شخص تمھارے پاس آئے تو اس کی خیر خواہی کرنا۔ اور بیٹا اہل عراق کے معاملات پر متوجہ رہنا۔ اگر وہ تم سے ہر روز اپنے عامل کے بدل دینے کا مطالبہ کریں تو ایسا ہی کردینا کیونکہ حکومت کے خلاف بغاوت کے مقابلے میں یہ بات ہلکی ہے۔

اور بیٹا دیکھو میں نے سب شہروں کو تمھارے لئے زیر کردیا اور سب لوگوں کو پست۔ تمھارے خلاف مجھے صرف چار آدمیوں کی طرف سے خطرہ ہے۔ وہ تم سے بیعت نہیں کریں گے اور تمھارے مقابلے پر کھڑے ہوجائیں گے۔ ان میں پہلے تو ہیں عبد الرحمن ابی بکر۔ لیکن وہ دنیادار آدمی ہیں لہذا تم انھیں دنیا ہی میں منہمک رکھنا۔ (یعنی خوب روپیہ دیتے رہنا)۔ اور پھر وہ جو چاہیں ان کو کرنے دینا۔ اس طرح وہ نہ تمھارے حق میں رہیں گے اور نہ تمھارے خلاف۔

دوسرے شخص ہیں عبد اللہ بن عمر۔ وہ قران و محراب کے رسیا ہیں۔ دنیا سے انھیں تعلق نہیں اور آخرت کی طرف ان کی توجہ ہے میرا گمان نہیں کہ وہ حکومت کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں یا اس کے حصول کے طلبگار ہوں۔

تیسرے شخص ہیں عبد اللہ بن الزبیر، وہ تم سے چال تو چلیں گے، لومڑی کی سی، مگر گھٹنے ٹیک کر مقابلے پر آئیں گے شیر کی طرح۔ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو اور اگر وہ صلح رکھیں تو صلح رکھو بلکہ وہ اگر تمھیں کوئی مشورہ دیں تو اسے قبول کرلینا۔

پھر چوتھے شخص ہیں حسین بن علی لوگ انھیں دعوت دیتے رہیں گے تا آنکہ تمھارے مقابلے پر لا کھڑا کریں۔ اب اگر تم فتح پالو تو رسول اللہ سے ان کی قرابت کا لحاظ رکھنا۔ بیٹا یاد رکھو ان کے باپ تمھارے باپ سے ان کے نانا تمھارے نانا سے ان کی ماں تمھاری ماں سے بہتر ہیں۔

---

[22] یہ وصیت نامہ محض اختراعی ہے۔ ملاحظہ ہو تعلیقہ وصیت نامہ حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ

ویسے ہر آدمی کے ساتھ بات وہی ہو گی جو تمھارے دل میں ہے۔ مگر میری وصیت یہی ہے۔ والسلام۔ پھر اس نے خط بند کیا اور ضحاک[23] بن قیس فہری کے سپرد کر کے حکم دیا کہ اس کے بیٹے کو پہنچا دینا اس کے بعد وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ رجب 60 ہجری کی پندرھویں رات پیش آیا۔ اس کی موت سے دمشق میں کہرام مچ گیا۔ ضحاک بن قیس جو اس کا سپہ سالار تھا وہ اس کا کفن لئے منبر پر تقریر کرنے کھڑا ہوا اور خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے نبی کا ذکر کیا اور آپ پر درود بھیج کر کہا: لوگو معاویہ اللہ کے بندے تھے، اس نے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کی اور انھی کے ذریعے شہر فتح کرائے۔ اللہ نے انھیں اپنے حضور طلب کیا تو انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ یہ ہیں ان کے کفن کے کپڑے۔ انھی میں ہم انھیں لپیٹیں گے اور ان کی قبر میں رکھ دیں گے۔ پھر انھیں ان کے پروردگار کے حضور تنہا چھوڑ کر واپس آجائیں گے۔ جو شخص جنازے میں شریک ہونا چاہے وہ ظہر کے وقت آجائے۔

پھر اس نے (یعنی حضرت ضحاک نے) یزید کے پاس اس کے والد کے ہلاک ہو جانے کی اطلاع دینے کے لئے قاصد بھیجا۔ اس وقت وہ (یعنی امیر المومنین یزید) اپنے مکان کی چھت پر تھا جب اس نے رونے کی آواز سنی تو اٹھ کھڑا ہوا اور قاصد سے کہا تیرا ستیاناس جائے کیا معاویہ کا انتقال ہو گیا؟ اس نے کہا جی ہاں۔ اس پر یزید نے حسب ذیل اشعار (ارتجالاً) پڑھے:

(1) منزل پہ منزل مارتا ہوا، قاصد ایک خط لایا۔ اور اس کے کاغذ سے دل ہول اٹھا۔

(2) ہم نے کہا تیری خرابی ہو تمھارے ان کاغذوں میں کیا ہے۔ اس نے کہا خلیفہ سخت بیمار ہیں اور درد میں مبتلا۔

(3) تو زلزلہ سا آگیا اور پاؤں تلے زمین سرکنے لگی۔ ایسا لگا جیسے اس کے عناصر بکھر گئے ہوں راوی کہتا ہے پھر یزید اپنے گھر داخل ہوا، اور تین دن تک باہر نہ نکلا۔ چوتھے دن نکلا مگر بال پریشان تھے اور چہرے پر ہوائیاں تھیں۔ لوگ حیران ہوئے کہ تعزیت کریں (یا خلافت پر) مبارکباد دیں۔ اتنے میں عبد اللہ بن ہمام سلولی آگے بڑھا اور کہا اے امیر، اللہ آپ کو یہ مصیبت سہہ لینے پر اجر دے اور جو انعام اس نے آپ پر کیا ہے اس میں برکت عطا فرمائے اور رعایا کی خبر گیری میں آپ کی مدد کرے۔ واقعی آپ پر بڑی مصیبت پڑی ہے مگر اس کے عطیے پر آپ کو شکر کرنا چاہیے اور جو مصیبت پڑی ہے اس پر صبر۔ پھر یہ شعر پڑھے:

(1) اے یزید جو افتاد آپ پر پڑی ہے اس پر صبر کیجئے اور جس نے حکومت عطا فرما کر آپ پر احسان کیا ہے اس کا شکر بجالایئے۔

(2) صدمہ واقعی سب سے بڑا ہے اور آپ کی قوم کو آپ کے اس صدمے کا پورا احساس ہے۔ مگر حسن عاقبت بھی تو کسی کی ایسی نہیں جیسی آپ کی ہے۔

(3) آپ تمام لوگوں کے والی بن گئے ہیں لہذا ان کی نگرانی آپ کیجئے اور آپ کی نگرانی اللہ کرے گا۔

---

[23] حضرت ضحاک بن قیس فہری صغار صحابہ میں ہیں۔ امیر المومنین امیر معاویہ کے خواص امراء میں سے تھے۔ اولاً آپ کوفہ کے والی رہے اور پھر دمشق کے۔ امیر المومنین یزید نے بھی اپنی وفات تک انھیں دمشق کی امارت پر رکھا۔ امیر المومنین معاویہ ثانی جب خلافت سے مستعفی ہوئے اور حضرت ابن الزبیر نے قوت پکڑی تو آپ ان کے ساتھ ہو گئے اور امیر المومنین مروان کے خلاف انھی کی طرف سے لڑتے ہوئے مقتول ہوئے۔ اس طرح سبائیہ کے نزدیک ان دونوں کے موقف ایسے ہیں کہ ان دونوں پر لعنت کی جائے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

(4) اگر خلافت کے بارے میں ہم یہ نہ سنیں کہ آپ کو کوئی عذر ہے، تو پھر وفات پاجانے والے معاویہ کے سچے جانشین آپ ہی ہوں گے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر اس کے پاس ضحاک بن قیس آیا اور کہا السلام علیک یا خلیفۃ المسلمین آپ خلیفہ ہو گئے اور ایک خلیفہ کی جدائی کا آپ پر صدمہ پڑا، تو آپ کو اللہ کا جو عطیہ نصیب ہوا ہے وہ مبارک ہو، اور جو صدمہ پہنچا ہے اس پر اللہ آپ کو اجر دے۔ پھر اس نے وصیت نامہ پیش کیا جسے اس نے سر بمہر کر رکھا تھا۔ اس نے (یعنی امیر المومنین یزید) نے مہر توڑی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ جب اسے پڑھ چکا تو رونے لگا تا آنکہ بے ہوش ہو گیا۔ جب افاقہ ہوا تو اٹھ بیٹھا اور باہر نکلا۔ لوگ چاروں طرف سے اسے گھیرے ہوئے تھے۔ پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور منبر پر چڑھا۔ یہ پہلی بار تھی کے اپنے باپ کے بعد وہ منبر پر چڑھا تھا۔ اول اس نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور نبی (ص) کا ذکر کر کے آپ پر درود بھیجا۔ پھر کہا۔ لوگو معاویہ بن سفیان اللہ کے بندے تھے۔ اسی نے انھیں زمین پر حکومت عطا فرمائی تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی عمل میں گزاری، اور جب وقت آیا تو وفات پائی۔ ان کی زندگی قابل ستائش تھی اور ان کی وفات کے بعد کوئی ان کا بدل نہیں۔ اب وہ اپنے پروردگار کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ اس نے اگر انھیں عذاب دیا تو ان کے کسی گناہ کے سبب ہو گا۔ اور اگر انھیں بخش دیا تو وہ ہے ہی سب سے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا۔

ان کے بعد اس حکومت پر اب میں فائز ہوا ہوں اور بخدا تمھارے معاملات میں، میں اپنے آپ کو معذور نہیں رکھوں گا (یعنی اپنے فرائض بخوبی انجام دینے کی کوشش کروں گا)۔ پھر وہ منبر سے اترا اور ولید بن عتبہ کو خط لکھا جو مدینہ کا والی تھا۔ اس خط میں معاویہ کی سناونی تھی اور حکم تھا کہ سب کی بیعت لے لے۔ اس طرح تمام شہروں کو فرمان بھیجا کہ ہر جگہ کے لوگ بیعت کریں۔ پھر ولید بن عتبہ کو ایک فرمان بھیجا جس کی ابتدا یوں تھی:

اے ابو محمد، جب تم یہ خط پڑھ لو، تو سب لوگوں سے اپنے ہاتھ پر میرے لئے بیعت لو، اور خاص طور پر ان چار سے یعنی، عبد الرحمن بن ابی بکر، عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ بن عباس اور حسین بن علی سے اور میرا یہ خط انھیں دکھا دینا۔ اب اگر ان میں سے کوئی بیعت نہ کرے تو اس خط کے جواب کے ساتھ اس کا سر بھی میرے پاس روانہ کر دینا۔ والسلام[24]۔

---

[24] اس فرمان کا افتراء محض ہونا قارئین کرام پر کھل گیا ہو گا۔ اس لئے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اس وقت دنیا میں موجود نہ تھے اور حضرت عباس مدینہ میں تھے۔ آپ کا قیام وفات تک اول مکہ میں رہا اور پھر طائف میں۔ امیر المومنین حضرت علی کی شہادت کے بعد آپ وہیں چلے گئے تھے۔ اور وہاں سے باہر جانے کا قطعاً کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ حضرت ابن عباس نے امیر المومنین یزید سے دونوں نے بیعتیں کیں تھیں۔ بلاذری نے اس کی تصریح قوی اسناد سے کی ہے اور جس وقت آپ کو امیر المومنین معاویہ کی وفات کی اطلاع ملی تھی اس وقت دستر خوان بچھ چکا تھا، جسے آپ نے اٹھوا دیا۔ سیدنا معاویہ کے لئے استغفار کیا اور فرمایا وہ اپنے سے پہلوں کی طرح تو نہ تھے لیکن ان کے بعد ان جیسا کوئی نہ ہو گا اور امیر المومنین یزید کے متعلق فرمایا اور ان کے فرزند یزید ان کے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں آپ لوگ اپنی جگہ (کھانے کے لئے) بیٹھے رہیں اور اطاعت پر قائم رہیں (بلاذری انساب الاشراف)۔ پھر دستر خوان لگوایا۔ جا کر امیر مکہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن یہ واقعہ مکہ کا ہے اور امیر المومنین یزید جانتے تھے کہ آپ کا قیام مکہ میں ہے۔ اس کا حال آگے آئے گا۔ لہٰذا ان کا کوئی فرمان

راوی کہتا ہے کہ ولید کے نام یہ خاص فرمان اس نے اپنے ندیموں میں سے ایک کے ہاتھ بھیجا تھا۔ اور یہ شخص جب مدینہ پہنچا تو شعبان کے دس دن گزر چکے تھے۔ کہتا ہے کہ اس نے (یعنی امیر ولید نے) یہ خط پڑھا تو مروان کو طلب کیا، جو معاویہ کی طرف سے مدینہ کا والی رہ چکا تھا، اور اب حکومت سے معزول کیا جا چکا تھا۔

جب وہ (یعنی حضرت مروان رضی اللہ عنہ) ولید کے پاس پہنچا، تو اس نے اسے اپنے قریب جگہ دی اور خط پڑھ کر سنایا۔ مروان نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ ان (چاروں) کو بلائیں اور ان سے بیعت اور فرمانبرداری کا مطالبہ کریں۔ انھوں نے ایسا کر لیا تو ان کی بیعت قبول کر لیں اور اگر انکار کیا تو ان سب کی گردن ماردیں کیونکہ معاویہ کی وفات کا علم ہونے پر ان میں سے ہر شخص اپنی حکومت کا طالب ہو گا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ اس نے (یعنی امیر ولید نے) ان حضرات کی طلب میں آدمی بھیج دیا۔ اس (قاصد) کو بتایا گیا کہ وہ سب رسول اللہ کے روضہ شریف پر مجتمع ہیں۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر اس نے ان سے کہا آپ ولید کے پاس چلئے انھوں نے آپ سب کو طلب کیا ہے ان حضرات نے کہا واپس جاؤ۔ جب وہ چلا گیا تو عبد اللہ بن الزبیر نے حسین سے کہا اے فرزند رسول آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ ولید ہم سے کیا چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں معاویہ ہلاک ہو گیا ہے اور اس نے اپنے بیٹے کو حکومت سپرد کر دی ہے۔ ولید نے آپ لوگوں کو اس لئے بلایا ہے کہ یزید کی بیعت کر لیں۔ اب بتایئے آپ کا کیا ارادہ ہے۔

عبد الرحمن بن ابی بکر نے کہا۔ بھئی میں تو اپنے گھر میں فروکش ہو کر دروازہ بند کو لوں گا۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا رہا میں تو میرا کام بس قران سے ہے۔ محراب سے ہے اور علم سے ہے۔ ابن الزبیر نے کہا۔ میں تو یزید سے کبھی بیعت نہیں کروں گا۔ حسین نے فرمایا۔ میں تو اپنے جوانوں کو جمع کر کے گھر کے باہر چھوڑ دوں گا اور پھر ولید کے پاس اندر جاؤں گا۔ پھر میں اس سے بحث کروں گا اور وہ مجھ سے، یوں میں اپنا حق مانگوں گا۔ اس پر عبد اللہ بن زبیر نے کہا مجھے آپ کے بارے میں اس کی طرف سے اطمینان نہیں۔ آپ نے فرمایا میں اس کے پاس اس طرح سے جاؤں گا کہ اس کے شر سے محفوظ رہنے کا پورا انتظام ہو گا۔ انشاء اللہ۔

پھر حسین اپنے گھر گئے اور اپنے بیٹوں اور غلاموں کو بلایا۔ جب وہ لوگ آ گئے تو آپ انھیں ساتھ لے کر ولید کے گھر گئے اور ان لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ میں اس شخص کے پاس جا رہا ہوں، اگر تم سنو کہ میری آواز بلند ہے تو جھپٹ کر اندر آ جانا ورنہ اپنی جگہ پر رہنا تا آنکہ میں تمھارے پاس واپس آ جاؤں۔

ایا س نہیں ہو سکتا جس میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت ابن عباس کے نام پر ہو۔ اور نہ حضرت ابن عمر کا وہ نام لکھ سکتے تھے انھیں ان کے مواقف کا پورا علم تھا اور ولایت عہد پر ان کے ذریعے جس طرح اجماع ہوا تھا اسے بھی جانتے تھے تو ان کا نام کیوں لکھتے؟ لہٰذا اس کذاب ابو مخنف کا درج کردہ فرمان محض جعلی ہے۔

پھر آپ ولید کے پاس گئے اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ مروان بن الحکم اس کے پاس بیٹھا تھا۔ حسین نے کہا۔ اللہ آپ دونوں کے احوال درست رکھے۔ لیکن دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب حسین اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تو اس نے (یعنی امیر ولید نے) یزید کا مکتوب انھیں پڑھنے کو دیا، معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کی اطلاع دی اور یزید کی بیعت طلب کی۔ حسین نے فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ بڑی سخت مصیبت پڑی ہے اور اس عالم میں ہمیں بیعت پر توجہ کی فرصت نہیں۔

ولید نے کہا یہ بہت ضروری ہے۔ حسین نے فرمایا مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا اور نہ ہی آپ اس سے مطمئن ہونگے۔ لیکن جب بھی آپ نکلیں اور لوگوں کو بیعت کے لئے طلب کریں تو انھی کے ساتھ ہمیں بھی بلا لیجئے گا اور میں بیعت کرنے والوں میں پہلا شخص ہوں گا۔

ابو مخنف کہتا ہے ولید کو معاملات کو بخوبی انجام پانا زیادہ عزیز تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ اے ابو عبد اللہ آپ تشریف لے جائیں اور لوگوں کے ساتھ کل ہی ہمارے پاس تشریف لائیں۔ مروان نے اس سے کہا لومڑی جب تمھارے ہاتھ سے نکل گئی تو بس پھر تمھیں گرد و غبار ہی نظر آئے گا۔ ان کے نکل جانے کا خطرہ مول مت لو۔ یا تو بیعت کریں ورنہ ان کی گردن مار دی جائے۔

حسین نے جب یہ بات سنی تو کھڑے ہو گئے اور کہا "او کنجی آنکھ والی کے بیٹے تو میرے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ او ناپاک عورت کے بیٹے تو نے غلط کہا۔ تجھے اور تیرے آقا کو مجھ سے جنگ کا طویل تجربہ ہے" یہ کہہ کر آپ ان دونوں کے پاس سے چلے آئے۔ اپنے گھر پہنچ گئے، مروان نے ولید سے کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا اور میرے مشورے کی مخالفت کی۔ بخدا اب تم ان پر کبھی قابو نہ پاسکو گے"

ولید نے کہا۔ افسوس آپ نے میرے لئے وہ بات پسند کی جو میرے اور میری اولاد کے لئے تباہ کن ہو گی۔ بخدا اگر قیامت کے دن خون حسین کی جواب دہی میرے ذمہ ہو تو تمام دنیا کی حکومت مجھے منظور نہیں۔ مروان نے کہا۔ تمھارے رائے اگر یہ ہے تو تم نے بڑا اچھا کام کیا اور تم بڑے اچھے امیر ہو مگر تم جیسوں کے لئے مناسب حال یہ ہے کہ میدانوں اور پہاڑوں میں سیر کرتے پھرو۔ لیکن عوام اور غلفات و سلاطین کے معاملات سے تمھیں کچھ سروکار نہ ہو۔

یہ کہہ کر مروان ناراض ہو کر اس کے پاس سے چلا گیا۔ کیونکہ اس نے اس کی مخالفت کی تھی۔ پھر ولید نے عبد اللہ بن الزبیر کو طلب کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ اس سے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کے جھمگٹے میں ہیں۔ اس لئے اس نے (یعنی امیر ولید نے) اس کے اور حسین کے طلب کے لئے آدمی پر آدمی بھیجے۔ حسین نے جواب میں کہلوایا۔ جلدی مت کیجئے یہاں تک کہ ہم بھی معاملات کو پرکھ لیں اور آپ لوگ بھی۔ اور عبد اللہ بن الزبیر نے پیغام بھیجا کہ جلدی مت کیجئے۔ اگر آپ نے مجھے مہلت دی تو میں آپ کے پاس آجاؤں گا۔ اور اگر آپ نے جلدی مچائی تو میں آپ کا کہنا نہیں مانوں گا۔

لیکن وہ (یعنی امیر ولید) اصرار کے ساتھ پے بہ پے اس کے اور حسین کے پاس آدمی بھیجتا رہا۔ جن لوگوں کو عبد اللہ بن زبیر کے پاس بھیجا تھا، انھوں نے اس سے چلا کر کہا آپ کو امیر کے پاس چلنا ہو گا ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس نے (یعنی ابن الزبیر نے) ان سے کہا۔ تمھارا ناس جائے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ جاؤ میں آرہا ہوں۔ اس پر وہ لوگ لوٹ گئے۔ دن بھر تو وہ (یعنی ابن الزبیر) رکا رہا لیکن جب رات ہو گئی تو وہ اور اس کا بھائی جعفر دونوں نکل پڑے اور سراغ سے بچنے کے لئے دشوار گزار راہ اختیار کی۔ جب صبح ہوئی تو ولید نے ان دونوں کو طلب کیا

مگر ان کا کچھ پتا نہ چلا۔ اس پر اس نے کہا بخدا وہ مکہ ہی گئے ہوں گے، اس لئے اس نے بنو امیہ میں سے کچھ لوگوں کو ان کے پیچھے دوڑایا۔ یہ لوگ مثاہ راہ پر تلاش کرنے گئے اور جب نہ پایا تو واپس آ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر وہ لوگ (یعنی ارباب حکومت) عبد اللہ بن الزبیر کی طلب سے بے تعلق ہو گئے تا آنکہ رات آ گئی۔ پھر ولید نے ایک گروہ کو آخری رات میں حسین کے پاس بھیجا اور ہدایت کی کہ انھیں لئے بغیر واپس مت آنا۔ وہ لوگ پوری طرح جنگ کے لئے تیار ہو کر انھیں لینے گئے مگر وہ تو مدینہ جا چکے تھے[25]۔ اور ان کے فرزند اور غلام اور سب گھر والے بھی سوائے محمد بن الحنفیہ کے۔ انھوں نے کہا تھا۔ بھائی صاحب آپ مجھے سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور سب سے زیادہ محترم ہیں۔ آپ سے زیادہ میں کسی کا خیر خواہ نہیں اور نہ مجھ سے زیادہ کوئی آپ کو نصیحت کرنے کا کوئی حقدار ہے۔ میرا جو آپ پر حق ہے اس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یزید سے دوری مت پیدا کیجئے۔ اور نہ ان کے مقابلے پر آیئے۔ سوائے اس کے کہ آپ اپنے گماشتے شہروں میں بھیجیں جو لوگوں کو آپ کی بیعت کی دعوت دیں۔ اگر لوگوں نے پذیرائی کی تو اس پر اللہ کا شکر کیجئے اور اگر وہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر مجتمع ہونا پسند کریں تو اس سے اللہ آپ کے مرتبے میں کچھ کمی نہیں ہونے دے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ کسی گروہ کے ساتھ کسی شہر میں گئے اور لوگوں نے آپ کی مخالفت کی تو آپ زیر ہو جائیں گے، بے وجہ آپ کا خون ضائع جائے گا۔ اور آپ کی بے حرمتی ہو گی۔ حسین نے فرمایا۔ بھائی میں تو مکہ جانے کی کوشش کرتا ہوں اگر مجھے وہاں اطمینان نصیب ہوا تو وہیں رہ پڑوں گا۔ اور اگر بات دوسری ہوئی تو صحراؤں کی طرف نکل جاؤں گا۔ پہاڑوں میں مسکن گزین ہوں گا اور وہاں بیٹھ کر لوگوں کا رویہ دیکھوں گا۔ میں معاملہ آگے بڑھانا چاہتا ہوں پیچھے ہٹانا نہیں۔

پھر آپ نے محمد بن الحنفیہ سے فرمایا "اللہ تم کو جزائے خیر دے۔ تم نے نصیحت کا حق ادا کر دیا۔[26]

---

[25] ملاحظہ ہو تعلیقہ فرمان امیر المومنین یزید

[26] حضرت محمد بن علی قواعد شرعیہ کے تحت اپنی بیعت پر قائم تھے اور امیر المومنین کے خلاف خروج ان کے نزدیک حرام تھا، تو وہ حضرت حسین کو یہ مشورہ کیسے دے سکتے تھے کہ طلب حکومت کے لئے اپنے گماشتے بھیجیں۔ ایسا مشورہ دینا ان کی بیعت کو ہی مشتبہ نہیں بلکہ منسوخ کر دینے کے مترادف ہوتا۔ لہٰذا یہ گفتگو محض افتراء ہے۔ وہ اپنے موقف پر اتنے مستقیم تھے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب بعض اہل مدینہ نے حضرت ابن الزبیر کے داعیوں کے بہکاوے میں آ کر بغاوت کر دی تھی تو اس وقت ان محمد نے امیر المومنین یزید کی حمایت میں پرجوش تقریر کی تھی۔ اور لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ سے ڈریں چنانچہ امام ابن کثیر فرماتے ہیں (البدائیہ والنھائیہ جلد 8 صفحہ 218) (انھوں نے ان سے مناظرہ کیا اور یزید کے بارے میں ان سے بحث کی اور اس اتہام کی تردید کی جو ان لوگوں نے یزید پر شراب پینے یا بعض نمازیں ترک کرنے کا لگایا تھا)۔ حضرت حسین کے یہ بھائی اپنے پدر بزرگوار کے صحیح جانشین تھے علم و فضل اور شجاعت و شہامت میں۔ حادثہ کربلا کے باوجود وہ امیر المومنین کے ایسے خیر خواہ اور وفادار تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے خلیفہ ہونے پر وہ ان کے خلاف کسی ساز باز کا مشورہ دیں۔

عمار نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ حسین علیہ السلام جب مدینہ سے نکلے تو رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر اس سے چمٹ گئے اور بہت روئے۔ پھر آپ پر سلام پڑھ کر عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میں آپ کے قرب سے زبردستی نکالا جا رہا ہوں، میرے اور آپ کے درمیان جدائی ڈال دی گئی ہے اور مجھ پر سختی کی جا رہی ہے کہ میں شراب پینے والے اور گناہوں میں مبتلا رہنے والے یزید کی بیعت کرلوں۔ اگر میں ان کی بات مانتا ہوں تو کفر کا مرتکب ہوں گا اور نہیں مانتا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ لہذا میں اس سخت ناگواری کے ساتھ آپ کے قرب سے دور ہو رہا ہوں۔ اے اللہ کے رسول آپ پر سلام ہو۔ [27]

پھر کچھ دیر کے لئے آپ کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے پاس کھڑے ہو گئے اور سلام کر کے فرمایا: "بیٹا میرے پاس تمھارے باپ، تمھاری ماں اور تمھارے بھائی پہنچ چکے ہیں اور وہ سب حیات ابدی کے گہوارے میں جمع ہیں۔ اب انھیں سب کو تمھارے پہنچنے کا اشتیاق ہے تو تم بھی ہمارے پاس آنے کی جلدی کرو۔ بیٹا جان لو کہ تمھارے لئے جو درجہ ہے وہ اللہ کے نور سے ڈھکا ہوا ہے مگر تم شہادت حاصل کئے بغیر وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ ہمارے پاس تمھارے آنے کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ حسین ایسے ہی نکل کھڑے ہوئے جیسے موسیٰ بن عمران خوف کی حالت میں ادھر ادھر نگاہ ڈالتے ہوئے نکلے تھے۔ کسی گھرانے کو ان کے بارے میں ایسا دھڑکا لگا ہوا نہیں تھا جیسا ہم کو رسول اللہ ﷺ کے گھر والے ہیں۔

مکہ کو روانگی راوی کہتا ہے کہ حسین شاہ راہ اعظم پر روانہ ہوئے۔ ان کے گھر والوں نے کہا آپ دشوار گزار راہ پر چلتے تو اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا کیا تمھیں سراغ رسانوں کا ڈر ہے۔ انھوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا میں موت کے خوف سے راہ چھوڑنے کو تیار نہیں [28]۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔

(1) جس آدمی کو اپنے بیٹوں، اپنی آبرو اپنی آل کے لئے حمیت نہ رہے تو وہ بڑا کمینہ اور قابل ملامت شخص ہے۔

(2) یزید کا جو ہم سے مطالبہ ہے اس کی بجائے ہم موت کے سمندروں میں غوطہ لگانے کے لئے مشرق و مغرب میں جائیں گے۔

(3) اور اس طرح بڑھ بڑھ کر شمشیر زن ہونگے جیسے (بدن میں) آگ لگی ہوئی ہو اور اس طرح کہ شیر بھی دیکھے تو بھاگ کھڑا ہو۔ [29]

---

[27] اس کذاب کا جھوٹ ملاحظہ ہو۔ حضرت حسین پر کیسا جھوٹ باندھ رہا ہے۔ وہ نہ امیر المومنین کو فاسق جانتے تھے اور نہ بیعت نہ کرنے پر انھیں قتل کا خوف تھا اور نہ وہ مدینہ سے کسی خوف کے سبب نکلے تھے۔ اگر امیر المومنین کو فاسق جانتے ہوتے یا ان سے بیعت کفر سمجھتے تو کربلاء میں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر کیوں تیار ہوتے، اور ان کے فرزند واقرباء یہ بیعت کیوں کرتے اور تمام بعد کے شدائد کے باوجود اس بیعت پر کیوں مستقیم رہتے۔ پھر اس راوی کی یہ جرات بھی دیدنی ہے کہ اس نے جمہور صحابہ کرام اور ساری امت کو کس دیدہ دلیری سے کافر قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ تمام عالم اسلام امیر المومنین یزید کی بیعت میں تھا اور ان کے خلاف کھڑے ہونے والوں کو اس امت میں اتنے حمایتی میسر نہ آسکے کہ وہ کوئی انقلاب لا سکتے۔ جمہور صحابہ کرام اور آل بیعت اطہار کے سب کے سب حضرت عبداللہ بن عمر کی طرح امیر المومنین کے خلاف خروج کو خدا اور سول سے غداری قرار دیتے تھے۔ اسی لئے حضرت حسین نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا اور امیر المومنین کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لئے کوفہ کا راستہ چھوڑ کر دمشق کی راہ اختیار کی تھی اور معصیت خروج سے اپنے آپ کو بچا لیا تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

[28] ذرا تضاد ملاحظہ ہو۔ ابھی تو کہتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح خوف کی حالت میں ادھر ادھر نگاہ ڈالتے نکلے اور پھر کہتا ہے کہ شاہ راہ پر روانہ ہوئے اور اس وقت بگڑ گئے جب کسی نے کہا غیر معروف راہ چلئے اور کہا کہ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔

[29] اگر یہ شعر واقعی حضرت حسین کے ہیں تو اپنی عزیمت پر تو انھوں نے عمل نہیں کیا اور جب وقت آیا تو موقف سے پیچھے ہٹ گئے۔ کوفے جانے کا قصد ترک کر کے دمشق جانے لگے اور بیعت کی پیشکش کر دی۔

راوی کہتا ہے پھر آپ روانہ ہو گئے تا آنکہ شریفہ پہنچے۔ وہاں آپ کو عبد اللہ بن المطیع قرشی ملے اور کہا" میں آپ پر قربان میرا مشورہ یہ ہے کہ جب آپ مکہ پہنچیں تو وہاں سے ہر گز مت نکلئے گا کیونکہ اللہ کا حرم ہے اور لوگوں کے لئے جائے امن[30]۔ وہاں لوگوں کو اپنی طرف مائل کیجئے اور جو شخص بھی باہر سے آئے اس سے بیعت لے لیجئے۔ ان سے عدل کرنے اور ظلم مٹانے کا وعدہ لیجئے اور وہاں ایسے خطیب مقرر کیجئے جو تقریریں کیا کریں، منبروں پر آپ کا شرف بتائیں، آپ کی فضیلتیں گنائیں اور لوگوں کو بتائیں کہ آپ کے نانا رسول اللہ ہیں آپ کے والد علی بن ابی طالب ہیں۔ اور یہ کہ دوسروں کے مقابلے میں خلافت کا سب سے زیادہ حق آپ کو ہے۔ یاد رکھئے کہ کوفہ کا آپ کو خیال تک نہ آئے کیونکہ وہ شہر منحوس ہے وہاں آپ کے والد قتل کئے گئے۔ اللہ کے حرم سے مت نکلئے کیونکہ اہل حجاز و یمن سب آپ کے ساتھ ہیں چاروں طرف سے لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور پھر اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جائیں گے۔ انھیں سب کو اپنی بیعت کی طرف بلائیے۔ میری یہ نصیحت مان لیجئے اور دل جمعی کے ساتھ تشریف لے جائیے۔ بخدا اگر آپ نے میری نصیحت مان لی تو کامیاب ہوں گے۔ [31]

حسین نے فرمایا خدا تعالی آپ کو میری طرف سے جزائے خیر دے آپ کی نصیحت مجھے قبول ہے۔ پھر آپ جلدی تا آنکہ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ جب سواد شہر نظر آنے لگا تو آپ نے دعا کی:

خدایا میرا حق مجھے عطاء فرما اور میری آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پروردگار مجھے سیدھی راہ چلا۔ پھر آپ مکہ میں داخل ہو کر وہیں فروکش ہو گئے۔ لوگ آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ اور یہ لوگ ہر طرف سے آجایا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن الزبیر آپ سے پہلے ہی مکہ آگیا تھا۔ وہ کعبہ سے وابستہ رہتا لوگوں کو نماز پڑھاتا اور بیت اللہ کے طواف میں مشغول رہتا۔ حسین کے پاس آتا تو تھا مگر تھوڑی دیر بعد چلا جاتا تھا۔[32] واقعہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن الزبیر پر حسین کا قیام بہت شاق تھا۔ اسے علم تھا کہ اہل حجاز ان پر (یعنی حضرت حسین پر) کسی کو ترجیح نہیں دیں گے۔ اور نہ حسین کی موجودگی میں کسی سے بیعت کریں گے۔ اس لئے کہ وہ ابن الزبیر سے مرتبے میں بھی بلند تھے اور حیثیت میں بھی۔[33] چنانچہ لوگ حسین ہی کے پاس آتے جاتے تھے اور یہ آمد و رفت بکثرت تھی اور ہمہ وقت۔ جب اہل کوفہ کو معاویہ کی وفات کا علم ہوا تو انھوں نے یزید سے

---

[30] مکہ باغیوں کے لئے جائے امن نہیں۔ (صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 31 طبع مصر)۔ (حرم نہ کسی گناہگار کو پناہ دیتا ہے نہ قاتل کو اور نہ کسی تخریب پسند کو)

[31] عبد اللہ بن المطیع نے یہ مشورہ کبھی نہیں دیا ہوگا۔ اور نہ انھوں نے یہ کہا ہوگا کہ حضرت علی کے فرزند ہونے کی بنا پر یا رسول اللہ کے نواسے ہونے کے سبب سے حضرت حسین خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ اس قسم کا استدلال جو محض نسب پر مبنی ہو، اصحاب رسول اور جمہور امت نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ استحقاق خلافت ثابت ہوتا ہے رائے عامہ کی حمایت سے اگرچہ نسباً آدمی کی حیثیت عرف عام میں بہت سے امیدواروں سے کم ہو۔ اور نہ یہ صحیح ہے کہ حجاز و یمن کے لوگ سیاسی عزائم میں حضرت حسین کے ساتھ تھے۔ واقعات شاہد ہیں کہ نہ آپ کا کسی صحابی نے ساتھ دیا اور نہ عراق کے چند سبائیوں کے علاوہ اہل عراق نے بلکہ تمام امت امیر المومنین یزید کی بیعت پر جمع تھی، چنانچہ حادثہ کربلا کے باوجود کسی قسم کی بے چینی پیدا نہیں ہوئی۔ بے چینی تو تین برس بعد حضرت ابن الزبیر کے داعیوں نے مدینہ میں پیدا کی مگر کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ اہل مدینہ کی بھاری اکثریت اس کے خلاف تھی۔ اکابر صحابہ اور بنو ہاشم اس بغاوت کو خدا اور رسول سے غداری قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الفتن کے تحت حضرت ابن عمر کا ارشاد موجود ہے اور کتب تاریخ میں حضرت حسین کے بھائی محمد بن علی بن ابی طالب کا کہ وہ امیر المومنین یزید کی حمایت میں لوگوں کو بغاوت سے باز آنے اور خدا سے ڈرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور شراب نوشی وغیرہ اتہامات کی تردید و تکذیب ذاتی معلومات سے کرتے تھے۔

[32] یہ کذب محض ہے کہ امیر مکہ کی موجودگی میں لوگ حضرت ابن الزبیر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ قرون اولیٰ میں اس کا کوئی امکان نہ تھا اور نہ حضرت ابن الزبیر نے علانیہ اس وقت تک اپنے سیاسی داؤ پیچ شروع کیئے تھے۔

[33] طبقے میں حضرت ابن الزبیر کا مرتبہ حضرت حسین سے زیادہ ہے کیونکہ انھیں آنحضرت کی صحبت حضرت حسین سے زیادہ نصیب ہوئی۔ ان کے علم و فضل کے تاثر صحاح میں موجود ہیں اور ان کا شمار امت فقہا امت کے اکابر میں ہے۔ برخلاف اس کے حضرت حسین صحابیت محض اعزازی ہے اس لئے کہ وفات نبوی کے وقت وہ محض چار پانچ برس کے تھے۔ ان کی ایک بھی حدیث حضور سے بلاواسطہ مروی نہیں اور نہ ہو سکتی تھی۔ اور ان کے علمی تاثر بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر نسب میں بھی وہ ہر طرح سے ان کے کفو تھے۔ ان کے اپنے بھائی حضرت مصعب کے ساتھ سکینہ بنت الحسین کی شادی ہوئی تھی۔

بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا جب حسین نے یزید لعنۃ اللہ کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور مکہ چلے گئے ہیں تو ہم بھی یزید سے بیعت نہیں کریں گے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ اس وقت کوفہ کا والی نعمان بن بشیر انصاری تھا[34]۔ اب شیعوں کا ایک گروہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوا اور کہا کہ ہم حسین کو خط لکھتے ہیں انھوں نے (یعنی سلیمان نے) کہا۔ لوگو معاویہ ہلاک ہو گیا اور حسین نے بیعت سے انکار کر دیا ہے ہم انھی کہ شیعہ اور مددگار ہیں۔ اب اگر تم لوگوں کو یقین ہو کہ ان کی مدد کرو گے اور ان حضور جہاد کرو گے تو ایسا کرو (یعنی خط لکھو) اور اگر تمھیں کم ہمتی کا خطرہ ہو اور یہ کہ کہیں انھیں چھوڑ نہ دو تو بہتر ہے کہ انھیں ورغلاؤمت۔ لوگوں نے کہا۔ ہم ان کے دشمن کو قتل ہی کریں گے۔ اس پر انھوں نے (یعنی سلیمان نے) کہا تو بسم اللہ خط لکھو، چنانچہ یہ خط لکھا گیا اور اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی کی خدمت میں، سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن نجبہ ورفاعہ بن شداد و بجلی و حبیب بن مظاہر اسدی اور سب مسلمانوں کی طرف سے جو ان کے ساتھ ہیں۔ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں۔ امابعد ہم اس پروردگار کا شکر ادا کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم محمد و آل محمد پر درود بھیجتے ہیں۔ اے محمد مصطفیٰ و علی کے فرزند، آپ کے علاوہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ ہمارے پاس آجایئے، جو حال آپ کا وہ ہمارا اور جو حال ہمارا سو آپ کا۔ شاید اسی طرح آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہمیں سچائی اور ہدایت پر جمع کر دے۔ یاد رکھئے آپ ایسی جگہ آرہے ہیں جہاں لشکر منظم ہیں نہریں ابلی پڑتی ہیں اور چشمے جاری ہیں۔

اگر آپ خود نہ آئیں تو اپنے گھر والوں میں سے کسی کو ہمارے پاس بھیج دیجیئے جو خدا کے حکم اور آپ کے جد رسول اللہ کی سنت کے مطابق آپ کے احکام جاری کرے۔ یہ بات آپ کے علم میں آنی چاہیے کہ اس وقت نعمان بن بشیر قصر امارت میں رہتا ہے، اور ہم نہ اس کے ساتھ جمعہ ادا کرتے ہیں اور نہ جماعت۔ اگر آپ یہاں آجائیں تو ہم اسے شام کی طرف نکال باہر کریں۔ والسلام[35]۔

---

[34] حضرت نعمان بن بشیر صحابی ہیں۔ انصار میں آپ ہی کے والد ماجد تھے جنھوں نے سب سے پہلے بڑھ کر حضرت ابوبکر سے بیعت کی تھی،۔ پھر سیاسیات اسلامیہ میں حضرت نعمان نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ وہ اموی خلافت کے نہایت موئد تھے اور خلفاء کے مقمد۔ امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد جب امیر المومنین ثانی معاویہ بھی خلافت سے دستبردار ہو گئے اور اہل شام نے بھی امیر المومنین مروان پر اجماع نہیں کیا تھا حضرت ابن الزبیر اپنی خلافت کا اعلان کر چکے تھے تو حضرت ضحاک بن قیس اور حضرت نعمان بن بشیر نے حضرت ابن الزبیر سے بیعت کر لی اور انھی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

[35] سلیمان بن صرد کو تیسرے درجے کا صحابی بتایا گیا ہے (الاصابہ) صحیح مسلم میں ان کی احادیث مروی ہیں۔ حضرت حسین کو ان کے گھر میں بیٹھ کر ایسا کوئی خط نہیں لکھا جا سکتا تھا اور اس ہنگامے میں ان کی شرکت کسی طرح ثابت نہیں کی جا سکتی۔ ممکن ہے وہ شیعان علی میں شامل ہوں لیکن اپنی بیعت توڑنے کی معصیت میں مبتلا ہونے کی جرات وہ اس وقت نہیں کر سکتے تھے التوابوکے گروہ میں ان کی شرکت امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد کی بات ہے۔ ان کی زندگی میں انھوں نے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے ان کی بیعت مخدوش ہو جائے۔

اور یہ بھی بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ اہل کوفی یا اہل عراق کے باشندے امیر المومنین کے خلاف تھے۔ وہاں کسی قسم کا کوئی اختلال نہیں تھا۔ یہ خط بھیجنے کی کاروائی چند گنے چنے شر پسندوں کی تھی۔ اکابر کوفہ اس میں ملوث نہ تھے اگر ہوتے تو صورتحال مختلف ہوتی اور عراق کی طرف سے بیعت کا اعلان ایسے ہی کر دیا جاتا جیسے اہل شام نے حضرت علی کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ لوگ مجتمع اور متحد تھے اس لئے کامیاب ہوئے لیکن اہل عراق کا اجماع امیر المومنین یزید کی خلافت پر تھا۔ جیسا کہ حضرت حسین نے وہاں پہنچنے کے بعد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ رائے عامہ امیر المومنین کے ساتھ تھی۔ یہ سب شرارت معدودے چند شر پسندوں کی تھی اور انھوں نے اہل عراق پر یہ محض افتراء کیا تھا کہ امیر المومنین کی بیعت سے انھیں انکار ہے اور وہ حضرت حسین سے بیعت کرنا چاہتے ہیں یا امیر کوفہ کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔ خطوط کا یہ پشتارہ جو حضرت حسین نے وقت پر ان لوگوں کو دکھایا اور نام ظاہر کر دیئے ان لوگوں کے خلاف ایسی قوی شہادت تھی کہ حکومت اس پر سے چشم پوشی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن حکومت پر یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ جن لوگوں کا خط بھیجنا بتایا جاتا ہے وہ خط واقعی انھوں نے بھیجے تھے اسی لئے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی گئی ورنہ ان کا بجرم بغاوت قتل کر دیا جانا کچھ مشکل نہ تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ حادثہ کربلا کے بعد تین برس تک امت میں کسی قسم کا انتشار پیدا نہیں ہوا اور تمام امور خلافت بخوبی انجام پاتے رہے۔ اختلال تو فتنہ ابن الزبیر کے سبب پیدا ہوا۔

یہ خط انھوں نے عمر بن نافذ تمیمی اور عبد اللہ بن سمیع ہمدانی کے ہاتھ روانہ کیا اور وہ دونوں تیز رفتاری کے ساتھ حسین کے پاس پہنچ گئے۔ ان دونوں کے پاس 500 خط اور بھی تھے۔ پھر انھوں نے دو دن انتظار کر کے مسہر انصاری کو روانہ کر دیا۔ ان کے پاس جو خط تھا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پھل پک کر تیار ہو چکے ہیں۔ اے رسول خدا کے نواسے آپ جلدی سے ہمارے پاس آ جایئے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ پے بہ پے خطوط آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے لوگوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے (یعنی اہل کوفہ نے) ہانی بن ہانی اور سعید عبد اللہ حنفی کے ہاتھ ایک خط بھیجا۔ اہل کوفہ کی جانب سے یہ دونوں آخری قاصد تھے۔ جب آپ نے (یعنی حضرت حسین نے) سب خط پڑھ لئے تو ان کے جواب میں جو خط لکھا وہ اس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی کی طرف سے گروہ مومنین کے نام۔ اما بعد۔ ہانی اور سعید تمھارے خط لائے اور تمھارے قاصدوں میں یہ آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے۔ آپ لوگوں نے جو کچھ لکھا وہ میں نے سمجھ لیا یعنی یہ کہ میرے علاوہ آپ لوگوں کا کوئی امام نہیں اور آپ لوگ مجھے اس غرض سے بلا رہے ہیں کہ شاید اللہ آپ کو سچائی اور ہدایت پر جمع کر دے میں آپ لوگوں کے پاس اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں۔ یہ میرے گھر والوں میں سب سے افضل ہیں اور میں نے انھیں ہدایت کی ہے کہ آپ لوگوں کے جذبات خیر سگالی اور مواقف سے مجھے مطلع کریں تو میں آپ کے پاس آ جاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔[36]

[36]اس کے مضمون ہی سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حسین کوفی شیعوں کی دعوت اور انکی امداد و نصرت کے بھروسے پر سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تشریف لے جانے پر آمادہ ہو رہے تھے۔ شجر اسلام کو اپنے اور اپنے خون سے سینچنے کے لئے نہیں جا رہے تھے جیسا کہ غلط پراپگینڈے میں کہا جاتا ہے۔

مسلم بن عقیل کی روانگی کوفہ کو

پھر آپ نے مسلم بن عقیل کو بلایا اور ان کے ساتھ قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبد اللہ سلولی کو روانہ کر دیا۔ انھیں اللہ سے ڈرنے اور لوگوں کے ساتھ لطف و مدارت سے پیش آنے کی ہدایت کی اور یہ کہ اگر وہ لوگوں کو اپنی رائے پر مجتمع پائیں تو جلدی سے آپ کو مطلع کریں۔ مسلم بن عقیل جب پاس آ گئے تو حسین نے دو رہبر بھی ان کے ساتھ کر دئے تا کہ راستہ دکھائیں۔

مسلم آپ کے پاس سے نکلے تو یہ دونوں رہبر بھی ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے مسجد نبوی میں حاضر ہو کر نماز پڑھی اور اعزہ و اقربا سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔ لیکن ابھی راستہ کا کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ راستہ بھول گئے اور انھیں اتنی پیاس کہ مر گئے۔ اس پر مسلم نے حسین کو اسی جگہ سے خط بھیجا۔ جگہ کا نام مضیق تھا۔ (تنگی کی جگہ)

امابعد۔ اے رسول خدا کی بیٹی کے فرزند میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جن دو راہبروں کے ساتھ میں آیا تھا وہ راہ سے بھٹک گئے انھیں سخت پیاس لگی تھی کہ جان سے گئے۔ اس صورت حال کو میں نے فال بد سمجھا۔ اگر آپ چاہیں کہ مجھے معاف رکھیں اور میری جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیں تو پھر ایسا ہی کیجئے۔

حسین کے پاس جب یہ خط پہنچا تو آپ نے جواب میں لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین کی طرف سے اپنے ابن عم مسلم بن عقیل کے نام۔ امابعد۔ اے میرے چچا کے فرزند میں نے اپنے نانا رسول خدا (ﷺ) کو یہ فرماتے سنا ہے[37] کہ اہل بیت میں نہ تو کوئی فال بد لیتا ہے اور نہ خود اس سے کوئی شگون لیا جاتا ہے لہذا جب آپ میرا یہ خط پڑھ لیں تو جو ہدایت میں نے آپ کو دی ہے اسی پر گامزن رہیے۔

والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

---

[37] راوی کا یہ کذب محض ہے کہ حضرت حسین نے حضور ﷺ کا کوئی ارشاد بلاواسطہ سنا ہو۔ حضرت حسین کی کوئی روایت بلاواسطہ نہیں۔ اسی لئے آپ کی صحابیت کو اعزازی سمجھا جاتا ہے اور روایت کے اعتبار سے آپ کا شمار تابعین میں ہے۔

مسلم کا کوفہ پہنچنا

مسلم بن عقیل کو جب یہ خط پہنچا اور انھوں نے اسے پڑھا تو فوراً روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ جا ہی رہے تھے کہ قبیلہ طے کے پانی پر پہنچ گئے اور وہیں اتر پڑے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے ایک ہرنی کو تیر مار کر گرا لیا ہے۔ آپ نے کہا کہ ہم بھی اپنے دشمن کو اسی طرح قتل کریں گے۔ ان شا اللہ۔ پھر آپ روانہ ہو گئے اور کوفہ پہنچے۔ رات کا وقت تھا اور آپ سلیمان بن صرد کے ہاں فروکش ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی[38] کے گھر۔ لوگ آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ آپ انھیں حسین کا خط پڑھ کر سناتے جس پر وہ لوگ روتے اور ہائے وائے کرنے لگتے۔ اتنے میں عابس البکری کھڑا ہوا، اور اس نے اللہ کی حمد و ثناء کر کے نبی (ﷺ) کا ذکر کیا اور آپ پر درود پڑھ کر کہا۔ میں نہیں جانتا لوگوں کے دلوں میں کیا ہے لیکن اپنے دل کی بات آپ لوگوں کو بتاتا ہوں۔ آپ لوگ جب بھی مجھے بلائیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اپنی تلوار سے آپ کے دشمن کے خلاف لڑتا رہوں گا۔ تا آنکہ اللہ عزل و جل کے پاس پہنچ جاؤں، یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ اب حبیب بن مظاہر کھڑا ہوا اور اس سے کہا (یعنی عابس سے) اللہ تم پر رحم کرے، تمھارا جو فرض تھا وہ تم نے ادا کر دیا، اور خدا کی قسم میں بھی اسی موقف پر ہوں۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ اہل کوفہ ان کے پاس (یعنی حضرت مسلم بن عقیل کے) کم و بیش دس دس بیس بیس کی ٹولیوں میں آنے لگے، تا آنکہ اس دن اسی ہزار آدمیوں نے ان سے بیعت کر لی۔[39] جب اس کی اطلاع نعمان بن بشیر کو ئی تو وہ منبر پر چڑھا، اللہ کی حمد و ثناء کی، نبی کا ذکر کر کے آپ پر درود بھیجا اور پھر کہا: لوگو خدا کی قسم میں اس سے نہیں لڑوں گا جو مجھ سے نہ لڑے اور نہ اس سے تعرض کروں گا جو مجھ سے تعرض نہ کرے۔ لہٰذا فتنے سے بچے رہو اور اپنے حاکموں کے مقابلے میں اپنی یکجہتی مت توڑو۔ اگر مجھے کسی شخص کے متعلق یہ تحقیق ہو گیا کہ اس نے ایسا کیا ہے۔ تو میں یقیناً اس کی گردن مار دوں گا۔ اگرچہ کوئی میرا مددگار نہ ہو۔[40]

---

[38] مختار کے مجاہد کبیر والد ماجد کا اسم گرامی ابو عبید رضی اللہ عنہ تھا نہ کہ ابو عبیدہ۔ ان کا یہ ناخلف بیٹا سبائیہ کے ہتھے چڑھ گیا۔ اور پھر اپنے خیالات میں اس درجہ وسوسوں کا شکار ہوا کہ نبوت تک کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اسی لئے اصحاب رسول اور ہم عصر مسلمان اسے کذاب کہتے تھے۔ اس نے حضرت محمد بن علی بن ابی طالب پر یہ بہتان باندھا کہ آپ کے حکم سے وہ خون حسین کا بدلہ لینے کھڑا ہوا ہے اور یہ کہ آپ مہدی موعود ہیں لیکن حضرت محمد نے اس سے اپنی براءت کا اعلان کر دیا اور حضرت ابن الزبیر نیز امیر المومنین عبد الملک نے آپ کو صادق القول اور مختار کو کاذب جانا۔ معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ ابن صرد کے بجائے مسلم کو مختار ہی نے اپنے ہاں ٹھہرایا ہو گا۔ سلیمان کی صحابیت کے مناسب حال یہ نہ تھا کہ ولایت عہد اور خلافت کی دونوں بیعتوں کو وہ اس طرح ہیچ بنا دیں۔

[39] اسی ہزار اشخاص کے ایک دن میں بیعت کر لینے کی روایت عملاً محال کذب محض ہے۔ کوفہ کی آبادی اس زمانے میں اس سے بھی کم تھی۔

[40] حضرت نعمانؓ جیسے فرزانہ سے یہ امر بعید ہے کہ کوفہ میں اتنی بڑی ہنگامی صورت پیدا ہو اور انھیں خبر ملے تو اس وقت جب اسی ہزار آدمی امیر المومنین کی بیعت توڑ دیں۔ یہ چند آدمیوں کی حرکت ہو گی اور اسی سبب سے حضرت نعمان نے محض ڈرانے پر اکتفاء کیا۔ بغرض محال اگر اسی ہزار آدمی بیعت کر چکے ہوتے اور اللہ کے نام پر یہ بیعت ہوتی تو صورتحال کچھ اور نکلتی۔ یہ نہ ہوتا کہ کوفہ کے سب آدمی ایسے بے ایمان ثابت ہوں کہ حکومت کے خلاف احتجاج تک نہ کریں۔ حضرت احنف بن قیس سردار بنی تمیم اور ان جیسے کتنے بڑے بڑے لوگ تھے انھوں نے اگر حضرت حسین کے موقف کو درست جانا ہوتا تو ان کی مدد کو کھڑے ہو جاتے۔ حضرت احنف کی صداقت و جرات پر حرف رکھنا، ان کی پوری مجاہدانہ زندگی کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔ عراق پوری طرح امیر المومنین کی بیعت پر قائم تھا۔ جیسا کہ خود حضرت حسین نے دیکھ لیا اور اپنے موقف سے رجوع فرما لیا۔

یہ سن کر عبداللہ بن شعبہ حضرمی کھڑا ہوا اور کہا اے امیر یہ کام بغیر دلیری، سختی اور خون ریزی کے نہیں ہو سکتا۔ آپ نے جو بات کی ہے وہ کم ہمتی کی ہے۔ نعمان نے کہا اللہ کے لئے میں کم ہمتوں میں ہونا پسند کرتا ہوں نہ کہ ظالموں میں۔ یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا۔

عبداللہ بن شعبہ حضرمی وہاں سے نکلا اور یزید بن معاویہ کو لکھ بھیجا۔

عبداللہ بن شعبہ حضرمی کی طرف سے یزید بن معاویہ کی طرف [41]۔ امابعد۔ مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہوئے ہیں اور ان سے شیعان حسن نے بیعت کرلی ہے اگر ضرورت سمجھیں تو ایک قوی آدمی کو یہاں بھیج دیں کیونکہ نعمان کمزور ہیں اور کمزور ہی رہنا چاہتے ہیں۔

یہ پہلا شخص تھا جس حسین سے جنگ کے متعلق یزید کو لکھا۔ پھر ایسا ہی خط اس نے عمر بن سعد کو بھی بھیجا۔ جب ایسے مراسلے یزید کے پاس جمع ہو گئے تو اس نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرجون کو بلایا اور کہا [42]۔ تم دیکھتے ہو کہ حسین نے کس طرح اپنے ابن عم کو کوفے بھیجا ہے اور وہ لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ نعمان نے اس بارے میں کمزوری دکھائی ہے۔ یہ کہہ کر اسے کوفہ سے آئے ہوئے خط پڑھنے کو دیئے۔ اور اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے مشورہ دیا کہ نعمان کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیادہ کو مقرر کر دیا جائے (43)۔ اسی مشورے پر اس نے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) عمل کیا۔

[41] آداب اسلامی اور شعار صحابہ یہ نہیں کہ آدمی اپنا نام اول لکھے اور امیر المومنین کا نام بعد میں۔ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ صلوت اللہ علیہا نے جب حضرت امیر زیاد کو خط لکھا تو اسی طرح، ابی زیاد بن ابی سفیان من عائشہ ام المومنین۔ حالانکہ حضرت زیاد صحابی نہیں ہیں اور حضرت ام المومنین کا جو مقام ہے ظاہر ہے (فتوح البلدان جلد 2 صفحہ 522 ترجمہ)۔ حضرت ابن عمر نے اپنے شاگرد اور تابعی خلیفہ امیر المومنین عبد الملکؒ کو جو بیعت نامہ بھیجا اس میں اول امیر المومنین کا نام لکھا پھر اپنا (موطاء امام مالک) اتنی ہی بات سے اس خط کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔

[42] کیا امیر المومنین کو مشورے کے لئے سرجون سے بہتر کوئی اور مشیر نہ ملتا۔ دمشق میں کیا سب ناتجربہ کار اور سیاست سے نابلد لوگ ہی رہتے تھے۔ کیا راوی ان دونوں کا باہمی مشورہ سننے کے لئے ہوا کے گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ گیا تھا۔

ابن زیاد کا تقرر بصرے و کوفے پر

اس طرح بصرے و کوفے دونوں کی حکومت اسی کے تحت کر دی (یعنی امیر ابن زیادؒ کے)۔اسے جو فرمان بھیجا وہ یہ تھا۔ امابعد۔ میں نے تمھیں بصرہ و کوفہ دونوں شہروں کا والی بنایا ہے، حسن و تدبیر سے کام لو اور خیر سگالی کے جذبے کا ساتھ انتظام سنبھالو۔ پھر اسے ایک دوسرا فرمان بھیجا جس میں لکھا تھا:

یزید بن معاویہ کی طرف سے عبید اللہ ابن زیادہ کے نام۔ امابعد۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل کوفہ نے حسین کی بیعت پر اجماع کیا ہے۔ میں تمھیں (اس سے پہلے)خط بھیج چکا ہوں۔ مجھے ایسا کوئی تیر نظر نہیں آتا جسے اپنے دشمن کی طرف پھینکوں اور وہ تم سے زیادہ کارگر ہو۔ لہٰذا جب تم میرا یہ خط پڑھو تو اسی وقت اسی گھڑی وہاں کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ خبر دار سستی مت کرنا، قوت سے کام لینا اور علی ابن ابی طالب کی نسل میں سے کسی کو زندہ مت چھوڑنا۔ مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے قتل کر دینا اور ان کا سر میرے پاس بھیج دینا۔ والسلام۔[43]

یہ فرمان تقرر، اس نے ذی الحجہ 60 ہجری میں بھیجا اور یہی وہ سال ہے جس میں حسین علیہ السلام قتل ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ نے) یہ فرمان مسلم بن عمرو باہنی کے سپرد کیا اور کہا بصرے جاؤ اور میرا یہ خط عبد اللہ بن زیاد کو پہنچا دو۔ جب وہ یہ فرمان لے کر بصرہ کو روانہ ہوا تو اسی اثناء میں حسین کا خط اشراف بصرہ کے نام پہنچا جس میں آپ نے مدد کی استدعا کی تھی۔ ان میں احنف بن قیس [44]۔ عبد اللہ بن عمرو بن جارود اور مسعود بن معمر وغیرہ تھے۔ مراسلے کا نسخہ ایک ہی تھا جو اس طرح شروع ہوا۔

---

[43] حضرت نعمان کو معزول نہیں کیا گیا بلکہ آپ کا تبادلہ موصل کی ولایت پر کر دیا گیا۔

امیر المومنین یزیدؒ نے اگر یہ فرمان بھیجا تھا، تو خود اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ ان کے لئے کیا مشکل تھا جب آل علی قیدی بن کر ان کے دربار میں پیش ہوئے تو ان سب کو قتل کر دیتے۔ اور خود امیر ابن زیادہ نے حادثہ کربلا کے بعد ان سب کو قتل کیوں نہیں کیا۔ اور کیوں ہمیں ملتا ہے کہ اکابر صحابہ وآل البیت رضی اللہ عنہم امیر المومنین کی حمایت پر قائم رہے۔ اور ان کے خلاف ہر شورش سے بے تعلّقی اور بیزاری ظاہر کی۔ اور کیوں آل علی اور تمام بنو ہاشم نے ان کے ساتھ اپنے تعلقات خویشی کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا۔ اس حادثے کے بعد بھی باہمی رشتے ناطے ہوتے رہے۔ حضرت ابن الزبیر نے ان کے بعد جو طاقت پکڑی، اس کا تقاضا تھا کہ بنو ہاشم سب ان کے ساتھ ہو جاتے اور نہیں ہوئے تھے تو جب خون حسین کا انتقام لینے کے لئے اول التوابون کھڑے ہوئے اور ان کے بعد مختار ثقفی، تو بنو ہاشم کے لئے موقع تھا کہ ان تحریکوں کی سرپرستی کریں اور اپنے خاندان کا انتقام لینے کے لئے اپنی سی کر گزریں۔ لیکن انھوں نے جو کچھ کیا وہ اس کی بین اور قاطع دلیل ہے کہ نہ امیر المومنین نے ایسا فرمان بھیجا اور نہ امیر عبد اللہ نے کوئی قدم ایسا اٹھایا جس سے انھیں خون حسین میں ملوث سمجھا جا سکے۔ یہ ایک حادثہ تھا اور تمام تر دل گذار ہونے کے باوجود بنو ہاشم نے اسے محض ایک حادثہ جانا اور اس کی ذمہ داری نہ امیر المومنین پر ڈالی اور نہ ان کے کسی رکن پر۔ آخر ان کا اور ساری امت کا خون ایسا سفید کیوں سمجھ لیا گیا ہے کہ اتنا بڑا سانحہ گزر جائے اور چار برس تک امت ایسی رہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہ وہی امت تو تھی جس نے سیدنا عثمان صلوات اللہ علیہ کی شہادت پر زمین آسمان ایک کر دیا تھا۔

[44] حضرت ضحاکؒ الاحنف بن قیس تمیمی کبار تابعین میں سے ہیں۔ عہد فاروقی میں اہم مناسب پر فائض رہے۔ امیر المومنین عثمان رضوان اللہ علیہ کی شہادت کبریٰ کے بعد جمہور صحابہ کرام کے اتباع میں غیر جانبداری اختیار کر لی۔ شروع میں حضرت علی کا ساتھ دینا چاہتا تھا لیکن حضرت ابو بکر کے فرمان کی پذیرائی میں اس سے محترز رہے۔ (صحیح بخاری جلد 1 جُز 1 ص 9 طبع مجتبائی دہلی) امیر المومنین معاویہ کی بیعت میں داخل ہو گئے وہ اس وفد میں شریک تھے جو امیر یزید کی ولایت عہد کے سلسلے میں عراق سے گیا تھا اور اجماع صحابہ کے مطابق ان سے دونوں بیعتیں کیں یعنی ولایت عہد کی اور پھر خلافت کی۔ ابو مخنف کا یہ بیان باطل ہے کہ آپ اس وفد میں بصرے گئے تھے جو

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علی کی طرف سے۔ امابعد۔ اللہ نے محمدؐ کو تمام اپنی تمام مخلوقات میں برگزیدہ کیا انھیں نبوت سے نوازا اور اپنی رسالت کی ذمہ داری ان پر ڈالی۔ پھر انھیں عزت واحترام کے ساتھ اپنے پاس بلالیا۔ انھوں نے لوگوں کو دل سوزی کے ساتھ نصیحت کی اور اپنے پروردگار کا پیغام انھیں پہنچایا۔ ان کے بعد ان کی جانشینی کا حق ان کے گھر والوں اور منظور نظر لوگوں کا تھا۔ لیکن کچھ لوگ زبردستی ہم پر حاکم ہوگئے۔ اور ہم نے بھی فتنہ پسند نہ کرنے اور عافیت کوشی کے سبب انھیں تسلیم کرلیا اور راضی ہوگئے تھے۔ میں آپ لوگوں کو یہ خط بھیج رہا ہوں اور اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کی طرف آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ لوگوں نے میری بات سنی اور میرے حکم کی پیروی کی تو میں آپ سب کو کامیابی کی راہ پر لے چلوں گا۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔[45]

راوی کہتا ہے کہ اشراف میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا کہ جس نے یہ مراسلہ نہ پڑھا ہو اور پھر اسے خفیہ نہ رکھا ہو سوائے منزر بن جارود کے، کیونکہ اس کی بیٹی ابن زیادہ کے نکاح میں تھی۔ اس نے جب یہ خط پڑھا تو قاصد کو گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیادہ نے جب یہ خط پڑھا تو قاصد کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا قاصد تھا جو اسلام میں قتل کیا گیا۔ پھر ابن زیادہ منبر پر چڑھا اور کہا۔

اے اہل بصرہ! یزید نے مجھے کوفے کا والی بنادیا ہے اور میں وہاں جانے کا قصد کرچکا ہوں۔ اپنی جگہ میں نے اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو مقرر کردیا ہے تم لوگ ان کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔ افواہ اڑانے والوں سے خبردار رہنا۔ بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کے (یعنی امیر عثمان کے) خلاف کیا تو میں یقیناً اسے قتل کردوں گا اور دور کے لوگوں کے بدلے قریب کے لوگوں کو پکڑوں گا۔ تا آنکہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

امیر المومنینؒ یزید کے خلاف ابھارنے کے لئے وہاں گیا تھا۔ حضرت حسین جب عراق آئے تو حضرت احنف نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور اپنی بیعت پر قائم رہے۔ پھر جب التوابون نے امیر المومنین کی وفات کے بعد خون حسین کا انتقام لینے کی تحریک اٹھائی تو اس سے بھی محترز رہے اور مختار ثقفی کا کسی درجے میں بھی ساتھ نہیں دیا۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی درجے میں امیر المومنین کے خلاف خروج میں شرکت کرسکتے تھے۔ وہ اپنی قوم کے رئیس تھے اور ان کی قوم نے علی العموم انھی کے موقف کی پیروی کی۔

حضرت احنف نے اپنا جو موقف جنگ جمل کے وقت اختیار کیا تھا، اسی پر قائم رہے اور سیاسی انتشار کے زمانہ میں کسی طرف سے کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ سوائے اس کے کہ جب امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد خوارج نے زور پکڑا تو آپ نے ان کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ کسی حکومت کی طرف سے نہیں بلکہ شہر کی حفاظت اور امت کو اس فتنے سے نجات دلانے کے لئے جمہور صحابہ کے متفق علیہ مذہب کے مطابق خلافت صحیح اس کی ہے جو ارباب حل وعقد کے اجماع پر مبنی ہو یا متفق علیہ امام کی وصیت پر۔ امیر المومنین عبدالملکؒ کی خلافت پر تمام امت نے اجماع اسی پر کیا تھا کہ آئینی حیثیت صرف ان کی خلافت کی تھی۔ حضرت احنف جمہور کے اسی مسلک پر تھے۔

[45] ملاحظہ ہو تعلیقہ استحقاق خلافت۔

یہ تقریر کر کے وہ بصرے سے کوفہ روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس کے گھر والے اور موالی تھے اور ساتھ ہی اشراف بصرہ میں سے مسلم بن عمرو باہلی، منذر بن جارود اور شریک بن آعور جیسے لوگ، سوائے مالک بن مشمع کے۔ اس نے عذر کیا تھا کہ اس کے کولھے میں درد ہے اور کہا تھا کہ میں جلد ہی امیر سے جاملوں گا۔

ابن زیاد کا کوفے پہنچنا

ابن زیادہ روانہ ہو گیا تا آنکہ کوفے پہنچ گیا۔ اس کا ورود صحرا کی طرف سے ہوا تھا۔ اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے، عمامہ سیاہ تھا اور حسین کی طرح چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ سیاہی مائل خچر پر سوار تھا اور ہاتھ میں ایک بید لئے چل رہا تھا۔ پیچھے پیچھے اس کے ساتھی تھے۔ ان لوگوں کا داخلہ جمعہ کے دن ہوا۔ اس وقت لوگ نماز سے فارغ ہو کر حسین کی آمد کی توقع کر رہے تھے۔ وہ (یعنی امیر ابن زیادہ) جب لوگوں کے پاس سے گزرتا تو بید کے اشارے سے سلام کرتا اور لوگ اسے حسین سمجھ کر کہتے "اے نواسہ رسول خوش آمدید" ابن زیاد نے جب دیکھا کہ لوگ اسے حسین سمجھ کر خوش آمدید کہہ رہے ہیں تو اسے ناگوار گزرا۔ جب وہ قصرۃ امارہ کے قریب ہوا تو مسلم بن باہلی عمرو نے کہا "لوگو، تمھارا ناس جائے امیر کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ وہ نہیں جنھیں تم گمان کر رہے ہو اور ان کی آمد کی تمھیں خواہش ہے"

اس پر نعمان نے محل کی چھت سے جھانکا۔ وہ بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ حسین وقت سے پہلے کوفہ پہنچ گئے ہیں۔ اب ابن زیاد نے اپنا چہرہ کھولا اور زور سے کہا "نعمان آپ اپنے محل میں فروکش ہو کر بیٹھے ہیں اور شہر کو یونہی چھوڑ دیا" پھر کہا "لوگو میں اعلان کر دو کے مسجد میں نماز کے لئے اکٹھے ہو جائیں"۔ یہ اعلان سن کر بکثرت لوگ مسجد میں اکٹھے ہو گئے۔ اور اس نے (یعنی امیر ابن زیاد) منبر پر چڑھ کر کہا۔

"لوگو مجھے جو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا اس سے میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں عبید اللہ بن زیاد ہوں۔ یزید نے مجھے تمھارے اس شہر کا والی مقرر کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ مظلوم کے ساتھ انصاف کروں، محروم کو وظیفہ دوں اور جو غلط رو ہو اس پر احسان کروں (یعنی ملاطفت کے ذریعے اصلاح) اور میں تمھارے معاملات میں ان کے حکم کی پابندی کروں گا۔"

پھر منبر سے اتر آیا اور قبائل عرب میں منادی کرا دی کہ "یزید کی بیعت پر قائم رہو، قبل اس کے کہ وہ شام سے ایسے لوگوں کو بھیجیں جو تمھارے مردوں کو قتل کریں اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ جب لوگوں نے یہ سنا تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ ہمیں حکومت کے معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اس طرح انھوں نے حسین کی بیعت توڑ کر پھر یزید کی بیعت کر لی۔[46]

---

[46] ایک طرف دعوی ہے کہ 80،000 اہل شہر نے حکومت سے بے تعلق ہو کر حسین سے بیعت کر لی تھی کہ حضرت نعمان کو محل میں روپوش ہونا پڑا۔ اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ امیر عبید اللہ کے ایک حکم پر سب مسجد میں جمع ہو گئے اور ایک ہی دھمکی میں حضرت حسین کی بیعت توڑ کر امیر المومنین یزید سے دوبارہ بیعت کر لی۔ یہ ہے وہ تضاد جس پر نام نہاد مورخ غور نہیں کرتے۔ اہل شہر نے نہ تو امیر المومنین کی بیعت توڑی تھی اور نہ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ سب کے سب اپنی بیعت پر قائم تھے۔ صرف چند سبائی تھے جنھوں نے یہ فتنہ کھڑا کیا تھا۔ اگر اہل شہر نے بیعت توڑی ہوتی یا خلافت قائمہ کے خلاف ہوتے تو کیا صورتحال یہ ہو سکتی تھی۔ جبکہ راوی خود ہی یہ کہہ رہا ہے کہ امیر عبید اللہ کوئی فوج لے کر نہیں آئے تھے۔ پھر اس کذاب و مفتری نے امیر عبید اللہ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ

ابو مخنف کہتا ہے کہ جب صبح ہوئی تو مسلم بن عقیل کے جسم میں درد تھا اور وہ نماز کو نہ جا سکے۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو مسجد کو گئے اور اذن اقامت کے بعد اکیلے نماز پڑھی۔ کسی نے اس نماز میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک لڑکے کو دیکھا اور اسی سے پوچھا "میاں لڑکے اس شہر والوں کو کیا ہوا ہے؟" اس نے کہا میرے آقا ان سب نے حسین کی بیعت توڑ دی اور یزید کی بیعت کر لی۔ انھوں نے جب لڑکے کی یہ بات سنی تو (افسوس کے انداز میں) ہاتھ پر ہاتھ مارا اور سڑک پر چل پڑے تا آنکہ بنو خزیمہ کے محلہ میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر زور سے آواز دی تو ایک لڑکی باہر نکلی۔ اس سے پوچھا یہ کس کا گھر ہے تو اس نے کہا ہانی بن عروہ کا۔ ان کے پاس جاؤ اور کہو ایک آدمی دروازے پر ہے۔ وہ نام پوچھیں تو کہنا مسلم بن عقیل۔ لڑکی اندر گئی اور باہر آ کر کہا آقا اندر تشریف لے چلیں، ہانی اس وقت بیمار تھے۔ وہ معانقے کے لئے اٹھے تو اٹھا نہ گیا۔ پھر دونوں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں عبید اللہ بن زیادہ کا ذکر آ گیا۔ ہانی نے کہا آقا وہ میرے دوستوں میں سے ہے۔ میری بیماری کا سنے گا تو مزاج پرسی کے لئے ضرور آئے گا۔ جب وہ آئے تو آپ یہ تلوار اٹھا کر کوٹھری میں چلے جایئے گا۔ جب وہ بیٹھ جائے تو جھپٹ کر قتل کر دیجیئے گا۔ یاد رکھئے کہ آپ کے حملے سے وہ بچ نہ پائے۔ اگر بچ گیا تو آپ کو اور مجھے دونوں کو قتل کر دے گا میرے اور آپ کے درمیان علامت یہ ہے کہ میں اپنا عمامہ سر سے اتار کر فرش پر رکھ دوں گا۔ جیسے ہی آپ یہ دیکھیں لپک کر قتل کر دیں۔ مسلم نے کہا انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔

شام سے فوجیں آئیں تو مردوں کو قتل کرنے کے علاوہ عورتوں کو لونڈیاں بنائیں گی۔ کبھی تاریخ میں ایسا ہوا ہے کہ مسلم باغیوں کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا گیا ہو۔ کذاب راوی کی یہ کذب بیانی محض ایک شرمناک داستان مرائی کے لئے ہے۔

ابن زیادہ اور مسلم وہانی

پھر ہانی نے ابن زیادہ کو اس بے وفائی کی شکایت بھیجی کہ بیمار پرسی کو نہیں آئے۔ اس نے معذرت کہلا بھیجی کہ مجھے آپ کی بیماری کی خبر نہ تھی۔ اب میں رات کو آؤں گا۔ چنانچہ ابن زیاد نے جب عشاء کی نماز پڑھ لی تو ہانی کی عیادت کو آیا۔ اس کا دربان اس کے ساتھ تھا۔ جب ہانی سے کہا کہ ابن زیاد دروازے پر ہے اور اندر آنے کی اجازت مانگتا ہے تو ہانی نے اپنی خادمہ سے کہا کہ مسلم کو تلوار دے دو۔ اس نے دیدی اور وہ کوٹھری میں چلے گئے۔ ابن زیاد اندر آیا اور ان کے (یعنی ہانی) قریب بیٹھ گیا۔ دربان اس کے پیچھے کھڑا رہا۔ وہ (یعنی امیر زیاد) ہانی سے باتیں کرتا رہا اور ان کے احوال پوچھے۔ ہانی اپنی بیماری کی کیفیت سناتے رہے اور مسلم کے دیر لگانے کا خیال کر کے اپنا عمامہ سر سے اتار کر زمین پر رکھ دیا اور پھر سر پر رکھ لیا۔ اسی طرح انھوں نے تین دفعہ کیا مگر مسلم نہ نکلے۔ اب انھوں نے مسلم کو سنانے کے لئے بلند آواز میں یہ شعر پڑھے۔

(1) یہ انتظار کیسا ہے اور سلمٰی کو جواب کیوں نہیں دیتا۔ سلمٰی کو خوش آمدید کہو اور ان سب کو جو اس کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

(2) کہیں خوشگوار پانی کا گھونٹ ہے جو مجھے پیاس کی حالت میں پلا دیا جائے اگر میں تلف ہو گیا تو میرا دل اس میں اٹکا رہے گا۔

(3) اگر سلمٰی نے تمھاری جانب سے کسی چالبازی کا احساس کیا تو تمھیں بھی اس کی چالبازی سے کبھی بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔

وہ بار بار یہ شعر پڑھتے تھے۔ ابن زیاد نے ان کا مقصد نہ سمجھ کر پوچھا ان صاحب کی یہ ہذیانی کیفیت کیوں ہے۔ لوگوں نے کہا شدت مرض کے سبب۔ غرض ابن زیاد کچھ دیر بعد اٹھ گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔ اب مسلم نکلے تو ہانی نے کہا۔ اس کے قتل سے آپ کو کس بات نے روکا۔ انھوں نے کہا ایک روایت مجھ تک نبی ﷺ کے حوالے سے پہنچی ہے کہ ایک مسلمان کو جو قتل کرے اس کا ایمان نہیں۔ ہانی نے کہا کہ آپ اگر اسے قتل کرتے تو یہ ایک کافر کا قتل ہوتا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ جب ابن زیادہ قصر امارت میں داخل ہوا تو اپنے ایک آزاد کردہ غلام کو بلایا جو معقل کہلاتا تھا۔ وہ نہایت عقیل و فہیم شخص تھا۔ اس نے اسے تین ہزار درہم دئے اور کہا یہ لو اور مسلم بن عقیل کا پتہ لگا کر اسے دے دو۔ اور کہو کہ اس رقم سے وہ اپنے دشمن کے خلاف تیاری کریں۔ ان پر اپنا اخلاص ظاہر کرنا اور مجھے آکر بتانا۔ معقل نے وہ درہم لئے اور کوفہ کے گھروں کا چکر لگایا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اسے مسلم بن عجوسہ کے پاس پہنچا دیا۔ وہ اس وقت مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو معقل اٹھا اور اسے گلے لگا لیا۔ اخلاص کا اظہار کیا اور کہا اے ابو عبد اللہ میں ایک سامی شخص ہوں لیکن اللہ نے میرے دل میں اہل بیت کی محبت ڈال کر احسان کیا ہے۔ میرے پاس تین ہزار درہم ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ یہ رقم اس شخص کو دوں جو لوگوں سے رسول اللہ کے نواسے کی بیعت لے رہا ہے۔ میں تمھارے پاس اسی لئے آیا ہوں کہ مجھ سے یہ درہم لے کر اپنے ان صاحب کو پہنچا دو میں ان معتبر لوگوں میں سے ہوں جنھیں وہ قابل اعتماد سمجھیں گے۔ ان کا معاملہ پوشیدہ رکھنے کی صلاحیت مجھ میں ہے۔

مسلم بن عجوسہ بولا اے بھائی عرب ایسی باتوں سے بے تعلق رہیے۔ ہمیں اہل بیت سے کیا کام؟ جس شخص نے تمھیں مجھ تک پہنچایا ہے اس نے کوئی صحیح کام نہیں کیا۔ معقل نے کہا اگر تمھیں مجھ پر اطمینان نہیں جیسا چاہو عہد وپیمان لے لو۔ پھر بڑی قسمیں کھائیں اور حلفیہ بیان دیتا رہا تا آنکہ اس نے اسے ابن عقیل کے پاس پہنچا دیا اور اس کے متعلق سب باتیں بتادیں۔ مسلم نے اس پر اعتماد کر لیا اور بیعت لے لی۔ پھر یہ روپیہ ابو کو دے دیا کیونکہ مال جمع کرنا اور اسلحہ خریدنا اسی کے ذمہ تھا اور وہ ان کے شہسواروں میں گنا جاتا تھا۔[47]۔

معقل ان لوگوں کے راز معلوم کرتا رہا۔ اور جب سب معلومات بہم پہنچائیں تو ابن زیاد کے پاس جاکر مسلم بن عقیل کا پورا حال سنا دیا۔ ابن زیاد کو جب اطمینان ہو گیا تو اس نے محمد بن اشعث، اسماء بن خارجہ اور عمرو بن الحجاج کو بلا کر کہا کہ آپ لوگ ہانی کے پاس جائیے اور انھیں یہاں لے آیئے۔ عمرو بن حجاج کی بیٹی ہانی کی بیوی تھی۔ اس نے (یعنی امیر ابن زیاد نے) ان کے ساتھ کچھ لوگ اور بھی کر دیئے تھے اور سب سے کہا تھا کہ ہانی کے پاس جاؤ اور انھیں میرے پاس لے آؤ۔ وہ لوگ گئے تو انھیں دروازے پر ہی بیٹھا پایا۔ ان لوگوں نے کہا، ہانی تمھیں امیر بلا رہے ہیں۔ وہ کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ چل پڑے۔ قصر امارت کے پاس پہنچے تو وہاں کے منظر سے انھیں کچھ خطرہ محسوس ہوا اس لئے وہ اسماء بن خارجی کی طرف مڑے اور کہا بھائی مجھے اس شخص سے خوف آتا ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔

اس نے کہا بخدا ہمیں تمھارے بارے میں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم ہر الزام سے بری ہو۔ لہذا دل میلا مت کرو۔ چنانچہ وہ لوگ آگے چلے یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے جب ہانی کو دیکھا تو منہ پھیر لیا اور انھیں تعظیم نہیں دی۔ ہانی کو یہ بات ناگوار تو گزری مگر انھوں نے پھر بھی سلام کیا لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔ ہانی نے کہا امیر کے مزاج کی برہمی اللہ دور کس طرح کرے گا، اس نے کہا اے ہانی تم نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی اور ان کے لئے سپاہی اور اسلحہ فراہم کر رہے ہو، اور تمھارا یہ خیال تھا کہ یہ بات مجھ سے پوشیدہ رہے گی۔ ہانی نے کہا پناہ بخدا میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ ابن زیاد نے کہا جو شخص مجھ تک یہ اطلاع لایا ہے وہ میرے نزدیک تم سے زیادہ سچا ہے۔ پھر اس نے آواز دی معقل باہر آؤ اور اس شخص کو جھوٹا ثابت کرو۔ معقل نکلا اور اس نے کہا خوش آمدید ہانی آپ مجھے جانتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں جانتا ہوں کہ تم ایک فاجر اور کافر ہو۔

اسے دیکھتے ہی ابن ہانی سمجھ گئے تھے کہ ابن زیاد کا جاسوس تھا۔ اب ابن زیاد نے کہا تم میرے پاس سے نہیں جاسکتے جب تک کہ عقیل کو میرے سامنے پیش نہ کر دو۔ ورنہ تمھارا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ یہ سن کر ہانی کو غصہ آ گیا اور انھوں نے کہا بخدا تم میں اتنی سکت نہیں ورنہ مذحج تمھارا خون کر دیں گے۔ ابن زیاد کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے ان کے بید مارا۔ ہانی نے اپنی تلوار سونت لی اور ابن زیاد پر چلائی۔ وہ (یعنی ابن زیاد) اس وقت ٹوپی اوڑھے ہوا تھا جس پر مصنوعی ریشم کا رومال ڈال رکھا تھا، تلوار ان دونوں کو کاٹتی ہوئی سر میں اتر گئی اور کاری زخم ڈال دیا۔ اتنے میں معقل بیچ میں آ گیا تو اس کے چہرے کے بھی دو ٹکڑے کر دئے۔ ابن زیاد نے کہا کہ لوگو اسے نکلنے مت دینا۔ اور ہانی تھے کہ

47مسلم بن عقیل، حضرت حسین کے ایلچی کا روپیہ جمع کرنا اور اسلحہ خریدنا اور لوگوں سے بیعت لینا یہ سب کاروائی حکومت قائمہ کے خلاف بغاوت کر کے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہی تو کی جا رہی تھی۔

دائیں بائیں تلوار چلارہے تھے اور کہتے جاتے تھے تمھارا ناس جائے آل رسول کا کوئی بچہ میرے پاؤں تلے ہو تب بھی میں نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ وہ کٹ نہ جائے اس طرح انھوں نے بیس پچیس ملعونوں کو قتل کر دیا۔ لیکن لوگوں نے بہر حال ہجوم کر کے انھیں گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک ڈنڈا تھا وہ ان کے (یعنی ہانی کے) سر پر مارا اور پھر ایک گڑھے میں انھیں ڈال دیا۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ ایک آدمی چیختا ہوا قبیلہ مذحج تک گیا اور انھیں اس واقع کی اطلاع دے دی۔ اس پر عمرو بن الحجاج دیناری چار سو سواروں کو لے کر چلے اور قصر امارۃ کو گھیر لیا اور پھر آواز دے کر کہا اے ابن زیاد ہمارے آدمیوں کو کیوں قتل کرتے ہو، انھوں نے اطاعت سے منہ نہیں موڑا اور جماعت سے روگردانی نہیں کی۔ پھر انھوں نے ندا دی۔ ہانی اگر تم زندہ ہو تو ہم سے بات کرو، تمھارے بنو الاعمام اور تمھاری قوم مذحج کے لوگ تمھارے دشمن کو قتل کرنے آپہنچے ہیں۔

ابن زیاد نے جب یہ بات سنی تو قاضی شریح[48] سے کہا کہ آپ ان کے پاس جایئے اور بتایئے کہ ان کا آدمی زندہ ہے اور امیر نے کچھ خاص معاملات ان کے سپرد کئے تھے۔ ان کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ نکلا اور کہا۔ تمھارے آدمی امیر کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ان سے کچھ دریافت کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی وہ تمھارے پاس آجائیں گے۔ وہ لوٹ گئے اور کہا الحمد للہ کہ حالات پر امن ہیں۔ ابو مخنف کہتا ہے مسلم بن عقیل نے جب ہانی کے قتل کی بات سنی تو ان کے جس گھر میں تھے وہاں سے جلدی سے چل دیئے۔ اور راستہ ناپتے ہوئے کوفہ سے باہر نکل گئے تا آنکہ حیرہ پہنچ گئے۔ وہاں گھومتے گھومتے ایک مکان پر پہنچے جس کی کرسی اونچی تھی اور ڈیوڑھی بڑی۔ وہاں ڈیوڑھی میں انھوں نے ایک خاتون کو بیٹھے دیکھا۔ اب مسلم وہاں کھڑے ہو گئے اور اس خاتون کی طرف دیکھتے رہے۔ اس خاتون نے کہا اے شخص دوسروں کے زنان خانے کے سامنے کھڑے ہونے سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ انھوں نے فرمایا بخدا آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں اس کا میرے دل میں خطرہ بھی نہیں۔ میں تو ایک مظلوم شخص ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ مجھے دن دن تک یہاں روپوش رکھیں۔ پھر رات کا اندھیرا ہوا تو میں چلا جاؤں گا۔

اس خاتون نے پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میں مسلم بن عقیل ہوں، ایک فریب خوردہ شخص جو بے یارو مددگار رہ گیا ہے۔ وہ خاتون آپ کو پہچان گئیں اور کہا۔ آپ ایسے گھر آئے ہیں جہاں آپ کی پذیرائی محبت و احترام سے کی جائے گی۔ بخدا میں ان میں ہوں جو آپ کی نجات کا سبب بنیں پھر انھیں گھر میں بلا لیا اور ایک کوٹھری میں لے جا کر کھانا پانی پیش کیا۔ جب رات ہوئی انھوں نے (یعنی مسلم بن عقیل نے) نکل جانا چاہا، تو اچانک اس خاتون کا بیٹا آگیا جو ابن زیادہ کی فوج میں افسر تھا۔

اس نے اپنی والدہ کو کوٹھری میں آتے جاتے دیکھا تو کھٹک گیا اور پوچھا اماں جان بتایئے اندر کیا بات ہے؟ اور اصرار کرتا رہا۔ اس خاتون نے کہا بیٹا میں اول اللہ کے واسطے سے عہد لینا چاہتی ہوں کہ تم راز افشا نہیں کرو گے۔ اس نے کہا بہت اچھا اور اللہ کے نام سے عہد کیا کہ راز فاش نہیں کرے گا۔ تب انھوں نے بتایا کہ بیٹا یہ مسلم بن عقیل ہیں ایک فریب خوردہ شخص جو بے یارو مددگار ہو گئے۔ میں نے انھیں یہاں چھپا لیا ہے تا آنکہ ان کی تلاش کا ہنگامہ فرو ہو جائے۔ خبردار بیٹا امانت میں خیانت مت کرنا۔ وہ ملعون چپ ہو گیا اور رات یونہی گزار دی۔ جب صبح ہوئی اور

---

[48] قاضی شریح اکابر تابعین میں سے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کے قاضی تھے اور بعد میں بھی محکمہ قضاء سے متعلق رہے۔ حضرت معاذ بن جبل کے خاص شاگرد تھے اور اکابر صحابہ کے فیض یافتہ۔ اس راوی نے ان کی یہ درگت بنائی ہے محض اس قصور میں کہ باقی امت کی طرح وہ اموی خلافت کے وفادار، خلفاء بنی امیہ کے مطیع و منقاد کیوں تھے۔

مسلم اٹھ بیٹھے تو خاتون پانی کا برتن لئے کھڑی تھیں جسے انھوں نے ان کی طرف بڑھادیا اور انھوں نے لے لیا۔ خاتون نے کہا کہ میرے آقا کیا بات ہے میں دیکھتی ہوں کہ آپ رات بھر سوئے نہیں۔ انھوں نے کہا کہ میری آنکھ لگ گئی تھی کہ میں نے اپنے چچا امیر المومنین (یعنی حضرت علیؓ) کو دیکھا وہ فرمارہے تھے۔ جلدی کرو جلدی، فوراً آؤ فوراً اب مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ دنیا میں یہ میری زندگی کا آخری وقت ہے۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ جب صبح ہوگئی تو لڑکا تیزی سے نکلا اور قصر امارۃ پہنچ کر آواز لگائی خیر خواہی خیر خواہی۔ اس کے باپ نے کہا کونسی خیر خواہانہ خبر لائے ہو۔ اس نے کہا میری ماں اب دشمنوں کو پناہ دینے لگی ہے۔ اس نے کہا کس دشمن کو اس نے پناہ دی ہے؟ کہا مسلم بن عقیل ہمارے گھر میں ہیں۔ یہ بات ابن زیاد نے سن لی اور پوچھا لڑکا کیا کہتا ہے۔ اس کا باپ بولا کہتا ہے کہ مسلم ہمارے گھر میں ہیں۔ ابن زیاد کھڑا ہو گیا، اسے سونے کا گلوبند پہنایا خالص چاندی کا تاج سر پر رکھا اور اپنے تیز رفتار گھوڑوں میں سے ایک پر سوار کیا۔

مسلم کی گرفتاری

پھر اس نے محمد بن اشعث کے ساتھ پانچ سو سوار کئے اور کہا اس لڑکے کے ساتھ جاؤ اور مسلم بن عقیل کو مردہ یا زندہ میرے پاس لے کر آؤ۔ وہ لوگ روانہ ہو گئے اور بڑی بی کے گھر پہنچے انھوں نے جو گھوڑوں کی تاپیں، لگاموں کی ٹخ ٹخ اور پیدل فوج کا شور سنا تو مسلم کو اس کی خبر کر دی۔ مسلم نے فرمایا ان لوگوں کو میرے علاوہ کسی اور کی تلاش نہیں۔ پھر بڑی بی سے بولے میری تلوار مجھے پکڑا دو۔ پھر کھڑے ہوئے، کمر کسی، زرہ پہنی، اور تلوار لہراتے ہوئے باہر نکلے۔ بڑی بی نے کہا میرے آقا آپ تو موت کے لئے تیار معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا بخدا اب موت سے مفر ممکن نہیں۔

پھر دروازے کی طرف بڑھے اور اسے اکھاڑ پھینکا، حالانکہ وہ بڑا مضبوط اور دبیز تھا۔[49] پھر باہر نکل کر ان سے اتنی سخت جنگ کی کہ 180 سوار مار گرائے۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ جب ابن اشعث نے مسلم کی شجاعت دیکھی تو ابن زیاد کو پیغام بھیجا کہ جلدی سے مزید سوار اور پیادے بھیجے۔ اس نے پانچ سو سوار اور بھیج دیئے۔ مسلم بن عقیل نے بڑھ بڑھ کر وار کئے اور ان میں سے بکثرت لوگوں کو قتل کر دیا۔ ابن اشعث نے مسلم کی شجاعت دیکھی تو ابن زیاد کو پیغام بھیجا کہ جلدی سے مزید سوار اور پیادے بھیجے۔ ابن زیاد نے کہلا بھیجا تیری ماں تجھ کو روئے اور تیری قوم تجھے کھوئے۔ ایک آدمی ہے اور تمھیں اس تیزی سے ختم کئے دے رہا ہے۔ اگر میں تجھے اس سے بھی زیادہ جنگجو اور سخت کوش کے مقابلے پر بھیجتا تو کیا ہوتا۔ اس کی مراد حسین سے تھی۔

محمد بن اشعث نے جواب میں لکھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ نے مجھے کوفہ کے بقالوں میں سے ایک بقال پر بھیجا ہے یا حیرہ کے کفش دوزوں میں سے ایک کفش دوز کے مقابلے پر۔[50] آپ کو معلوم نہیں کہ آپ نے مجھے ایک شیر دل سورما، ایک ہیبت ناک شیر اور رسول اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کے مقابلے پر بھیجا ہے۔ ابن زیاد نے 500 سو سوار اور بھیج دیئے اور کہلوا دیا تمھارا ناس جائے، اسے امان دے دو ورنہ تم میں سے ایک ایک کو قتل کر دے گا۔ چنانچہ اس نے آواز لگائی اے مسلم بن عقیل آپ کو امان ہے۔ انھوں نے کہا اللہ کے دشمنوں اور اس کے رسول کے بدخواہو تمھیں امان نہیں۔ یہ کہہ کر ان پر جھپٹے اور ان سے سخت جنگ کی۔ ایک واقعہ یہ ہوا کہ بکر بن حمران اور ان کی تلواریں دو دفعہ ٹکرائیں لیکن مسلم نے ان پر ایسا وار کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ پھر آپ دوسرے کی طرف بڑھے اور اسے بھی ڈھیر کر دیا۔

راوی کہتا ہے پھر لوگ چھتوں پر چڑھ گئے اور آگ کے شعلے ان پر پھینکے۔ وہ لوگوں کی طرف یہ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے۔

---

[49] جی ہاں کیوں نہیں آخر حضرت علی کے بھتیجے ہی تو تھے، خیبر کی لڑائی میں ایک قلعے کے پھاٹک کو اکھاڑ ڈالنے کی روایت وضع ہوئی اس لئے یہ کرامت ان کی بھی دکھائی گئی۔ کوئی انھیں باہر جانے سے روک رہا تھا جو اس قوت کا مظاہرہ کیا؟

[50] اور یہ جو گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے یہ سب کوفے کے بقال تھے۔ یہ وہ نہ تھے جنھوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔ مگر عجائب پرستی تو بہر حال دکھانی ہی ہے اور دیومالائی انداز قائم رکھنا ہے۔ حالانکہ محض معمولی بات تھی انھیں گرفتار کر لیا گیا اور بجرم بغاوت قتل کئے گئے۔

(1) میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ قتل ہوں گا تو ایک آزاد شخص کی حیثیت سے۔ اگرچہ موت مجھے ناگوار ہے۔

(2) مجھے خوف ہے کہ مجھے دھوکہ دیا جائے گا اور ورغلایا جائے گا جیسے کوئی سورج کی کرن کو لوٹانا چاہے مگر وہ قائم رہتی ہے۔ (یعنی اس طرح میں دھوکے میں نہیں آؤں گا اور اپنے موقف پر جما رہوں گا)۔

(3) میں تمھیں مارتا رہوں گا اور کسی نقصان سے نہیں ڈروں گا۔ جیسے وہ نوخیز لڑکا جو کبھی فرار نہ ہو۔

(4) ہر غداری کرنے والا ایک دن خود غداری کا شکار ہو گا اور پھر آتش افروز جہنم میں بھنتا رہے گا۔

اس کے بعد انھوں نے فوج پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ بے جگری سے لڑے اور بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اتنے میں ایک لعین شخص نے کہا میں انھیں ایسی مصیبت میں پھنسادوں گا جس سے انھیں چھٹکارا نہ مل سکے لوگوں نے کہا کس طرح، تو بولا راہ میں ایک کنواں کھود دیں گے اور اس پر دھوکے کی ٹٹی ڈال کر مٹی سے ڈھک دیں گے پھر ان پر حملہ کرتے پیچھے ہٹ جائیں گے اور میں امید رکھتا ہوں کہ پھر اس سے نہ نکل سکیں گے۔

چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور مسلم کو ان کے مکر کا پتا نہ چل سکا۔ اس کے بعد یہ لوگ حملہ آور ہوئے اور وہ ان پر پھر یہ ان کے سامنے بھاگ پڑے اور وہ (یعنی مسلم بن عقیل) کنوئیں میں گر گئے۔ اب انھوں نے چاروں طرف سے گھیر کر باہر نکالا۔ ابن اشعث نے ان کے چہرے پر تلوار ماری جس سے ان کی ناک کا بانسہ پھٹ گیا اور داڑھیں اکھڑ گئیں۔ پھر انھوں نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔

جب یہ لوگ قصر امارت پہنچے تو انھوں (یعنی مسلم) نے ٹھنڈے پانی کی ایک صراحی دیکھی۔ انھیں پانی پیئے دو دن ہو گئے تھے۔ کیونکہ دن بھر لڑتے اور رات بھر نماز پڑھتے تھے۔ انھوں نے پانی پلانے والے سے کہا بڑے میاں مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ اگر زندہ رہا تو بدلہ اتار دوں گا اور اگر مر گیا تو اس کا بدلہ اتارنے والے رسول اللہ (ﷺ) ہوں گے۔ اس نے انھیں برتن دے دیا لیکن جونہی انھوں نے برتن منہ سے لگایا ان کی داڑھیں پانی میں گر گئیں۔ اس لئے انھوں نے برتن واپس کر دیا۔ اور کہا اب مجھے پانی کی ضرورت نہیں۔

انھیں جب ابن زیادہ کے سامنے پیش کیا گیا اور مسلم بن عقیل نے اس کا متکبرانہ انداز دیکھا تو کہا۔ سلامتی ہو اس پر جو راہ ہدایت پر چلا، کج روی کے انجام سے ڈرا اور خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت کی، ابن زیاد مسکرا پڑا۔ اس کے کسی ملازم نے کہا اے مسلم آپ دیکھ نہیں رہے امیر زیاد آپ پر ہنس رہے ہیں۔ کاش آپ السلام علیک ایھاالامیر کہتے۔ مسلم نے کہا بخدا میں سوائے حسین کے اور کسی کو امیر نہیں جانتا۔ اگر اس شخص کو امیر سمجھتا ہوتا تو ضرور امارت کا سلام کرتا۔

ابن زیاد نے کہا تم سلام کرو یا نہ کرو، قتل بہر حال آج ہی کر دیئے جاؤ گے۔ مسلم نے کہا کہ اگر مجھے قتل ہونا ہی ہے تو کوئی قریشی شخص بتائے جسے میں کچھ وصیت کر سکوں۔ اس پر حمر بن سعد کھڑا ہوا۔ مسلم نے کہا میری پہلی وصیت تو یہ گواہی ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا و لاشریک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ علی ولی اللہ ہیں یعنی اللہ کے دوست ہیں۔[51]

---

[51] جو کلمہ شہادت تیسری صدی میں شیعہ نے ایجاد کیا اسے یہ راوی حضرت مسلم کے منہ سے کہلوا رہا ہے۔

دوسری وصیت یہ ہے کہ میری زرہ بیچ کر ایک ہزار درہم ادا کر دینا جو میں نے تمھارے شہر میں قرض لئے ہیں اور تیسری وصیت یہ کہ میرے سردار حسین کو لکھ دینا کہ واپس ہو جائیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ روانہ ہو چکے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کا انجام بھی وہی نہ ہو جو میرا ہوا ہے۔

عمر بن سعدؓ نے کہا جس گواہی کا ذکر تم نے کیا تو یہ گواہی تو ہم سب بھی دیتے ہیں [52]۔ اور تم اپنی زرہ بیچنے اور قرض ادا کرنے کی جو بات کی ہے تو ہمارا اختیار ہے، چاہیں تو ادا کریں اور نہیں چاہیں گے تو نہیں کریں گے۔ رہے حسین تو ان کا ہمارے پاس آنا لازمی ہے تا کہ ہم انھیں رہ رہ کر موت کا مزہ چکھائیں۔

پھر وہ (یعنی امیر عمر ابن سعدؓ) ابن زیاد کی طرف گیا اور اسے ان وصیتوں کی اطلاع دی۔ ابن زیاد نے کہا خدا تمھارا برا انجام کرے تم ایک شخص کا راز افشا کر رہے ہو۔ انھوں نے اگر یہ راز کی بات مجھ سے کی ہوتی تو میں یہ راز پوشیدہ رکھتا اور ان کی حاجت پوری کر دیتا۔ لیکن اب جب تم نے ان کا راز افشا کر ہی دیا ہے تو پھر حسین سے جنگ کرنے کے لئے تمھارے سوا کوئی نہیں جائے گا۔

---

[52] یعنی اس کذاب مولف کے قول کے مطابق کیا حضرت عمر بن سعدؓ کلمہ شہادت میں اشھد ان علیا ولی اللہ کہا کرتے تھے ؟

اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلم کو محل کی چھت پر لے جاکر اوندھے منہ گرا دیا جائے۔ جب انھیں چھت پر لے گئے تو انھوں نے کہا مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو اس کے بعد تمھارا جو جی چاہے کرنا۔ ملازم نے کہا اس کا کوئی امکان نہیں، اس پر مسلم رونے لگے اور یہ شعر پڑھے :

(1) اللہ ہماری قوم کو ہماری طرف سے اس سے بھی سخت سزا دے جو اس نے شریر غلاموں کے لئے مقرر کی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ جو رشتہ قطع کرنے والوں اور ظالموں کے لئے ہے۔

(2) انھوں نے ہمیں اپنا حق لینے نہیں دیا، ہمارے خلاف ایک دوسرے پشتی بان ہو گئے اور کوشش کی کہ ہم ذلیل ہوں اور ہماری ناک خاک آلود رہے۔

(3) وہ ہمیں غارت کرنے کے لئے ہمارا خون بہا رہے ہیں انھیں نہ اپنی ذمہ داری کا احساس ہے اور نہ خونی رشتے کا پاس۔

(4) ہم نبی مختار کی اولاد ہیں اور ہم جیسی کوئی دوسری مخلوق نہیں۔ ہمارا نبی وہ ہے جس کا ارکان منہدم ہونے سے انکار کرتے ہیں (یعنی کوئی ہمیں مغلوب نہیں کر سکتا)[53]۔

(5) میں قسم کھاتا ہوں کہ اے آل مذحج اگر تمھارے لشکر اور ان کے شہ سوار نہ ہوتے تب بھی پیاس سے تڑپنے والا یہ شخص ہی سب سے آگے ہوتا۔

یہ سن کر ابن زیاد نے آواز دی، اے شخص تیرا برا ہو، اسے پھینک دے۔ اس نے انھیں سر کے بل نیچے پھینک دیا اور یوں ان کی جان گئی۔ پھر اس نے (یعنی امیر ابن زیاد نے) ہانی بن عروہ کے متعلق حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی گئی۔ جب قبیلہ مذحج کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سب سوار ہو کر پہنچ گئے اور ابن زیاد سے سخت جنگ کی۔ وہ لوگ (یعنی سرکاری فوج) مسلم وہانی کو سڑکوں پر گھسیٹ رہے تھے۔ مذحج نے ان پر حملہ کر کے تتر بتر کر دیا۔ اور مسلم وہانی کی لاشوں کو اٹھا کر انھیں غسل دیا۔ کفن پہنایا، ان پر نماز پڑھی اور دفن کر دیا۔

عبد اللہ بن الزبیر کہتے ہیں کہ فرزوق نے ان کا مرثیہ اس طرح کہا۔

(1) (اے میری جان) اگر تو نہیں جانتی کہ موت کیسی ہوتی ہے تو بازاروں میں ہانی اور ابن عقیل کو دیکھ لے۔

---

[53] نماز نہیں پڑھ سکے تو اتنی دیر میں شعر کہنے کی بجائے اللہ کا ذکر کیوں نہ کیا۔ مگر راوی کو تو شعر کہنے تھے اور وصی نسب اور حق بات کرنی تھی۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ نبی مسلم نبی مختار کی صلبی اولاد کیسے ہو گئے اور اپنے باپ کے زمانے میں وہ اس فضیلت سے کیوں محروم تھے۔

(2) اس سورما کو جس کا چہرہ تلوار نے قیمہ کر دیا اور اس دوسرے کو جو دیوار سے گرائے جانے پر مقتول ہوا۔

(3) ان دونوں کو ایک ملعون شخص کے حکم نے اس انجام کو پہنچایا اور دونوں افسانہ بن گئے جو شب گزاری کے لئے کوئی قافلے کو سنائے۔

(4) تم وہ لاشہ دیکھو گے جس کا رنگ موت نے متغیر کر دیا اور لتھڑے ہوئے خون نے جو ایسا بہا کہ کسی کا کیا بہا ہو گا۔

(5) وہ جوان جو ناکتخدا لڑکیوں سے زیادہ شرمیلا تھا اور (جرات) میں دودھاری تلوار سے زیادہ کاٹ کرنے والا۔

(6) اس کے گرد قبیلہ مراد کے لوگ طواف کرتے ہیں اور سب کے سب باہم ملاطفت کے ساتھ۔ کوئی سوال کرنے والا ہے اور کوئی جواب دینے والا۔

(7) کیا اسماء یونہی سبق رفتار گھوڑوں پر امن کے ساتھ چلتا رہے گا حالانکہ مذحج نے ایک مقتول کے بدلے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ (کتاب کے اصل نسخے میں "قد" کی جگہ "لو" ہو گا یعنی کاش مذحج اپنے مقتول کا قصاص لیتے۔ کیونکہ آگے خود کہہ رہا ہے کہ انھوں نے مطالبہ نہیں کیا)

(8) اب اگر تم اپنے بھائی (یعنی ہانی) کے قصاص کا مطالبہ نہیں کرتے تو پھر وہی باغی بنے جو تھوڑے پر ہی راضی کر لئے گئے۔

جب یہ اشعار مذحج کو پہنچے تو انھوں نے کہا۔ بخدا اسماء بن خارجہ ہمارے نزدیک ہمارے اس آدمی سے زیادہ مرتبے والا ہے (یعنی ہانی سے)۔ اور اگر ہم قصاص کا مطالبہ کرتے تو ابن شعث سے بدلہ لے لیتے۔ مگر یہ معاملہ حکومت کی طرف سے ہوا ہے (اس لئے ہم نے مداخلت نہیں کی)۔[54]

جب ہانی اور مسلم قتل ہو گئے تو ابن زیاد نے دونوں کے سر یزید کے پاس بھیج دیئے اور ساتھ ہی لکھا۔

سب ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے خلیفہ کو ان حق دے دیا اور ان کے دشمن سے ان کی طرف سے بدلہ لے لیا۔ اور اے خلیفہ گزارش ہے کہ مسلم بن عقیل آئے اور ہانی بن عروہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ میں نے ان پر جاسوس مقرر کر دیئے اور پھر (گرفتار کر کے) ان کی گردنیں مار دیں۔ دونوں کے سر آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ یہ مراسلہ یزید کے پاس پہنچا تو اسے فرحت و انبساط ہوا۔ اور اس مراسلے کے جواب میں اس نے یہ مراسلہ بھیجا۔

امابعد۔ یہ تو میں جانتا ہی تھا کہ تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔ اپنی جان کی قسم تم نے واقعی خیر خواہی کی اور بھرپور کام کیا تم نے حق ادا کر دیا اور شیر کی طرح بہادری دکھائی۔[55]

---

[54] ابھی بیان کر چکا ہے کہ اسماء بن خارجہ ان لوگوں میں سے تھے جنھیں امیر زیاد نے محمد بن الاشعث کی معیت میں ہانی بن عروہ کو لانے بھیجا۔ اب بقول اس کے فرزوق نے قبیلہ مذحج پر طعن کیا کہ ہانی کے قتل کئے جانے کے باوجود اسماء آزاد پھر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں قبیلہ مذحج نے کہا کہ اسماء بن خارجہ کا مرتبہ ہانی سے کہیں زیادہ ہے اور اگر بدلہ لیا جاتا تو محمد بن الاشعث سے جو امیر عسکر تھے۔ لیکن چونکہ ہانی کا قتل امیر اسلام کے حکم سے ہوا ہے اس لئے اس پر کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا پھر بھی ہوا اندھی گئی ہے کہ اہل کوفہ حکومت کے خلاف ہو گئے تھے اور حضرت حسین کو انھوں نے بیعت کرنے اور خلیفہ بنانے کے لئے بلایا ہے۔ رہا فرزوق کی طرف سے منسوب یہ مرثیہ تو ان کے دیوان میں نہیں ہے اور ہوتا بھی کیوں جبکہ وہ شاعر بنوامیہ تھے نہ کہ شاعر اہلبیت جیسا کہ ایک اختراعی قصیدہ جناب علی زین العابدین کے بارے میں اس کی طرف منسوب کر کے اسے اہلبیت کا شاعر بنا دیا گیا ہے۔ ابن الزبیر پر بہتان ہے کہ مکذوبہ مرثیہ انھیں یاد تھا۔

[55] ایک آدمی کا قتل کرا دینا کیا واقعی شیر کی طرح بہادری ہے۔

میں نے تمھارے دونوں قاصدوں کو بلا کر وہ تفصیل معلوم کی جو تم نے بیان کی ہے اور اسے ویسا ہی پایا ہے جیسا تم نے لکھا ہے۔ ان کے بارے میں میں تمھیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین عراق کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ تم سب طرف نگہبان مقرر کر دو اور روزانہ مجھے ان کے بارے میں اطلاع دیتے رہو۔ [56]

ابو مخنف کہتا ہے کہ مسلم کی تلوار اور ان کی زرہ محمد بن اشعث نے لے لی تھی۔ اس پر عبد اللہ نے یہ شعر کہے۔

(1) تم نے مسلم کو چھوڑ دیا اور ان کی طرف سے جنگ نہ کی کیونکہ تمھیں خوف تھا کہ کہیں تم پچھاڑ نہ دیئے جاؤ۔

(2) محمد (ﷺ) کے گھر والوں کا جو نمائندہ تھا اسے تم نے قتل کر دیا اور اس کی تلواریں اور زرہیں ہتھیالیں۔

(3) اگر تم کسی شیر دل قبیلے کے ہوتے تو ان کا مرتبہ پہچان لیتے اور قیامت کے دن احمد (ﷺ) کی شفاعت کے امیدوار ہو سکتے تھے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ جب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ قتل ہو گئے اور ان کی خبر حسین کو ملنی بند ہو گئی تو آپ کو سخت قلق ہوا۔ لہذا آپ نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا، دل میں جو جو خیالات آ رہے تھے وہ سب انھیں بتائے اور مدینہ کی طرف سفر کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ کی معیت میں وہ سب مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے یہاں تک کہ شہر میں جا پہنچے۔ پھر آپ رسول اللہ کے مرقد پر حاضر ہوئے اور اس سے چپٹ کر بہت شدت سے روئے۔ اچانک آپ کو غنودگی آ گئی تو آپ نے اپنے نانا رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں فوراً فوراً جلدی جلدی بھاگ کر ہمارے پاس آؤ ہم تمھاری آمد کے مشتاق ہیں۔ حسین کی آنکھ کھل گئی اور اپنے نانا رسول اللہ کے دیدار شوق میں بے تاب ہو گئے [57]۔

پھر آپ نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ کے پاس گئے، دل کی بات انھیں بتائی اور کہا بھائی میں عراق جانا چاہتا ہوں کیونکہ اپنے ابن عم مسلم کے لئے بے قرار ہوں۔ محمد بن الحنفیہ نے کہا بھائی صاحب میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کے پاس مت جایئے۔ انھوں نے آپ کے والد کو شہید کیا اور آپ کے بھائی کے ساتھ غداری کی۔ آپ یہیں اپنے نانا کے حرم میں قیام کیجیے یا پھر اللہ کے حرم کو واپس جایئے کیونکہ وہاں آپ کے مددگار بہت ہیں۔ حسین نے فرمایا عراق جانا بہت ضروری ہے۔ ان کے بھائی نے کہا۔ یہ امر مجھ پر بہت شاق ہے۔ پھر وہ رو پڑے اور کہا بھائی بخدا مجھ میں طاقت نہیں کہ تلوار کا دستہ یا نیزے کا ہتھا پکڑ سکوں (یعنی اس کی قدرت ہوتی تو آپ کا ساتھ دیتا) آپ کے بعد مجھے کبھی خوشی محسوس نہ ہو گی۔ یہ کہہ کر آپ کو رخصت کر دیا۔ اے مظلوم شہید ہونے والے میں آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ [58]

---

[56] تیز سے تیز سواری میں آدمی کوفہ سے دمشق بیس دن میں پہنچتا پھر روزانہ اطلاع دینے کی صورت تھی۔ اگر روز ایک آدمی روانہ ہوتا تو اس کی پہنچائی ہوئی خبر تین ہفتے پرانی ہوتی۔ ایک طرف امیر ابن زیاد کو امیر المومنین یزیدؒ کا انتہائی معتمد بتایا جاتا ہے اور دوسری طرف ان کا اتنا بھی اعتبار نہیں کہ جب تک وہ کسی مقتول کا سر نہ بھیجیں ان کی بات قبول نہیں کی جا سکتی۔ مسلم کا قتل کونسا بڑا کارنامہ تھا جس پر ستائش کے یہ ڈونگرے برسائیں جائیں۔ مسلم کی جنگ اور ان کی گرفتاری اور قتل کے دیومالائی انداز سے قطع نظر ایک سادہ معاملہ تھا۔ معاندانہ کوفہ جانا اور بغاوت پھیلانے کی ناکام کوشش کے نتیجے میں وہ گرفتار ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ خود ابو مخنف کہتا ہے کہ چونکہ ایک بااختیار امیر نے آئین کے تحت یہ اقدام کیا تھا اس لئے کوفہ نے اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور ان کی لاشیں حکومت سے حاصل کرکے دفن کر دیں۔ جب شہر کی صورتحال ایسی پر امن تھی تو نہ ان کا سر کاٹنے کی کوئی ضرورت تھی اور نہ ان کی لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹنے کی۔ یہ سب افسانہ محض جذباتی ہے اور تاریخی اعتبار سے اس کی کوئی قیمت نہیں۔

[57] حضرت حسین کا مکہ سے مدینہ جانے کا تصور محض خیالی ہے۔ آپ مکہ سے سیدھا کوفہ گئے تھے۔ یہ ڈرامائی انداز اور جذباتی رنگ صرف جذباتی ہے۔ تمام اہل تاریخ متفق ہیں کہ آپ کوفے کی طرف سفر سے پہلے مکہ ہی میں مقیم رہے۔ خود ابو مخنف کا بیان آگے آتا ہے نہ کہ مدینہ سے عراق کے راستے میں اس سے یہی ثابت ہے کہ آپ مکہ سے کوفہ گئے تھے۔

[58] حضرت محمد بن علی حضرت حسین سے عمر میں چھوٹے تھے۔ بڑے جری اور بہادر تھے۔ یہ تصور کہ وہ شیخ فانی ہو گئے تھے کہ تلوار کا دستہ نہ پکڑ سکیں افتراء محض ہے۔ وہ اپنے موقف پر شروع سے آخر تک قائم رہے۔ امیر المومنین کے بارے میں انھوں نے چار برس بعد اہل مدینہ کے باغی گروہ کو اللہ سے ڈرایا تھا اور پھر مکہ چلے گئے تھے۔ ابن الزبیر کے طاقت پکڑنے کے بعد وہ شام چلے گئے تھے کیونکہ بنو امیہ کے مقابلے میں وہ ابن الزبیر کی

بیعت پر تیار نہیں تھے۔ سب بنو ہاشم اور اکابر صحابہ کا یہی موقف تھا۔ حضرت محمد مکہ اس وقت آئے جب امیر المومنین عبد الملک نے فتح پائی۔ حضرت محمد ان سے بیعت کر کے ان کی اجازت سے دوبارہ مدینہ طیبہ میں جا بسے۔
یہ امر اہل تاریخ کے نزدیک مسلم ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

روانگی حسین کی عراق کو

راوی کہتا ہے پھر ہشام اور عبد اللہ بن العباس آئے۔ ابن عباس نے کہا۔ اے میرے چچا کے بیٹے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عراق جا رہے ہو۔ حسین نے کہا ہاں۔ وہاں جانے کے بارے میں میری رائے پختہ ہو گئی ہے۔ انھوں نے (یعنی سیدنا ابن عباسؓ) نے فرمایا اے میرے چچا کے بیٹے تم ایسی قوم کے پاس جاتے ہو جنھوں نے تمھارے باپ کو قتل کیا اور تمھارے بھائی کے ساتھ غداری کی مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمھیں ورغلائیں گے۔ میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہاں مت جاؤ۔ لیکن حسین نے یہ بات نہیں مانی۔ اب ان کے پاس عبد اللہ بن الزبیر آیا اور کچھ دیر ان سے باتیں کیں۔ پھر کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے حکومت کا خیال کس سبب سے چھوڑ رکھا ہے کہ دوسرے لوگ اس پر قابض رہیں۔ حسین نے فرمایا۔ میرے شیعوں نے اور کوفہ کے بڑے بڑے لوگوں نے مجھے وہاں پہنچنے کے بارے میں دعوت دی ہے۔ پھر ابن الزبیر چلا گیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو عبد اللہ بن عباس پھر آئے اور کہا میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر جانا ضروری ہے تو حجاز یا یمن چلے جاؤ جہاں قلعے ہیں گھاٹیاں ہیں (یعنی دفاع کا انتظام ہے) لیکن حسین نے انکار کر دیا۔ ابن عباس نے کہا بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم میری اطاعت کرو گے تو میں تمھیں سر سے پکڑ لیتا تا آنکہ اللہ لوگوں کو ہماری حمایت پر جمع کر دیتا۔ حسین نے کہا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے آپ سچے مشیر ہیں۔ پھر وہ (یعنی حضرت ابن عباس) ان کے پاس سے چلے گئے اور ابن الزبیر پر ان کا گزر ہوا تو کہا ابن الزبیر اب تو تمھارے سردار حسین کے عراق چلے جانے سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہوں گی تاکہ حجاز تمھارے لئے خالی ہو جائے۔ پھر یہ شعر پڑھے۔

(1) اے چڑیا اب تک تو بستی میں تھی۔ اب تیرے لئے فضاء صاف ہو گئی ہے۔ حسب مرضی دن کو پھرا کر اور رات کو آرام کر۔

(2) جس چیز میں چاہے ٹھونک مار کیونکہ صیاد چلا گیا ہے۔ اب خوش خوش رہ۔

(3) اب اپنے پر پھیلا کیونکہ حسین تو فتح کی امید میں عراق جا رہے ہیں۔

(4) اس یزید کے خلاف جس سے ناگوار باتیں سرزد ہو رہی ہیں۔ شکار کا سامان اٹھ گیا تو پھر تجھے خوف کاہے کا ہے۔

(یعنی حسین کو باز سے تشبیہ دی اور ابن الزبیر کو چڑیا سے کہ بے خوف ہو کر اپنے لئے فضا ہموار کریں)

راوی کہتا ہے کہ حسین روانہ ہو کر ذات عراق تک پہنچ گئے تھے۔[59] کہ ابن زیاد نے حصین بن النمیر کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا اور وہ قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا جو قطقطانیہ کے قریب ہے۔ حسین چلتے رہے تا آنکہ حاجز پہنچے جو رملہ وادی میں ہے۔ وہاں سے انھوں نے قین بن مسہر صیدادی کو ایک خط دے کر کوفہ بھیجا جس کی عبارت یہ تھی۔

---

[59] کتاب مقتل حسین کے اس نسخے سے دو عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں جو طبری نے اصل نسخے کے حوالے سے حضرت حسین کے سفر کوفہ شروع کرنے سے قبل مقام تنعیم پر سرکاری قافلے پر قبضہ کر لینے کی درج ہیں جن سے حضرت کے روانگی کی صحیح تاریخ بھی متعین ہوتی ہے۔

امابعد۔ میرے پاس عقیل کا خط آچکا ہے۔ جس میں انھوں نے تم لوگوں کی (ہمارے بارے میں) خوبی رائے ظاہر کی ہے اور یہ کہ تم ہماری مدد کے لئے مجتمع ہو۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا تمھارا انجام بخیر ہو۔ میں اپنے گھر والوں اور ساتھیوں کے ساتھ تمھارے پاس آرہا ہوں۔ میرا قاصد جب پہنچے تو اپنی ضرورتیں مجھے لکھ بھیجو۔ والسلام

راوی کہتا ہے کہ قین بن مسہر کوفہ جانے کی غرض سے چل پڑے۔ لیکن جب وہ قادسیہ پہنچے تو حصین بن النیمر نے انھیں گرفتار کر لیا۔ اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا[60]۔ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو ابن زیاد نے ان سے کہا جوان! منبر پر چڑھو اور اس کذاب بن کذاب یعنی حسین کو برا کہو۔ وہ منبر پر چڑھے، اللہ کی حمد و ثناء کی، نبی پر درود بھیجا اور کہا۔

لوگو! یہ حسین جو آرہے ہیں میں نے انھیں حاجز میں چھوڑا ہے جو وادی رملہ میں ہے۔ ان کی طرف سے تمھارے لئے پیغام لایا ہوں اس کی تم پذیرائی کرو۔ پھر انھوں نے یزید اور ابن زیاد کو برا کہا، اور حسین اور ان کے والد اور جد (ﷺ) پر درود بھیجا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں محل کی چھت سے نیچے گرا دیا جائے اور یوں ان کے ٹکڑے اڑ گئے۔ رضوان اللہ علیہ۔

عدی بن حرملہ نے عبدربہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہم لوگ مکہ میں تھے اور حج کر لیا تھا ہمیں حسین کے پاس پہنچ جانے کے علاوہ اور کوئی فکر نہ تھی۔ چنانچہ ہم چل پڑے یہاں تک کہ ان تک پہنچ گئے اور انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ہم نے عرض کی اے ابو عبداللہ کیا آپ نے ان دونوں سواروں کو دیکھا ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں ہم نے عرض کیا ان کا گمان ہے کہ شہر (کوفہ) سے اس وقت چلے تھے جب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کو قتل کیا جا چکا تھا۔ انھوں نے سڑک پر ان کے سر لٹکے ہوئے دیکھے ہیں۔ [61]

حسین نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ کی رحمت اور اس کی رضاء ان دونوں کو حاصل ہو۔ ہم نے عرض کیا۔ اے ابو عبداللہ ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ یہیں سے واپس ہو جائیں کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ لیکن حسین نے فرمایا۔ ان لوگوں کے اٹھ جانے کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں۔ اس سے ہم سمجھ گئے کہ سفر کے بارے میں ان کا ارادہ پختہ ہے۔ رات انھوں نے وہیں گزاری اور جب صبح ہوئی تو اپنے آدمیوں سے فرمایا پانی بکثرت جمع کر لو اور اپنے گھوڑوں کو بھی خوب پلا لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اب جس بستی سے بھی آپ کا گزر ہوتا بکثرت لوگ آپ کے ساتھ ہو جاتے تا آنکہ آپ زبالہ پہنچ گئے اور وہاں قیام کیا۔ پھر آپ تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثناء کی، نبی (ﷺ) پر درود بھیجا اور پھر بلند آواز فرمایا۔

---

[60] حضرت حصین بن النیمر سکونیؓ صحابی ہیں۔ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں الاردن کے عامل رہے۔ کتاب تجارب الامم اور التنبیۃ والاشراف میں انھیں کاتبان رسول اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ان کا گھرانہ سکونی بنو کندہ ہی کی شاخ تھا۔ بنو کندہ میں محمد بن اشعث اور قاضی شریح بھی تھے۔ ان حضرت حصین کا ہمنام بنو تمیم کا ایک شخص حصین بن نمیر بن اسامہ تھا جو امیر عبداللہ بن زیاد کا ان ایام میں پولیس افسر بتایا جاتا ہے۔ یہاں اسی سے مراد ہے۔

[61] ابھی کہہ چکا ہے کہ قبیلہ مذحج نے حضرت مسلم اور ہانی کے لاشے حکومت سے چھین کر ان کے کفن دفن کا انتظام کیا تھا اور اب کہتا ہے کہ ان کے سر لٹکے ہوئے ان خیالی سواروں نے دیکھے تھے۔

لوگو! تم میرے ساتھ اس خیال سے جمع ہوگئے ہو کہ عراق پر میرا قبضہ ہے حالانکہ مجھے صحیح اطلاع یہ ملی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروۃ کو قتل کیا جاچکا ہے، اور ہمارے شیعوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے، تو تم سے جسے تلواریں کھانے اور نیزوں کے کچوکے برداشت کرنے کا حوصلہ ہو وہ ہمارے ساتھ چلے ورنہ یہیں سے لوٹ جائے۔ ایسے لوگوں پر میرے بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں۔

یہ سن کر لوگ چپ ہوگئے اور دائیں بائیں کھسکنے لگے تا آنکہ آپ کے پاس اپنے گھر والوں اور ملازموں کے کوئی نہ رہا۔ ان لوگوں نے کہا بخدا ہم اس وقت تک واپس نہیں ہونگے جب تک اپنا بدلہ نہ لے لیں یا پھر درجہ بدرجہ موت کا مزا چکھیں۔ تعداد میں یہ لوگ کچھ اوپر ستر تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو مکہ سے ان کے ساتھ چلے تھے۔ حسین جانتے تھے کہ باقی لوگ محض اس لئے ان کے ساتھ ہوگئے ہیں کہ ان کے گمان میں عراق پر آپ کا قبضہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ نے گوارہ نہ کیا کہ حال جانے بغیر لوگ آپ کے ساتھ چلیں۔ پھر حسین روانہ ہوئے اور ثعلبیہ پہنچ گئے۔ وہاں ایک نصرانی شخص اپنی ماں کے ساتھ آیا اور وہ دونوں آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے[62]۔ آپ ابھی ثعلبیہ میں ہی تھے کہ آپ نے دور سے گرد اٹھتی دیکھی اور اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ سیاہی کیسی ہے؟ انھوں نے کہا ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے فرمایا غور سے دیکھو۔ انھوں نے کہا کوئی قافلہ آتا معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا رستے سے ہٹ جاؤ۔ راوی کہتا ہے جب ہم راہ سے ہٹ گئے تو وہ لوگ بھی ہماری ہی سمت کو ہٹ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں ایک ہزار سوار ہیں اور ان کی قیادت حُرّ بن یزید ریاحی کر رہا ہے۔ وہ لوگ حسین کے مقابل آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا اے ابو عبد اللہ ہمیں پانی پلوایئے آپ نے حکم دیا ان لوگوں کو پانی پلاؤ اور ان کے گھوڑوں کو بھی سیر کر دو۔ چنانچہ ان سب کو پانی پلا دیا گیا۔[63] علی بن طعان محاربی کا بیان ہے کہ میں لشکر کی سب سے آخری صف میں تھا حسین نے مجھے دیکھا تو مجھ سے فرمایا بھتیجے اپنا اونٹ بٹھالو مشک کھولو۔ خود بھی پیو اور اپنی سواری کو بھی پلاؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا حر برابر حسین کے مقابل کھڑے رہے۔ تا آنکہ نماز کا وقت آگیا اور حسین نے دونوں گروہوں کو نماز پڑھائی۔

---

[62] عراق میں نصرانی گھرانا کہاں سے آگیا؟ اگر شام کے علاقے کی بات کرتا تو ایک بات بھی تھی۔ اس ڈرامائی انداز میں ان ماں بیٹے کا آنا محض یہ دکھانے کے لئے ہے کہ خود مسلمان تو بے دین ہو چکے تھے لیکن ایک نصرانی اور اس کی ماں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ویسے عہد رسالت سے کافر چلے آرہے تھے۔

[63] ایک ہزار فوجیوں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلوانے کا یہ انداز بھی ڈرامائی ہے۔ حسینی قافلے کے 72 اشخاص نے ثعلبیہ کے جن کنوؤں سے پانی بھرا تھا یہ ایک ہزار فوجی بھی بدرجہ اولیٰ ان کنوؤں سے خود ہی پانی لیتے مگر اس راوی کو تو حسینی قافلے پر پانی کی بندش کی وضعی روایت کو آگے بیان کرنا ہے یہ اس کی تمہید ہے۔

حر سے ملاقات

پھر حسین کھڑے ہوئے۔ اس وقت آپ ازار اور جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور اپنے نانا رسول اللہ پر درود بھیجا۔ پھر فرمایا۔ لوگو! اللہ کے اور تمھارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ تمھارے خط میرے پاس آنے لگے کہ ہمارے پاس آجائیے آپ کے سوا ہمارا کوئی امام نہیں۔ اب اگر تم لوگوں کو یہ بات ناگوار ہو تو میں تمھارے پاس سے واپس ہونے کو تیار ہوں جدھر بھی میرا جی چاہے۔[64]

حُر نے کہا بخدا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنھوں نے آپ کو خط لکھے۔ حسین نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا۔ وہ دونوں تھیلے نکالو جو خطوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ انھوں نے وہ تھیلے نکالے اور ان میں سے لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ حُر نے کہا میں ان لوگوں کو نہیں جانتا جنھوں نے آپ کو یہ خط لکھے ہیں۔ مگر مجھے حکم یہ ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں تا آنکہ آپ کو کوفہ پہنچادوں۔ حسین نے فرمایا تمھارے اس اقدام سے تو مر جانا زیادہ بہتر ہے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو سوار ہونے کا حکم دیا اور وہ لوگ واپس ہونے لگے۔ لیکن حُر نے ان کی راہ روک لی۔ حسین نے فرمایا تیرا ناس تو کیا چاہتا ہے؟ انھوں نے کہا میں آپ سے جدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ کوفہ نہ پہنچ جائیں۔ اس بارے میں ان کے مابین بہت کچھ گفتگو ہوئی۔ بالا اخر حر نے کہا آپ ایسی راہ اختیار کر لیجئے جو نہ کوفہ جاتی ہو نہ مدینہ[65]۔ تاکہ میں ابن زیاد کو خط لکھوں اور وہ مجھے (آپ کو پیچھا کرنے سے) معاف رکھے۔

راوی کہتا ہے کہ حسین چل پڑے اور حُر برابر آپ کے ساتھ لگے رہے۔ وہ کہتے جاتے تھے اے ابو عبد اللہ میری گزارش سن لیجئے اور اپنی جان اور اپنا خون ضائع ہونے سے محفوظ رکھیئے۔ اگر آپ نے جنگ کی تو بخدا آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔ حسین نے فرمایا کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔

(1) میں چلتا رہوں گا، کیونکہ اس جوان کے لئے مرنا کوئی عار نہیں جس کی نیت سچی ہو اور اطاعت خداوندی میں وہ جہاد کرے۔

(2) اور اپنی جان نیک لوگوں کی مدد میں صرف کرے، (خدا کے نزدیک) ہلاک ہونے والوں سے بچے اور مجرموں کی راہ کے خلاف چلے۔

[64] ہوا یہ باندھی گئی ہے کہ حضرت حسین کا خروج دین کی حفاظت کے لئے تھا اور کربلاء کا معرکہ حق و باطل کا معرکہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ حضرت حسین اپنے نانا کا دین بچانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور اسی مقصد کے لئے آپ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہ تصور پیش کرنے کے باوجود آپ کی یہ تقریر بھی نقل کر رہا ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ آپ طلب خلافت کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور حالات ناسازگار دیکھ کر اس اقدام سے باز آنا چاہتے تھے۔ کیونکہ امت امیر المومنین یزید کی بیعت پر جمع تھی اور آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جو وفود آپ کے پاس گئے اور جو خطوط کے تھیلے آپ کو ملے وہ محض چند آدمیوں کی شرارت تھی۔ عوام کا اس سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ باشندے اور لشکری سب مسلمان تھے ارکان مذہبی کے پابند فوجیوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔

[65] حضرت حسین نے مسلم وہانی کے انجام اور کوفیوں کی غداری کا حال سن کر چونکہ طلب خلافت کے لئے کوفہ جانے کا خیال چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو کربلا سے ہوتا ہوا سیدھا دمشق جاتا ہے۔ راوی نے بتغیر الفاظ غلط بیانی سے کام لیا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ کو گھیر کر کربلا پہنچایا گیا۔

(3) اگر میں زندہ رہا تو کچھ شرم کی بات نہیں اور مر گیا تو کچھ رنج نہ ہوگا، کیونکہ (اے نفس) تیرے لئے ذلت کی یہ بات کافی ہے کہ تم بے حیثیت بن کر زندہ رہے۔

راوی کہتا ہے کہ حُر نے آپ کا یہ کلام سنا تو سن کر پیچھے ہٹ گئے تا آنکہ عذیب الھجانات پہنچ گئے۔ وہاں اچانک چار شخص کوفہ کی طرف سے آتے ہوئے ملے، یہ تھے نافع بن ہلال مرادی، عمرو صیدادی، سید بن ابی ذر غفاری اور عبید اللہ مزحجی۔ یہ لوگ حسین کے سامنے آئے۔ طرماح نے جب یہ حال دیکھا تو حسین کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی اور یہ شعر پڑھے۔

(1) اے میری اونٹنی میری ڈانٹ پر بلبلا مت

اور صبح ہونے سے پہلے ہی سفر کے لئے تیار ہو جا

(2) اس بہترین سفر پر بہترین سوار کو لے کر

تاکہ بہت بڑے سفر کا سہرا تیرے سر رہے

(3) وہ عزت و شرف والا اور آزاد و پاک دل و دماغ کا مالک

جسے اللہ بہترین اجر عطا فرمائے

(4) وہ مومنوں کے پاک امیر کا فرزند اور اس شفاعت کرنے والے کا بیٹا جو عذاب حشر سے نجات دلانے والا ہے۔

(5) اے نفع و نقصان کے مالک میرے سردار حسین کی مدد فرما

(6) ان دو لعنیوں کے مقابلے میں جو صخر (یعنی حضرت ابوسفیانؓ) کی نسل سے ہیں اور ابن زیاد کے مقابلے میں جو حرامی ہے اور حرامی کا بیٹا ہے۔[66]

راوی کہتا ہے کہ اس پر حر ان کی طرف سے آئے حسین نے فرمایا کیا تم نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ میرے کسی آدمی سے کچھ تعرض نہیں کروگے۔ اگر تم اپنی اس بات پر قائم ہو جو میرے اور تمھارے درمیان طے پائی تھی تب تو خیر ورنہ میں تمھیں میدان جنگ میں لا کھڑا کروں گا۔ یہ سن کر حُر رک گئے اور حسین نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا (یعنی کوفہ سے آنے والے چار آدمیوں سے) بتاؤ تم نے کوفہ کو کس حال میں چھوڑا انھوں نے عرض کیا اے فرزند رسول اللہ! بڑے لوگوں کے منہ مال دے کر بند کر دیئے گئے ہیں باقی لوگوں کے دل تو

66 کیا کسی سلیم العقل شخص کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہ آخری دو شعر حضرت حسین کے سامنے پڑھے گئے ہونگے اور آپ نے انھیں برداشت کر لیا ہوگا۔ حضرت معاویہ کی تو وہ بیعت میں تھے۔ اور بیس برس تک انھیں اپنا امام جانا اب وہ انھیں لعین جانتے تھے؟ اس طرح انھیں یہ بھی علم تھا کہ جمہور صحابہ اور تمام امت امیر المومنین یزید کی بیعت میں ہے اور وہ حضرت حسین کے قریبی عزیز بھی ہیں تو آپ ان پر لعنت کو جائز سمجھتے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت زیادؓ حضرت معاویہ کے بھائی ہیں اور امیر المومنین علیؓ کے معتمد ترین والیوں میں سے تھے اور ایسے کہ انھوں نے حضرت حسن کے بیعت کر لینے کے باوجود اپنا موقف نہیں بدلا تا آنکہ جماعت میں داخل ہو کر امیر المومنین حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی۔ وہ انھیں حرامی اور ان کے بیٹے کو حرامزادہ کہنا کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ان جیسے عالی مرتبت شخص کو ایسے گرے ہوئے اخلاق کا باور کرانے کی ہمت صرف ابو مخنف جیسے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ جنھوں نے سیاسی اختلافات کو دینی اور خاندانی بنا دیا ہے۔ اگر امیر المومنین یزیدؒ نعوذ باللہ من ذالک لعین تھے تو آپ ان سے بیعت پر کیوں تیار ہو گئے اور آپ کے فرزند نے ان سے بیعت کیوں کر لی۔

آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں آپ کے مقابلے کے لئے ہیں[67]۔ آپ نے پوچھا تمھیں میرے قاصد قین بن مسہر کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا کہ حصین بن نمیر نے انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا اور اس نے انھیں قتل کر ڈالا۔ حسین نے جب یہ سنا تو آبدیدہ ہو گئے اور یہ آیت پڑھی "فمنھم قصی نحبہ و منھم ینظر و مابد کوا تبدیلا" (ان میں سے بعض نے جان دے کر حق وفا ادا کر دیا اور بعض ابھی انتظار میں ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی) پھر آپ نے دعا کی خدایا ہمارے اور ان کے لئے جنت کو واجب کر اور ہمیں اور انھیں اپنی رحمت کے ٹھکانے میں جمع فرمادے، اوسب پر رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

---

67 کس قدر لغو ربیان ہے امیر المومنین یزیدؒ کی ولایت عہد کا مسئلہ جمہور صحابہ کرام اور امہات المومنین کے اجماع سے طے ہوا تھا اور ساری امت جانتی تھی کہ ہونے والے خلیفہ وہی ہیں۔ تو جن لوگوں نے یہ دونوں اجتماعی بیعتیں کیں تھیں وہ اس پر کیسے تیار ہو سکتے تھے کہ جماعت سے خروج کا ارتکاب کریں۔ یہ صرف چند سبائی تھے جنھوں نے یہ سب فساد پھیلایا۔ نہ بڑے لوگ مال کے محتاج تھے اور نہ چھوٹے لوگ۔ عراق پوری طرح امیر المومنین کی بیعت پر مجتمع تھا۔ اور یہ کیفیت حضرت حسین نے نواح کوفہ پہنچ کر خود معلوم کر لی۔ اس لئے آپ نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا اور امیر المومنین سے بیعت کی تکمیل کے لئے کوفہ کے راستے سے پلٹ کر دمشق کی راہ اختیار کی۔

اور مقام قادسیہ سے آگے بڑھ کر براہ مغیثہ دمشق کے راستے کی منزلیں العذیب و دو چشم و قصر مقابل طے کر کے کربلا کے پڑاو پر پہنچے تھے۔ نقشہ منسلکہ ملاحظہ ہو۔

ابو مخنف کہتا ہے پھر آپ چلے اور حر آپ کے ساتھ لگے رہے تا آنکہ بنو مقاتل کے محل پہنچ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک رہزن کا خیمہ استادہ ہے، جس کا نام عبد اللہ جعفی تھا۔ آپ نے اسے بلوایا اور جب وہ حاضر ہوا تو فرمایا کہوں میاں ایسی توبہ کے لئے تیار ہو جو تمھیں تمام گناہوں سے پاک کر دے۔ اس نے کہا اسے فرزند رسول اللہ وہ توبہ کیسی ہونی چاہیے ؟ آپ نے فرمایا اہلبیت کی مدد کرو۔ اس نے کہا میں کوفہ سے اسی خوف کے سبب چلا تھا کہ کہیں ابن زیاد آپ کے خلاف لڑنہ پڑے۔ لیکن اب (میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ) آپ میرا یہ گھوڑا لے لیں۔ یہ ایسا ہے کہ جب میں نے اس پر کسی کا پیچھا کیا اسے پالیا اور جب کبھی فرار ہوا تو نجات پائی میری یہ تلوار بڑی کاٹ والی ہے اور زرہ بھی مگر (اور باتوں سے) مجھے معاف رکھیں۔ آپ نے فرمایا جب تم نے اپنی جان کے بارے میں بخل کیا تو ہمیں تمھارے مال کی ضرورت نہیں اور پھر یہ آیت پڑھی۔ وما کنت متخذ المضلین عضدا (میں گمراہ کن لوگوں کو اپنا دست و بازو بنانے پر تیار نہیں) میں نے اپنے نانا رسول اللہ سے سنا ہے[68]۔ جس کسی نے ہم اہل بیت پر کسی سخت مصیبت کی خبر سنی (اور مدد نہ کی) تو اللہ قیامت کے دن اسے ناک کے بل جہنم میں دھکیل دے گا۔ پھر حسین وہاں سے چل دیئے۔ عبد اللہ الجعفی کو حسین کی مدد نہ کرنے پر بڑی ندامت ہوئی وہ کف افسوس ملتا اور کہتا ہائے میں نے اپنے ساتھ یہ کیا کیا پھر وہ یہ شعر پڑھتا۔

(1) اے میرے نفس یہ حسرت مجھے ساری عمر ستائے گی اور میرے سینے اور میری ہنسلی کے درمیان پیچ و تاب پیدا کرتی رہے گی۔

(2) کہ حسین نے مجھ جیسے شخص سے مدد مانگی اور وہ بھی ان کے خلاف جو عداوت اور مخالفت میں پیش پیش تھے۔

(3) مصطفیٰ (ﷺ) پر میری روح قربان[69]۔ افسوس ہے اس دن پر جس دن ہم جدا ہو گئے۔

(4) کاش میں ان کی مدد میں اپنی جان فدا کر دیتا تو قیامت کے دن مجھے کامیابی نصیب ہوتی۔

(5) وہ لوگ فائز المرام ہوئے جنھوں نے حسین کی مدد کی اور وہ دوسرے جو اہل نفاق تباہ ہوئے۔

راوی کہتا ہے کہ حسین چلتے رہے تا آنکہ آپ کو جھپکی آگئی۔ اور پھر چونک پڑے۔ آپ نے کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کے بڑے فرزند علی اکبر آئے اور پوچھا ابا جان آپ نے یہ انا للہ کیوں پڑھا۔ اللہ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آپ نے فرمایا بیٹا ابھی میری آنکھ جھپک گئی

---

[68] حضرت حسین رسول اللہ کی حیات طیبہ میں اتنے کم عمر بچے تھے کہ اپنے مقدس نانا کا چہرہ بھی یاد نہ تھا چہ جائیکہ ان کا کوئی ارشاد۔

[69] یہ بیان بڑا دلچسپ ہے کہ ایک ڈاکو (عبد اللہ جعفی) اطمینان کے ساتھ ٹھاٹھ سے رہ رہا ہے وہ حضرت حسین کی خدمت میں بلوایا آتا ہے جہاں حُر بن یزید سرکاری فوج کے ساتھ موجود ہیں اور ان پر ایک شخص کی اتنی ہیبت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔ پہلی صدی ہجری کے مسلم معاشرے کا کیا خوب نقشہ ہے۔ ایک طرف حکومت کا یہ اہتمام دکھایا جاتا ہے کہ جو بھی خروج کرے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف ایک ڈاکو پوری آزادی سے علاقے کو خوف زدہ کئے ہوئے ہے اور اکیلا مل جانے کے باوجود کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ اور کیا کہنے ہیں اس ڈاکو کہ جو مصطفیٰ پر جان قربان کرنے کو تو تیار ہے مگر مشغلہ وہ رکھتا ہے جسے اللہ، خدا اور رسول سے جنگ بتاتا ہے۔ یعنی رہزنی۔

تھی تو میں نے ایک سوار دیکھا جو کہہ رہا تھا لوگ چلے تو جا رہے ہیں مگر ان کی موت بھی ان کے ساتھ چل رہی ہے۔ علی الا کبر نے عرض کیا۔ ابا جان کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بخدا ہم حق پر ہیں۔ تو علی الا کبر نے عرض کیا۔ پھر بخدا ہمیں کچھ پروا نہیں۔

کربلا میں نزول

راوی کہتا ہے کہ جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھائی اور روانگی میں جلدی کرنے کا حکم دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص کوفہ کی طرف سے آرہا ہے سب لوگ اس کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ جب وہ قریب آیا تو اس نے حُر کو سلام کیا مگر حسین کو نہیں اور اس سے کہا ابن زیاد کا خط ہے۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

امابعد! جب تم میرا یہ خط پڑھ رہے ہو تو اسی جگہ سے جہاں تمھیں میرا یہ خط ملے حسین کو گھیر کر لے آؤ۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دے دیا ہے کہ تم سے اس وقت تک جدا نہ ہو جب تک میرے حکم کی تعمیل شروع نہ کر دو۔ والسلام۔

حُر نے یہ خط پڑھ کر حسین کو دکھایا اور سب کے سب چل پڑے تا آنکہ کربلاء پہنچ گئے[70]۔ اور یہ بدھ کا دن تھا۔ وہاں حسین کا گھوڑا رک گیا۔ آپ نے دوسرا گھوڑا بدلا۔ مگر وہ بھی ایک قدم نہ چلا۔ پھر آپ نے یکے بعد دیگرے سات گھوڑے بدلے مگر سب کا یہی حال رہا جب آپ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا۔ لوگو اس زمین کا کیا نام ہے۔ انھوں نے کہا خطہ غاضریہ۔ آپ نے پوچھا اس کے علاوہ بھی کوئی نام ہے؟ انھوں نے کہا اسے نینوا بھی کہا جاتا ہے، انھوں نے پوچھا کوئی اور نام بھی ہے؟ انھوں نے کہا شاطئی الفرات آپ نے پوچھا کوئی اور نام بھی ہے؟ انھوں نے کہا اسے کربلاء کہا جاتا ہے۔ اس پر آپ نے ایک دلدوز آہ کی اور فرمایا ارض کرب وبلاء[71]۔ (بے چینی اور بلاؤں کی زمین)۔ پھر فرمایا یہیں اتر جاؤ۔ اسی جگہ ہماری سواریاں بندھیں گی یہیں ہمارا خون بہے گا۔ اور خدا کی قسم ہمارے حرم کی بے حرمتی بھی یہیں ہو گی۔ بخدا ہمارے مرد یہاں قتل کئے جائیں گے۔ بخدا یہیں ہماری قبروں کی زیارت کی جائے گی۔ اسی خاک میرے نانا رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا[72]۔ اور ان کا کہا غلط نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ گھوڑے سے اترے اور یہ شعر پڑھے۔

(1) اے دہر تف ہے تجھ پر تو کیسا دوست ہے۔ کتنی ہی تیری صبحیں گزرتی ہیں اور کتنی تیری شامیں۔

(2) اپنے حق کا طلبگار تو قتل ہوا۔ مگر زمانہ ہے کہ تغیرات پر قناعت نہیں کرتا۔

(3) ہر وہ زندہ شخص جو میرے طریقے پر چلنے والا ہو۔ اس کے کوچ کا زمانہ کتنے قریب آجاتا ہے۔

(4) معاملہ سب خدائے بزرگ وبرتر کے ہاتھ ہے۔ پاک ہے میرا پروردگار جس کا کوئی ہم سر نہیں۔

---

[70] مکہ سے کوفہ جانے والا شخص کربلاء سے ہو کر کوفہ نہیں جاتا۔ بلکہ کوفہ جانے کا راستہ چھوڑ کر جب دمشق کی راہ پکڑلے تب کربلا پہنچتا ہے۔ مگر اس داستان کو جغرافیہ سے کیا غرض۔ اسے تو حضرت حسین کا اپنے موقف سے رجوع کرکے امیر المومنین سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف روانہ ہونے کا ذکر منظور ہی نہیں۔ اسی لئے تو حُر ایک کے ہزار فوج کے ساتھ آنے اور گھیر گھار کر حسینی قافلے کو کربلاء پہنچانے کا وضعی قصہ گھڑ ڈالا۔

[71] کربلاء کو ارض کرب وبلاء کہنا بعد کی ایجاد ہے۔ اصل نام کربغۃ تھا یعنی ایسی صاف وشفاف زمین جو غلہ پچھوڑنے کے کام آتی تھی اس کے نواح میں پانی کے متعدد چشمے تھے۔ دریائے فرات تو کوسوں دور تھا۔

[72] ابو مخنف نے یہ من گھڑت باتیں حضرت حسین سے منسوب کی ہیں وہ تو رسول اللہ کی حیات طیبہ میں اتنے چھوٹے بچے تھے کہ اپنے مقدس نانا کا چہرہ بھی یاد نہ تھا۔

علی بن الحسین فرماتے ہیں کہ آپ بار بار یہ شعر پڑھتے تھے تا آنکہ مجھے حفظ ہو گئے۔ شدت گریہ سے میرا دم گھٹنے لگا۔ اور مجھ پر سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن میری پھوپھی زینب نے جب یہ سنا تو وہ رو پڑیں اور بہت حزن و ملال ظاہر کیا۔ پھر اپنا دامن گھسیٹتی ہوئیں حسین کی طرف چلیں اور کہا کاش میں جیتے جی مر جاتی اے میرے بھائی، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اے گزرے ہوئے لوگوں کی نشانی اور اے باقی رہنے والوں کے فریادرس۔ حسین نے انھیں دیکھا تو فرمایا۔ بہن شیطان تمھارا حلم نہ چھین لے کیونکہ جو بھی زمین پر ہے اسے ایک دن مرنا ہے اور جو ہستیاں آسمان میں ہیں انھیں بھی بقا نہیں۔ ہر چیز فانی ہے سوائے ایک باری تعالیٰ کے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔ کہاں ہیں میرے باپ اور میرے نانا جو دونوں مجھ سے بہتر تھے۔ اور میرے لئے بہترین نمونہ بھی وہی ہیں۔ پھر آپ نے بطور تعزیت فرمایا بہن میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ جب قتل ہو جاؤں تو میرے غم میں اپنا گریبان چاک مت کرنا اور اپنا منہ مت پیٹنا[73]۔ پھر انھیں زنانے حصے میں بھیج دیا اور باہر نکل کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ سب زنانے حصے ہی کے آس پاس ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ ابن زیاد نے اعلان کیا کون ہے جو حسین کا سر میرے پاس لائے اور اس کے صلے میں دس برس کے لئے زئی (رے) کی حکومت لے لے[74]۔ اس پر ابن سعد کھڑا ہوا اور کہا اے امیر میں۔ اس نے کہا جاؤ انھیں گھیر کر قابو کرو اور ان پر پانی کے راستے بند کر دو، اس نے کہا اے امیر مجھے ایک مہینہ کی مہلت دیجئے۔ بولا ایسا میں نہیں کروں گا۔ اس نے کہا تو دس دن؟ کہا ایسا بھی نہیں کروں گا۔ تو وہ اسی وقت اٹھا اور اپنے گھر گیا۔ وہاں اس کے پاس مہاجرین و انصار کی اولاد آئی اور کہا اے ابن سعد آپ حسین سے لڑنے جا رہے ہیں حالانکہ آپ کے والد چھٹے مسلمان ہیں اور بیعت رضوان کے شرکاء ہیں۔[75] اس نے کہا میں اپنی رائے نہیں بدلوں گا۔ پھر رئی کی حکومت اور حسین کے قتل کی بابت غور کرنے لگا کہ کسے کس پر ترجیح دے۔ بالا آخر حسین علیہ السلام سے جنگ کو ترجیح دی اور یہ شعر پڑھے۔

(1) بخدا میں جانتا نہیں اور حیرت میں پڑا ہوں۔ اپنے معاملے میں فکر کرتا ہوں تو دو خطرے سامنے آتے ہیں۔

(2) کیا میں رئی کی حکومت چھوڑ دوں حالانکہ وہ میری انتہائی آرزو ہے۔ یا پھر حسین کے قتل کا گناہ سمیٹوں۔

(3) حسین میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ یوں آفتیں ایک ساتھ آن پڑیں۔ ویسے اپنی جان کی قسم میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو رئی کی حکومت ہی ہے۔

(4) مالک عرش میری لغزش معاف کر دے گا۔ اگرچہ میں دونوں جہانوں میں سب سے زیادہ ظالم قرار دیا جاؤں گا۔

(5) یاد رکھو دنیا کا نفع تو نقد کا سودا ہے اور وہ شخص عقلمند نہیں جو نقد کے بدلے ادھار قبول کرے۔

---

[73] مگر اس جاہلیت کے علمبردار افسانہ نگار نے ان عذرات بیت نبوت اور ہاشمی خواتین کو اس نصیحت پر عمل کرتا نہیں دکھایا اور ان کی طرف سے ایسی ایسی جاہلیت کی حرکتیں منسوب کیں ہیں کہ پناہ بخدا۔ اور انھیں کیا حضرت حسین کے بھی منہ سے وہ کلمات نکلوائیں ہیں جو ایک با وقار عامی کی زبان پر بھی نہیں آتے، جس کی مثال آگے آتی ہے۔

[74] یہ کیسی لغو بات لکھی ہے۔ کیا کسی صوبت کے حاکم کو یہ اختیار ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو کسی دوسرے صوبے کی حکومت پر فائز کر سکے۔ چونکہ حضرت عمر بن سعدؓ حضرت حسین کے قریبی عزیز تھے یہ ظاہر کرنے کے لئے وہ اپنے عزیز کے مقابلے پر گئے تھے، حکومت رے کے لالچ کا جھوٹا قصہ وضع کر ڈالا۔

[75] حضرت سعد بن ابن وقاصؓ رشتے میں رسول اللہ کے ماموں تھے۔ ابن سعد اس طرح حضرت حسین کے قریبی رشتے دار تھے۔ ان کو تو اسی قرابت خاص کی وجہ سے حضرت حسین کو سبائیوں سے بچانے اور صحیح مشورہ دینے پر متعین کیا گیا تھا نا کہ اپنے عزیز قریب سے لڑنے کو۔

(6)لوگ کہتے ہیں کہ جنت دوزخ کا خالق اللہ ہے اور عذاب دینا اور ہاتھ پاؤں باندھ دینا بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

(7)اگر یہ سچ کہتے ہیں تو پھر میں رحمن کی جناب میں دو برس کے گناہوں سے توبہ کر لوں گا۔

(8)اور اگر یہ جھوٹ بولتے ہیں تو پھر دنیا میں ہمیں بڑی کامیابی ہو ہی جائے گی۔ اگرچہ حکومت بے ثمر ہو اور (آخرت میں) دائمی قید نصیب ہو۔

راوی کہتا ہے کہ ہاتف نے اسے یوں جواب دیا۔

(1) او حرامی جس کی سب کوششیں رائگاں گئیں اور دنیا سے بے عیار گیا۔

(2)توعنقریب جہنم میں جائے گا، جس کے شعلے بجھیں گے نہیں اور لوگوں کے مقابلے میں بدنامی کا سبب بنیں گے۔

(3)اگر تو نے حسین بن فاطمہ سے جنگ کی حالانکہ تو جانتا ہے کہ دونوں جہانوں میں وہ سب سے زیادہ محترم ہیں۔

(4)تو، اے ساری دنیا سے زیادہ خسارہ کمانے والے یہ گمان مت رکھنا کہ رئی کی حکومت پر فائز ہی ہو جائے گا۔

ابن سعد کا مع لشکر کربلاء پہنچنا

ابو مخنف کہتا ہے کہ پہلا جھنڈا جو حسین سے جنگ کے لئے لہرایا گیا وہ عمر بن سعد کا جھنڈا تھا اور اس کے نیچے چھ ہزار سوار تھے۔ پھر اس نے شبعث بن ربعی کو بلا کر جھنڈا دیا اور چار ہزار سوار اس کے تحت کر دیئے۔ پھر عروہ بن قین کو طلب کر کے جھنڈا دیا اور اس کے ساتھ بھی چار ہزار سوار کر دیئے۔ پھر اس نے سنان بن انس کو بلا کر جھنڈا دیا اور اس کے ساتھ بھی چار ہزار سوار کر دیئے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سب اسی ہزار کوفی تھے[76]۔ ان میں ایک بھی شامی یا حجازی نہیں تھا۔ یہ سب لوگ حسین کے لشکر کے قریب صف بستہ ہو گئے۔

پھر ابن سعد نے کثیر بن شہاب کو بلایا اور کہا حسین کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ یہاں کیوں آئے ہیں اور کس بناء پر انھوں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ وہ آیا، حسین کے سامنے کھڑا ہوا اور زور سے پکارا، اے حسین! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو اور یہ اقدام تم نے کیوں کئے ہیں؟ حسین نے (اپنے ساتھیوں سے) پوچھا، تم اس شخص کو جانتے ہو؟ ابو ثمامہ صیدادی نے کہا، یہ روئے زمین کا بدترین شخص ہے۔ آپ نے فرمایا پوچھو یہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا میں حسین کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ زہیر بن قین نے کہا اپنے ہتھیار ڈال دو اور چلے آؤ۔ اس نے کہا ایسا نہیں کروں گا تو زہیر نے کہا جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ۔ وہ ابن سعد کے پاس گیا اور اسے یہ بات بتا دی۔ اب (ابن سعد) نے قبیلہ خزیمہ کے ایک شخص کو بلایا اور کہا حسین کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو یہاں کیوں آئے ہو اور ان کے اس اقدام کا سبب کیا ہے۔ وہ آیا اور حسین کے مقابل کھڑے ہو کر آواز دی۔ حسین نے پوچھا تم لوگ اسے جانتے ہو؟ انھوں نے کہا ویسے تو یہ بھلا آدمی ہے مگر اس وقت یہاں شریک ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ انھوں نے کہا حسین کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ زہیر نے کہا تو پھر ہتھیار ڈال دو اور آجاؤ۔ انھوں نے کہا بسر و چشم اور ہتھیار ڈال کر پاس آ گئے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں چومے اور عرض کیا میرے آقا آپ یہاں کیوں تشریف لائے اور کیا مقصد آپ کو ہمارے پاس لایا ہے؟ آپ نے فرمایا تمھارے مراسلے۔ انھوں نے کہا جن لوگوں نے آپ کو خط بھیجے تھے وہ سب اس وقت ابن زیاد کے خاص آدمی بنے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے صاحب کے پاس جاؤ اور انھیں یہ بات بتا دو۔ انھوں نے کہا میرے آقا کون ہے جو جنت کے بدلے جہنم خریدے، میں آپ کے پاس سے جدا نہیں ہوں گا تا آنکہ آپ کے حضور جان دے دوں۔ حسین نے فرمایا خدا تعالیٰ تمھارا ساتھ اسی طرح دے جس طرح تم نے دل و جان سے ہمارا ساتھ دیا، پھر وہ حسین ہی کے پاس رہے تا آنکہ شہید ہو گئے۔

---

[76] ابو مخنف نے تو صرف اسی ہزار فوج کی تعداد بتائی ہے۔ دوسرے شیعی راویوں نے تو لاکھوں شکریوں کی تعداد بیان کی ہے۔ اور لاکھوں کی یہ فوج صرف 72 اشخاص سے لڑنے کو چند دن میں مہیا کر لی گئی۔

ابو مخنف کہتاہے کہ پھر ابن سعد نے فرات کو عبور کر لیا۔ وہ ہر رات نکلتا اور فرش بچھا کر حسین کو بلالیتا۔ آدھی رات تک دونوں باتیں کرتے رہتے[77]۔ ان لوگوں میں حسین کے لئے سب سے زیادہ سخت دل خولی بن یزید تھا۔ اس نے جب یہ معاملہ دیکھا تو ابن زیاد کو خط لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

امابعد! اے امیر ہر شب عمر بن سعد نکلتے ہیں اور حسین کو بلا کر دونوں آدھی آدھی رات تک باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دل میں حسین کی محبت اور الفت پیدا ہو گئی ہے۔ انھیں حکم دیجئے کہ آپ کے فرمان پر وہ معزول ہوں اور یہ کام آپ میرے سپرد کر دیجئے۔ میں آپ کا یہ کام سرانجام دینے کے لئے کافی ہوں۔

جب ابن زیاد نے خولی کا خط پڑھا تو ابن سعد کو لکھا۔

امابعد! اے ابن سعد مجھے اطلاع ملی کہ آپ ہر شب باہر نکلتے ہیں اور فرش لگوا کر اور حسین کو طلب کر کے ان سے باتیں کیا کرتے ہیں تا آنکہ آدھی آدھی رات گزر جاتی ہے۔ میرا یہ مکتوب جب آپ پڑھ لیں تو انھیں حکم دیں کہ وہ میرے احکام کے پابند ہوں۔ اگر انھوں نے یہ بات مان لی (تب تو خیر) ورنہ ان پر پانی پینے کے راستے بند کر دیجیے۔ میں نے یہود و نصاریٰ پر تو یہ پانی حلال رکھا ہے مگر ان پر اور ان کے گھر والوں پر یہ ممنوع ہے"

ابن سعد[78] نے جب یہ خط پڑھا تو حجر بن حر کو بلا کر یہ جھنڈا دیا جس کے تحت چار ہزار سوار تھے اور اسے حکم دیا کہ الغاضریہ کے گھاٹ پر پہرہ لگا دے۔ پھر اس نے شبث بن ربعی کو بلایا اور جھنڈا دے کر ایک ہزار سوار اس کے ماتحت کر دیئے اور حکم دیا کہ وہ بھی سب الغاضریہ کے گھاٹ پر جمع ہو جائیں اور حسین کو وہاں سے پانی نہ لینے دیں۔ امام نے وہ رات گزار دی اور جب صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کے خلاف صف بستہ ہیں۔ آپ نے اپنی اونٹنی منگوائی اور اس پر سوار ہو کر ان لوگوں کے سامنے گئے۔ بلند آواز سے انھیں خاموش ہونے کو کہا، وہ لوگ جب چپ ہو گئے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور نبی پر درود پڑھ کر فرمایا۔

لوگو! ذرا بتاؤ میں کس گھرانے کا فرد ہوں پھر اپنے دل میں غور کرو مجھے قتل کرنا تمھارے لئے کیونکر جائز ہے جبکہ میں تمھارے نبی کا نواسہ ہوں اور ان کے اس چہیتے کا بیٹا ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا۔ اور خدا اور رسول کی تصدیق کی، اور ہر اس بات کی جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ کیا سید الشہداء سید حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں، کیا جنت میں پرواز کرنے والے جعفر میرے چچا نہیں، کیا تم کو میرے نانا کا ارشاد میرے اور میرے بھائی حسن کے بارے میں نہیں پہنچا کہ یہ دونوں نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔ اور آپ نے فرمایا میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میرے اخلاف و اہل بیت، اگر تم نے میری اس بات کی تصدیق کی تو یہ تصدیق

---

[77] کوئی مناسبت ہے اب تک کے بیان اور اس بیان میں۔ یا تو حضرت ابن سعد کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ حضرت حسین کی آمد کی غرض کیا ہے اور یا اب بلا کر باتیں ہو رہی ہیں اور باتیں بھی یارانے کی۔ پھر دریائے فرات عبور کرنے کی جو لغو بیانی، جو کربلا سے اس وقت کئی کوس دور تھا۔

[78] ملاحظہ ہو تعلیقہ امیر عمر بن سعد

ایک سچی بات کی ہو گی۔ ورنہ پوچھ لو جابر بن عبد اللہ انصاری سے، ابو سعید خدری سے، سہیل بن ساعد سعدی سے، زید بن ارقم سے اور انس بن مالک سے (کیونکہ انھوں نے یہ بات میرے نانا رسول اللہ سے سنی ہے۔[79]

اس پر شمر نے ان سے کہا کہ اگر آپ کی بات میرے دل میں اترنے والی ہوتی تو میں ایک حرف پر اللہ کی بندگی کرنے والا بن جاتا۔ یہ ن کر حبیب نے کہا میں تو تجھے ستر حرفوں پر اللہ کی بندگی کرتے پاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک جانور ہے۔ جسے اپنے کہے کی کچھ خبر نہیں۔ اللہ نے تیرے دل پر مہر کر دی ہے۔

پھر حسین نے ندا دی افسوس اے شبث ربعی اور اے کثیر بن شہاب اور اے فلاں والے فلاں کیا تم لوگوں نے مجھے نہیں لکھا کہ آپ ہمارے پاس آ جایئے۔ ہمارا نفع آپ کا نفع اور آپ کا نقصان ہمارا نقصان۔ انھوں نے کہا ہم نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی۔ اس پر حسین نے فرمایا بخدا میں ذلیل آدمی کی طرح اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ دونگا اور نہ غلاموں کی طرح یہاں سے فرار ہوں گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ "انجی عذت بربی وربکم من کل متکبر لایومن بیوم الحساب" (میں اپنے اور تمھارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبر سے جو آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا) پھر لوگ (یعنی دشمن) آپ کی طرف ہجوم کر کے بڑھنے لگے تو زہیر بن قین نکلے اور انھوں نے کہا لوگو! مسلمان پر مسلمان کا حق ہے کہ وہ اسے نصیحت کرے۔ ہم تم ایک ہی دین پر ہیں اور اللہ ہمیں اپنے نبی کی ذریت کے بارے میں آزما رہا ہے کہ ہم جو کچھ کریں اسے دیکھے۔ میں تمھیں ان کی (یعنی حسین کی) مدد کرنے اور سرکشوں کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہوں ان لوگوں نے زہیر کی بات سنی

---

[79] ایک طرف دشمن جمع ہیں قتل کر دینے کے لئے اور دوسری طرف وہ آپ کے ایسے مطیع بھی ہیں کہ خطبہ سننے کے لئے چپ ہو گئے۔ اس خطبہ کا مضمون بھی حضرت حسین کا نہیں ہو سکتا۔ یہ خالص سبائی ذہن کی پیداوار ہے۔ نہ یہ حدیث صحیح ہے کہ حسن و حسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں اور نہ حضرت حسین نے رسول اللہ سے کوئی روایت بلاواسطہ سنی اور نہ یہ صحابہ جن کا نام لیا گیا ہے وہاں موجود تھے۔ اور نہ انھوں نے حضور سے کوئی ایسی روایت کی ہے۔ جامع ترمذی میں یہ روایت ہے۔یزید بن زیاد کوفی راوی کی جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے "کان یزید بن زیاد من ائمہ الشیعہ الکبار" (یزید بن زیاد شیعہ کے بڑے اماموں میں سے ایک امام ہے یہ روایت کرتا ہے۔ ابو فضل بن الدکین سے۔ یہ صاحب بھی کٹر شیعہ ہیں۔ اس قسم کی سب روایتیں روافض کی وضع کردہ ہیں۔ نص صریح سے بھی اس تصور کی تردید ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے (سورۃ الحدید- 10) لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وکلاوہ عداللہ الحسنی واللہ بما تعملون خبیر۔ (تم میں سے وہ لوگ جنھوں نے فتح (مکہ) سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کے برابر دوسرے نہیں ہو سکتے۔ یہی ہیں جن کا درجہ ان سے بہت بڑا ہے جنھوں نے بعد میں خرچ کیا۔ اور جنگ کی۔ ویسے اللہ کا وعدہ سب کے ساتھ بھلائی کا ہے اور اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو)۔

ان بزرگواروں پر خود ان صحابہ کو بھی فضیلت نہیں دی جا سکتی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور اللہ کے لئے جان مال قربان کیا۔ حضرت حسین نہ پہلوں میں ہیں نہ پچھلوں میں۔ ان کی صحابیت اعزازی ہے۔ اور عملاً وہ تابعی ہیں۔ تو آپ خود اپنے منہ سے اپنی ایسی فضیلت کیسے بیان کر سکتے تھے جو صراحتاً قران حکیم کے خلاف ہے۔ ان کی یہ تقریر محض وضعی ہے۔

تو کہا ہم ہٹنے والے نہیں ہیں جب تک تمھارے صاحب اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں۔ یا پھر وہ (امیر المومنین) یزید سے بیعت کر لیں۔ زہیر نے ان سے کہا اللہ کے بندو یہ دنیا فنا و زوال کا گھر ہے۔ اور وہاں یہاں بسنے والوں میں الٹ پھیر کرتی رہتی ہے۔ وہ بڑے دھوکے میں ہے جو اس پر مغرور ہوا اور اس کی طرف جھکا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) کے مقابلے میں مدد کے زیادہ مستحق حسین ہیں اب اگر تم ان کی مدد نہیں کرتے تو ان سے لڑو بھی مت۔ ان کے اور یزید کے درمیان سے ہٹ جاؤ شاید وہ قتل کرائے بغیر ہی راضی ہو جائے۔

راوی کہتا ہے کہ اس پر شمر نے ان کی جانب تیر پھینکا اور کہا بولنا بند کرو تمھاری بکواس نے ہمارا دماغ چاٹ لیا ہے۔ زہیر نے کہا او پیچھے کی طرف پیشاب کرنے والے کے بیٹے تو نرا جانور ہے۔ تجھے سخت عذاب کی بشارت ہو، شمر نے کہا میں تجھے اور تیرے صاحب کو قتل کرنے والا ہوں، زہیر نے کہا تیرا ناس جائے تو مجھے حسین کے ساتھ قتل ہو جانے سے ڈراتا ہے۔ ہمیں تو تمھارے ساتھ زندہ رہنے کے بجائے ان کے ساتھ مر جانا زیادہ محبوب ہے۔ پھر وہ (یعنی زہیر) اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے گروہ مہاجرین وانصار[80]۔ اس ملعون کتے کی اور اس جیسے دوسروں کی بات سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ اسے محمد کی شفاعت ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ آپ کی ذریت اور ان کے مددگاروں کو قتل کریں گے ان کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے۔

راوی کہتا ہے کہ حسین کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب زہیر کے پاس آئے اور کہا حسین فرماتے ہیں۔ اب تم جاؤ۔ میری جان کی قسم تم نے نصیحت کا حق ادا کر دیا اور بات پوری کر دی۔ چنانچہ زہیر حسین کے پاس آ گئے۔

---

[80] کربلا میں مہاجرین وانصار کہاں سے آ گئے؟

ابو مخنف کہتا ہے کہ حسین اور آپ کے ساتھیوں کو پیاس نے ستایا تو حسین نے اپنے بھائی عباس سے فرمایا، بھائی اپنے سب گھر والوں کو جمع کرو اور کنواں کھود لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا مگر اس میں انھیں پانی نہ ملا[81]۔ تب حسین نے عباس سے فرمایا۔

بھائی فرات پر جاؤ اور ہمارے پینے کو پانی لاؤ۔ عباس نے کہا بسر و چشم۔ آپ نے عباس کے ساتھ کچھ لوگوں کو بھی کر دیا۔ جو ان کے دائیں بائیں ہوئے تا آنکہ فرات پر پہنچے۔ اور ابن زیاد کے آدمیوں نے دیکھ لیا۔ انھوں نے کہا تم لوگ کون ہو؟ انھوں نے کہا ہم حسین کے ساتھی ہیں۔ کہنے لگے کیا چاہتے ہو۔ انھوں نے کہا ہمیں پیاس نے بے حال کر رکھا ہے اور ہم پر سب سے زیادہ سخت حسین کی پیاس ہے۔ ان لوگوں نے جب یہ بات سنی تو سب نے مل کر ایک ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ عباس اور ان کے ساتھی بھی ان سے لڑے اور ان کے متعدد آدمیوں کو قتل کر دیا۔ عباس یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

(1) میں ایک ہدایت یافتہ دل کے ساتھ اس قوم سے جنگ کر رہا ہوں اور میری مدافعت احمد النبی کے نواسے کی طرف سے ہے۔

(2) میں تیز دھار (ہندی) تلوار سے تمھیں مارتا رہوں گا تا آنکہ میرے سردار سے لڑنے سے باز آ جاؤ۔

(3) میں ہوں عباس محبت کے جذبے سے سرشار، علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں جنھیں تائید الٰہی حاصل تھی۔

راوہ کہتا ہے پھر آپ نے ان پر حملہ کر کے دائیں بائیں تتر بتر کر دیا اور ان کے متعدد آدمی قتل کر ڈالے۔ ان کی زبان پر رجز تھا۔

(1) جب موت چڑھتی چلی آئے تو میں اس سے ڈرتا نہیں تا آنکہ میں مقابلے پر مر کر دفن کر دیا جاؤں۔

(2) میری جان اس پاک شخص کی جان و مال کے لے ڈھال ہے۔ اور تصادم کے وقت میں صبر کرنے والا اور شکر گزار (بندہ) ہوں۔

(3) بلکہ میں سر پر وار کر کے اسے دو نیم کر دیتا ہوں کیونکہ میں ہی عباس ہوں جس سے مقابلہ نہایت سخت ہے۔

راوی کہتا ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو گھاٹ سے ہٹا دیا اور مشک لئے ہوئے اترے اور اسے بھر لیا۔ آپ نے پینے کے لئے چلو بھرا مگر حسین کی پیاس یاد آ گئی تو کہا بخدا اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک میرے سردار حسین پیاسے ہیں۔ یہ کہہ کر پانی پھینک دیا اور مشک پیٹھ پر لاد کر یہ شعر پڑھتے چلے۔

[81] خوب ہے فرات جیسا بڑا دریا جس میں اس زمانے میں جہاز چلتے تھے اس کے نواح میں کنواں کھودا جائے اور اس میں پانی نہ نکلے۔ اور یہ بھی خوب ہے کہ عباس وہاں پہنچیں اور ابن سعد انھیں نہ پہچانے۔ پھر کتاب معجم البلدان یاقوت حموی میں صراحتاً بیان ہے کہ کربلا میں چشمے تھے۔ اور بقول شیعی مولف ناسخ التواریخ حضرت حسین نے بذات خود کدال سے زمین کھودی تو آب زلال و گوار زور سے ابل پڑا، آپ نے اور ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھر لیں۔ (225 از کتاب ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران 1309 ہجری۔)

(1) اے میری جان تو حسین کے بعد ذلیل ہو گی۔ اور ان کے پیچھے تیرے لئے زیبا نہیں کہ تو رہے۔

(2) یہ ہیں حسین جو موت کا مزا چکھنے والے ہیں اور تو بہتے ہوئے چشمے کا ٹھنڈا پانی پینا چاہتی ہے۔

(3) تف ہے یہ کام میرے دین کا نہیں اور نہ اس شخص کا جو اپنے یقین میں سچا ہو۔

راوی کہتا ہے آپ جب گھاٹ کے کنارے پر چڑھے تو چاروں طرف سے آپ پر تیر برسنے لگے یہاں تک کہ آپ کی زرہ خارپشت کی طرح ہو گئی۔[82] پھر آپ پر ابرص بن شیبان نے حملہ کیا اور داہنا ہاتھ کاٹ دیا۔ جو مع تلوار کے اڑ گیا۔ آپ نے تلوار بائیں ہاتھ سے پکڑ لی اور ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ آپ کہتے جاتے تھے۔

(1) بخدا اگر چہ تم نے میرا داہنا ہاتھ کاٹ دیا تب بھی میں اپنے دین کی حمایت میں لڑتا رہوں گا۔

(2) اپنے اس امام کی (حمایت میں) جو اپنے یقین میں سچا ہے اور اس نبی کا نواسہ ہے جو پاک ہیں امانت دار ہیں۔

(3) وہ سچے نبی جو ہمارے پاس دین لائے اور اس امین کی تصدیق کی جو یکتا ہے (یعنی جبرائیل علیہ السلام)۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے دشمن قوم پر حملے کر کے متعدد آدمی مار دیئے اور کئی سرداروں کو زیر کر لیا۔ مشک آپ کی پشت پر لدی ہوئی تھی۔ ابن سعد نے یہ دیکھا تو کہا بدبختو اس مشک کو تیروں سے چھید دو۔ بخدا اگر حسین نے پانی پی لیا تو تم میں سے ایک ایک کو فنا کر دیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ انھوں نے عباس پر بہت سخت ہولناک حملہ کیا لیکن انھوں نے (یعنی عباس نے) ایک سو اسی مار دیئے۔ اتنے میں عبد اللہ بن یزید شیبائی نے ان کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو انھوں نے تلوار منہ میں پکڑ کر ان پر حملہ کر دیا۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ۔

(1) اے میری جان تو ان کافروں سے مت ڈر اور خدائے جبار کی رحمت بشارت لے لے۔

(2) یعنی نبی (ﷺ) کی معیت کی جو سب پاکبازوں کے سردار ہیں اور سب سادات اطہار کی (معیت کی)

(3) ان لوگوں نے اپنی سرکشی سے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو خدایا انھیں جہنم کی آگ میں بھون

راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے ان لوگوں پر حملہ کیا اس حال میں کہ آپ کے دونوں ہاتھ خون میں لت پت تھے (81)۔ ان لوگوں نے بھی مجتمع ہو کر آپ پر حملہ کر دیا مگر آپ بے جگری سے ان کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ اتنے میں ان میں سے کسی نے آپ کے لوہے کا گرز مارا جس سے آپ کا سر پھٹ گیا اور زمین پر گر پڑے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ آپ نے زور سے آواز دی، اے ابو عبد اللہ آپ کو میرا رخصتی کا سلام پہنچے۔ حسین نے جو آواز سنی تو زور سے چلائے، ہائے میرا بھائی، ہائے عباس، ہائے میرا جان جاں، پھر آپ نے ان لوگوں پر حملہ

---

[82] زرہ تیروں سے خارپشت کی طرح ہو گئی تھی۔ لیکن پیٹھ پر جو مشک تھی اس میں ایک بھی تیر نہ لگا حتیٰ کہ ابن سعد کو مشک چھیدنے کا حکم دینا پڑا۔ داہنا ہاتھ کٹ کر گرا تو بائیں ہاتھ نے جھپٹ کر تلوار پکڑ لی۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر گرا تو تلوار منہ میں کیسے پہنچ گئی اور یہ کس طرح ممکن ہوا کہ منہ میں تلوار پکڑ کر آپ قتال کر سکیں۔ پھر اتنے تیر برسنے پر مشک کی طرح گھوڑے پر بھی کوئی تیر نہ لگا اور آپ گرے تو اس وقت جب سر پر گرز پڑا۔ یہ ہے افسانہ نویسی کا شاہکار۔ حالانکہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا اور نہ ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ کربلا میں متعدد چشمے موجود تھے۔ اور تھوڑی سی زمین کھودنے سے آب زلال حضرت حسین نے نکال لیا دریائے فرات بھی کربلا کے مقام سے کئی کوس دور تھا۔ یہ سب فسانہ من گھڑت اور جذبات برانگیختہ کرنے کی غرض سے ہے۔

کر کے ان کو منتشر کر دیا۔ گھوڑے سے اترے اور انھیں اس کی پیٹھ پر لا دلیا۔ پھر انھیں لئے ہوئے اپنے خیمے میں آئے اور زمین پر لٹا دیا۔ آپ ان پر اس شدت سے روئے کہ آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ بھی سب رونے لگے۔ پھر حضرت صلوات اللہ علیہ نے فرمایا بھائی خدا تعالیٰ تمھیں ہماری طرف سے جزائے خیر دے تم خدا کی راہ میں جہاد کا حق ادا کر دیا ہے۔

کوفیوں سے خطاب اور ان کا جواب

اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا دوستو انھیں سوائے میرے کسی اور کی طلب نہیں۔ جب رات ہو جائے تو اس کے اندھیرے میں جدھر تمھیں موقع ملے ادھر کو چل دینا۔ ان سب نے یک زباں ہو کر کہا اے رسول خدا کے نواسے پھر کس منہ سے ہم خدا اور آپ کے نانا اور باپ کے سامنے جاسکیں گے؟ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ہمیں تو آپ پر فدا ہونا ہے۔ اس پر حسین نے سب کا شکریہ ادا کیا اور رات یونہی گزر گئی۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے اذان و اقامت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی پھر فارغ ہو کر اپنے نانا رسول اللہ کی زرہ طلب کی اور آپ کا وہ عمامہ باندھا جس کا نم سحاب تھا اور اپنے والد کی تلوار ذوالفقار لے کر لوگوں کے سامنے گئے اور فرمایا "لوگو یاد رکھو یہ دنیا جائے فنا و زوال ہے۔ اس میں بسنے والوں کا حال کبھی کچھ ہوتا ہے تو کبھی کچھ۔ لوگو شریعت کے سب احکام تمھارے جانے پہچانے ہیں۔ تم نے قران پڑھا ہے اور تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) جبار کی طرف سے پیامبر ہیں۔ اور تمھارا حال یہ ہے کہ تم ان کے فرزند کو ظلم و تعدی سے قتل کرنا چاہتے ہو۔ لوگو! تم فرات کا پانی دیکھ رہے ہو اس کی موجیں ایسی ہیں جیسے مہیب مچھلیوں کے پیٹ۔ یہودی نصرانی اور کتے اور خنزیر اس کا پانی پیتے ہیں اور پیاس سے مر رہی ہے تو رسول اللہ کی اولاد۔

لوگوں نے کہا ایسی باتوں سے باز رہو۔ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں میں سے کسی کو پانی نہیں ملے گا۔ بلکہ گھونٹ گھونٹ موت کا مزہ چکھو گے[83]۔ راوی کہتا ہے جب آپ نے ان کی یہ بات سنی تو اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ ائے اور ان سے کہا اس قوم کا حال یہ ہے۔ "استحوذ علیھم الشیطین فانسھم ذکر اللہ اولئک حزب الشیطین ھم الخسرون" (ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور اللہ کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے۔ یہی ہے شیطانی گروہ[84]۔ یاد رکھو کہ شیطان کے گروہ کے لوگ ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔) پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔

(1) اے بد ترین قوم تم نے اپنی سرکشی سے ہم پر زیادتی کی ہے اور ہمارے معاملے میں تم (خدا کے) رسول محمد کے خلاف ہو گئے ہو۔

(2) کیا اس بہترین خلائق نے ہمارے بارے میں تمھیں وصیت نہیں کی تھی اور کیا احمد خدا کے برگزیدہ رسول اور میرے نانا نہیں تھے۔

(3) کیا (حضرت فاطمہ) زہرا میری والدہ نہیں ہیں اور کیا میرے والد علی نہیں ہیں جو تمام مخلوق میں بہترین ہدایت یافتہ شخص ہے۔

(4) جو جرم تم کر رہے ہو، اس پر تم نے لعنت سمیٹی اور رسوائی مول لی۔ عنقریب تم اس آگ میں جھونکے جاؤ گے بھڑکائی جاچکی ہے۔

---

[83] خوب ہے یہ منظر کشی۔ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ وہ سب حضرت حسین کے خون کے پیاسے تھے اور دوسری طرف چپکے کھڑے ہو کر آپ کی تقریریں بھی سنتے ہیں پھر حسین یہ غلط بات لوگوں سے کیسے فرماتے کہ تم فرات کا پانی دیکھ رہے ہو در آنحالیکہ دریا وہاں سے کئی کوس دور تھا۔

[84] گویا جمہور صحابہ وآل اہلبیت اور ساری امت کو آپ نے حزب الشیطان قرار دیا اور پھر خود اس گروہ میں داخل ہو کر امیر المومنین سے بیعت کرنے پر تیار ہونے کا اعلان کر دیا جیسا کہ آپ کی پیش کردہ شرائط میں سے جو کتب تاریخ میں بیان ہوئی ہیں تیسری شرط سے واضح ہے۔

راوی کہتا ہے پھر آپ نے ایک شخص کو بلایا جسے انس بن کاہل کہتے تھے اور اس سے فرمایا ان لوگوں کے پاس جاؤ اور انھیں اللہ اور اس کے ر سول کی یاد دلاؤ شاید یہ ہمارے خلاف جنگ سے باز آجائیں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ باز نہیں آئیں گے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن کے لئے ان پر حجت قائم ہو جائے۔

راوی کہتا ہے کہ انس چل پڑے تا آنکہ ابن سعد کے پاس پہنچے۔ وہ اس وقت بیٹھا ہوا تھا مگر انھوں نے اسے سلام نہیں کیا۔ اس نے (یعنی امیر ابن سعد نے) کہا اے کاہلی شخص تمھیں مجھے سلام کرنے سے کس بات نے روکا کیا میں مومن مسلم نہیں۔ بخدا میں نے کبھی کفر نہیں کیا اور مجھے خدا اور اس کے رسول کا عرفان حاصل ہے۔ انس نے کہا تمھیں اللہ اور اس کے رسول کا عرفان کیسے ہے۔ جبکہ تم ان کے فرزند کو، ان کے گھر والوں کو اور ان کے مدد گاروں کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ اس پر ابن سعد نے سر جھکا لیا اور کہا میں جانتا ہوں کہ ان کا قاتل جہنمی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ امیر عبید اللہ کا حکم نافذ کیا جائے۔ انس واپس آگئے اور حسین کو سب بات بتادی۔

ساتھیوں سے خطاب اور ان جواب

حسین نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا۔

"میں خدائے تعالیٰ کی بہترین ثناء کرتا ہوں اور سختی و نرمی میں اسی کی حمد میرے لب پر ہے۔ اے گروہ اہل ایمان! میں ایسے ساتھیوں کو نہیں جانتا جو تم سے زیادہ صبر کرنے والے ہوں۔ اور نہ ایسے اہلبیت سے واقف ہوں جو میرے گھر والوں سے زیادہ وفادار اور افضل ہوں۔ اللہ میری طرف سے تم سب کو بہترین اجر دے۔ میں گمان کر رہا ہوں کہ اس ظالم قوم کے ساتھ میرے یہ آخری دن ہیں۔ میں نے تمھیں ان تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا جو تم اپنے آپ پر سمجھتے ہو۔ اب رات چھا گئی ہے اور تمھیں چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص میرے گھر والوں میں سے کسی کا ہاتھ پکڑے اور پھر سب لوگ دائیں بائیں اس جنگل میں منتشر ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ ہماری اور تمھاری یہ مشکل رفع کر دے۔ کیونکہ اس قوم کو تمھاری نہیں صرف میری طلب ہے"

یہ سن کر آپ کے بھائیوں بھتیجوں، ملازموں نے اور عبد اللہ بن جعفر[85] کے فرزندوں نے کہا کہ ہمارے آقا ہم ایسا نہیں کریں گے اور خدا ہمیں آپ کو کوئی برائی اور ناگواری پہنچتی نہ دکھائے۔ اگر ہم نے آپ کو چھوڑ دیا تو لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ہم لوگوں کو کیا بتائیں گے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ ہم اپنی ہستیاں اور اپنی جانیں آپ پر قربان کر دیں گے۔ آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے تا آنکہ جو انجام آپ کا ہونا ہے وہی ہمارا ہو۔ آپ کے بعد زندگی کا کیا لطف؟

راوی کہتا ہے پھر مسلم بن عجوسہ کھڑے ہوئے اور کہا اے فرزند رسول کیا ہم آپ کو یک و تنہا چھوڑ دیں؟ پھر آپ کے نانا آپ کے والد آپ کی والدہ اور آپ کے بھائی کو کیا جواب دیں گے۔ بخدا میں اپنا برچھا ان کے مار تار ہوں گا تا آنکہ ٹوٹ جائے اور اپنی تلوار سے انھیں قتل کرتا رہوں گا جب تک اس کا دستہ میرے ہاتھ میں ہے۔ بخدا اگر ان سے لڑنے کے لئے میرے پاس ہتھیار بھی نہ ہوں تو میں ان سے پتھروں سے لڑوں گا تا آنکہ اللہ جان لے کہ میں نے اس کے نبی کی ذریت کی حفاظت کی۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر مجھے جلا ڈالا جائے اور ستر دفعہ میرے ساتھ ایسا ہی ہو تب بھی میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا چہ جائیکہ مرنا ایک دفعہ ہے اور اس کے بعد وہ عزت ہے جس سے بڑی کوئی عزت نہیں۔ پھر زہیر بن قین کھڑے ہوئے اور کہا اے رسول اللہ کے نواسے مجھے یہ محبوب ہے کہ میں قتل کیا جاؤں اور ہزار بار ایسا ہی ہو تا کہ اللہ آپ کو اور آپ کے گرد و پیش ساتھیوں کو قتل ہونے سے بچالے۔

---

[85] حضرت عبداللہ بن جعفر اور سیدہ زینب کا کوئی فرزند وہاں نہیں تھا۔ حضرت علی (الزینبی) جو سیدہ زینب کے بطن سے تھے۔ وہ اپنے والد ماجد کے حکم سے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ حضرت ابن جعفر چونکہ حضرت حسین کے خروج کے سخت خلاف تھے اور اتنے تھے کہ آپ نے سیدہ زینب کو طلاق دے دی تھی۔ حسینی قافلے کے جانے کے بعد انھوں نے اپنی دوسری بیوی کے دو بیٹوں کو خط دے کر بھیجا تھا کہ حسین واپس آ جائیں۔

راوی کہتا ہے کہ آپ کے سب ساتھیوں نے اسی طرح ملتا جلتا کلام کیا اور کہا بخدا ہم آپ سے جدا نہیں ہونگے۔ ہماری جانیں آپ کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ ہم تمام آفتوں کے مقابلے میں اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ اور جب ہم قتل ہو جائیں گے تو ہماری ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

کیفیت جنگ کربلا

ابو مخنف کہتا ہے پھر عمر بن سعد نے اپنے لوگوں کو جنگ کے لئے دائیں بائیں متعین کیا۔ میمنہ پر اس نے شمر بن ذی الجوشن کو کھڑا کیا اور اس کے ساتھ بیس ہزار سوار تھے، میسرہ پر خولی بن یزید اصبحی کو متعین کیا، اس کے تحت بھی بیس ہزار سوار تھے[86]۔ اور باقی فوج کے ساتھ وہ خود قلب میں کھڑا ہوا۔

حسین نے بھی اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور میمنہ پر بیس سواروں کے ساتھ زہیر بن قین کو متعین کیا اور بیس سواروں کے ساتھ میسرہ پر ہلال بن نافع بجلی کو۔ باقی ساتھیوں کے ساتھ خود قلب میں کھڑے ہوئے۔ بچوں اور خواتین کو آپ نے خیموں میں بھیج دیا اور اس کے گرد خندق کھود کر لکڑیاں بھر دیں اور آگ لگا دی۔ تا کہ جنگ کا رخ ایک ہی طرف رہے۔

راوی کہتا ہے کہ ابن زیاد کے لشکر سے ایک سوا نکلا اور خندق کے مقابل کھڑے ہو کر پکارا اے حسین آخرت کی آگ سے پہلے ہی دنیا میں آگ کی جلدی کر لی؟ حسین نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا جبیرہ بن کلبی۔ حسین نے فرمایا خدایا اسے آخرت سے پہلے ہی دنیا میں جلا ڈال۔ ابھی آپ کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس کا گھوڑا الف ہو گیا اور اسے خندق میں گرا دیا۔ اس پر حسین کے ساتھیوں نے تکبیر کہی اور کہا کیا ٹھیک ہے اس دعا کی، کتنی جلدی قبول ہو گئی۔ اچانک آسمان سے ہاتف کی آواز آئی رسول اللہ کے فرزند مبارک ہو یہ قبولیت۔

مروان بن وائل کہتے ہیں میں جب حسین کی یہ بات دیکھی تو ان کے خلاف لڑنے سے باز آ گیا۔ عمر بن سعد نے مجھ سے کہا کیا بات ہوئی جو تم لڑنے سے باز آ گئے؟ میں نے کہا واللہ میں نے اس گھر والوں میں وہ بات دیکھی ہے جو آپ نہیں دیکھتے۔ بخدا میں کبھی حسین کے خلاف نہیں لڑوں گا۔ پھر جو کچھ دیکھا تھا اسے بتا دیا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ پھر سب ایک دوسرے سے لڑنے لگے اور جنگ نے زور پکڑا۔ حسین اپنے ساتھیوں کے ساتھ جمے رہے تا آنکہ دوپہر ہو گئی۔ یہ لوگ ایک ہی سمت لڑ رہے تھے۔ ابن سعد نے جب یہ حال دیکھا تو حکم دیا کہ خیموں کو آگ لگا دی جائے۔ حسین نے فرمایا انھیں جانے دو یہ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ شمر نے دھاوا بولا تا آنکہ حسین کے خیمے میں برچھا مارا اور آواز لگائی آگ لاؤ کہ میں ان ظالموں کے گھر جلا ڈالوں۔ حسین کے ساتھیوں نے اس پر حملہ کر کے اسے خیمہ سے ہٹا دیا۔[87] حسین نے اواز دے کر فرمایا افسوس ہو تجھ پر اے شمر کیا تو رسول اللہ کا خیمہ جلانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حسین نے آسمان کی طرف

---

[86] بیس بیس ہزار سوار کے سرکاری لشکر کے حسینی قافلے کے صرف بیس بیس لوگوں سے نبرد آزمائی کے لئے متعین کیے گئے تھے؟ کیا ٹھکانہ ہے اس لغو بیانی اور مبالغہ آرائی کا۔ جو مصنوعی جنگ کی نقشہ کسی کی گئی ہے۔

[87] اگر خیموں کے گرد آگ کی خندق تھی تو شمر وہاں کیسے پہنچے اور وہ بھی خیموں کو جلانے کے لئے جن میں دیگر خواتین کے ساتھ ان کی اپنی رشتہ کی بہن ام البنین زوجہ حضرت علی والدہ عباس بن علی بھی موجود ہوں۔ شمر تو حضرت علی کے رشتے کے سالے عباس کے حقیقی اور حضرت حسین کے سوتیلے ماموں تھے۔ حضرت علی کی فوج کے ایک دستے کے افسر بھی تھے۔ صفین کی لڑائی میں مجروح بھی ہوئے تھے ان کو دشمن حسین بتانا بڑی زیادتی کی بات ہے۔

دیکھا اور کہا خدایا تیرے لئے کچھ مشکل نہیں کہ تو شمر کو آگ میں جلادے شمر کو اس پر غصہ آگیا اور اس نے ساتھیوں سے کہا سب مل کر ان پر ایک ساتھ حملہ کر دو اور ان کے ایک ایک آدمی کو فنا کر دو۔ چنانچہ وہ لوگ دائیں بائیں پھیل گئے۔ اور تیروں کی بارش کر دی۔ چنانچہ حسین کے ساتھیوں میں کوئی تو زخمی ہوا اور کوئی گر گیا۔ یہ دیکھ کر ابو ثمامہ صیدادی، حسین کی طرف بڑھے اور عرض کیا آقا ہم سب لوگ لامحالہ قتل ہونے والے ہیں اور نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ ہمیں نماز پڑھا دیجئے مجھے لگتا ہے کہ یہ ہماری آخری نماز ہو گی۔ شاید ہم اس طرح اس عظیم موقع پر اللہ کے مقرر کردہ فرائض ادا کر کے اس کے حضور پہنچیں۔ حسین نے کہا خدا تم پر رحم کرے اذان دو۔ جب وہ اذان سے فارغ ہوئے تو حسین نے کہا اے ابن سعد کیا خدا کے احکام اسلام بھول گئے، کیا جنگ روکو گے نہیں کہ ہم نماز پڑھ لیں؟ عمر نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن حصین بن نمیر نے کہا اے حسین نماز تو پڑھ لو مگر تمھاری یہ نماز قبول نہیں ہو گی۔ اس پر حبیب بن مظاہر نے کہا تیرا ناس جائے حسین کی نماز قبول نہیں ہو گی اور تیری ہو جائیگی۔ او شراب خانے کی اولاد! اس پر حصین کو غصہ آگیا اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

(1) اے حبیب اس تلوار کی زد سے بچ۔ تیرے مقابلے پر وہ شیر آیا ہے جو بلند مرتبہ سورما ہے۔

(2) اس کے قبضے میں تیز دھاری (ہندی) تلوار ہے ایسی کہ اس کی چمک جان لیوا ہے۔

ساتھیوں کی نبرد آزمائی

پھر اس نے آواز لگائی اے حبیب میدان جنگ میں اتر جہاں برچھے اور تلواریں چلتی ہیں۔ حبیب اس وقت حسین کے پاس کھڑے تھے۔ انھوں نے جو یہ سنا تو آپ کو الوداعی کہی اور عرض کیا میرے آقا میں چاہتا ہوں کہ اپنی نماز جنت میں پوری کروں۔[88]

اپنے نانا، والد اور بھائی کو میری طرف سے سلام عرض کیجئے گا۔ پھر وہ باہر نکلے رضوان اللہ علیہ اور کہتے جاتے تھے۔

(1) میں حبیب ہوں اور میرے باپ مظاہر ہیں۔ میدان جنگ کا شہسوار ہوں اور ہیبت ناک شیر ہوں۔

(2) میرے داہنے ہاتھ میں تیز دھار تلوار ہے اگرچہ تعداد میں تم لوگ (ہم سے) زیادہ ہو۔

(3) مگر تمھارے مقابلے میں ہم زیادہ صبر کرنے والے ہیں اور خوش اسلوبی کے ساتھ مہم کو سرانجام دینے والے ہیں۔

(4) خدائے تعالیٰ کی حجت سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اور تمھاری قسمت میں آگ ہے جو خوب بھڑکائی ہوئی ہے۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے حصین پر حملہ کیا اور کھوپڑی پر ایسا وار کیا کہ گھوڑے کی ناک تک کٹ گئی اور وہ (یعنی حصین بن تمیمی) زمین پر گر گیا۔ حبیب چاہتے تھے کہ اس کا سر قلم کر دیں مگر اس کے آدمی چڑھ دوڑے اور اسے ان کے پنجے سے چھڑا لیا۔ پھر انھوں نے (یعنی حبیب نے) بنو تمیم کے ایک شخص پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس طرح وہ لوگوں کو قتل کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پینتیس سوار مار گرائے۔ پھر لوگوں نے ان پر ہجوم کیا اور قتل کر دیا۔ ابو مخنف کہتا ہے کہ حسین نے جب یہ دیکھا کہ عباس اور حبیب قتل ہو گئے ہیں تو آپ کے چہرے پر شکستگی کے آثار پیدا ہوئے۔ اور آپ نے فرمایا اے حبیب اللہ نے تمھیں کیسی سعادت بخشی تم بڑے رتبے کے شخص ہو ایک رات میں قران ختم کیا کرتے تھے۔ راوی کہتا ہے یہ دیکھ کر زہیر بن قین کھڑے ہوئے اور کہا اے فرزند رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ کیسی شکستگی ہے جو میں آپ کے چہرے پر دیکھ رہا ہوں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم حق پر ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک، رب انام کی قسم میں علم الیقین سے جانتا ہوں کہ ہم سب حق و ہدایت پر ہیں۔ زہیر نے کہا پھر ہمیں کچھ پروا نہیں کیونکہ ہم جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف جا رہے ہیں۔ پھر وہ حسین کے آگے ہو گئے اور عرض کیا آقا کیا آپ مجھے جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ آپ نے کہا ہاں نکلو تو زہیر یہ کہتے نکلے۔

(1) میں زہیر ہوں قین کا بیٹا میرے داہنے ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہے۔

(2) میں اس تلوار سے حسین کی حفاظت کرتا ہوں جو علی کے بیٹے ہیں اور جن کے دادا اور نانا دونوں پاک تھے۔

---

[88] ابو مخنف نے پہلے تو یہ کہا کہ حضرت حسین نے دونوں گروہوں کو نماز پڑھائی (صفحہ 98) پھر کہا ہے کہ وائے نماز کے لئے لڑائی روک دی گئی کہ حضرت حصین بن نمیر سے لڑنے کو حبیب بن مظاہر نے نماز چھوڑ دی۔

راوی کہتاہے پھر انھوں نے قوم پر حملہ کیااور لڑتے رہے تا آنکہ پچاس سواروں کو قتل کر دیا۔ پھر انھیں خوف ہوا کہ کہیں حسین کے ساتھ نماز نہ جاتی رہے اس لئے واپس آ گئے اور عرض کیا۔ میرے آقا مجھے خوف ہوا کہ نماز کا وقت نہ نکل جائے، اس لئے آپ ہم لوگوں نماز پڑھا دیجئے۔ حسین کھڑے ہوئے اور پانے ساتھیوں کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی اور فارغ ہو کر فرمایا۔ یہ ہے جنت جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، جس کی نہریں قریب ہو گئیں ہیں، جس کے پھل پک چکے ہیں، جس کے محل آراستہ کر دیئے گئے ہیں، جہاں کے غلمان اور حوریں قطار در قطار کھڑی کر دی گئیں ہیں۔ یہ دیکھو رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ شہید ہوئے اور میرے والد اور والدہ ہیں انھیں سب کو تمھارے پہنچنے کا انتظار ہے، وہ ایک دوسرے کو اس کی خوشخبری سنا رہے ہیں اور سب تمھارے وہاں پہنچنے کے مشتاق ہیں۔ لہذا تم اپنے دین کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ۔ رسول اللہ کے گھر والوں کی طرف سے دفاع کرو، اور اپنے امام کی طرف سے جو تمھارے نبی کا نواسہ ہے۔ اللہ نے ہمارے سبب تمھیں آزمائش میں ڈالا ہے۔ تم ہمارے نانا کے جوار میں جگہ پاؤ گے اور ہمارے ہاں محترم اور محبوب ہو گے۔ خدا تمھیں برکت دے ہماری طرف سے دفاع کرو۔

راوی کہتاہے کہ جب لوگوں نے یہ سنا تو دھاڑیں مار کر روئے اور کہا ہماری جانیں آپ کی جان پر۔ ہمارے خون آپ کے خون پر۔ اور ہماری روحیں آپ کی روح پر فدا ہوں۔ بخدا جب تک ہم زندہ آپ کو کوئی شخص گزند نہیں پہنچا سکتا۔ ہم نے اپنی جانیں تلواروں کے لئے اور اپنے جسم شکاری پرندوں کے واسطے نذر کر دیئے ہیں تا کہ اس طرح ہم آپ کو صفوں کی یلغار سے بچالیں اور آپ کی بجائے خود موت کا مزہ چکھیں۔ جس نے آج بھلائی کمالی اور آپ کو موت کے منہ سے بچالیا وہ کامیاب رہا پھر زہیر بن قین نکل کھڑے ہوئے اور ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

(1) حسین سے آگے آگے چل جو ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے ہیں۔ آج ہم ان کے نانا سے ملاقات کریں گے جو نبی ہیں

(2) یعنی محمد اور مرتضیٰ علی سے، اس جوان سے جس نے دونو بازو (راہ خدا میں) قربان کر دیئے (یعنی جعفر الطیار)

(3) اور فاطمہ سے اور طاہر سے جو پاک تھے اور ان سب متقی لوگوں سے جو ہم سے پہلے گزر گئے۔

(4) اللہ نے مجھے اپنی عنایت سے صبر کی توفیق دی ہے تا کہ تمھاری محبت میں اس حرام زادے سے لڑوں (مراد ہیں ابن زیاد)

راوی کہتاہے کہ وہ برابر لڑتے رہے تا آنکہ ستر سواروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر لوگوں نے ہجوم کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ رحمۃ اللہ۔ ان کے بعد یزید بن مظاہر اسدی یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔

(1) میں یزید ہوں اور میرے باپ مظاہر ہیں کچھار کے شیر سے زیاد بہادر اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا۔

(2) میرے پاس باغیوں کے کچو کے لگانے کا سامان موجود ہے۔ خدایا میں حسین کا مددگار ہوں۔

(3) ہند کے بیٹے کو چھوڑ دینے اور اس سے بے تعلق ہو جانے والا ہوں اور میرے داہنے ہاتھ میں تلوار ہے کاٹ ڈالنے والی (ہند کے بیٹے سے مراد امیر المومنین یزید ہیں جو سیدہ ہند کے پوتے ہیں)

پھر انھوں نے حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ پچاس سوار مار گرائے اور پھر لوگوں نے انھیں قتل کر دیا۔ رضوان اللہ علیہ۔ ان کے بعد یحیی بن کثیر انصاری نکلے [89]۔ اور وہ یہ رجز کہتے جاتے تھے۔

(1) ابن سعد اور اس کے بیٹے کا گلا بھنچ گیا۔ کیونکہ ان دونوں کا مقابلہ انصاری شہسواروں سے آن پڑا ہے۔

(2) اور ان مہاجروں سے جنھوں نے میدان جنگ کے غبار میں اپنے نیزے کافروں کے خون سے رنگین کئے۔

(3) پہلے وہ (نیزے) رنگے گئے تھے محمد رسول اللہ کے عہد میں اور اب وہ فاجروں کے خون سے رنگے جائیں گے۔

(4) انھوں نے حسین سے خیانت کیوں کی؟ اور یوں حادثے ایک ساتھ آ گئے اور وہ لوگ یزید سے راضی ہو گئے، حالانکہ یہ رضا جہنم میں ڈالنے والی ہے [90]۔

(5) چنانچہ آج ہمارا شغل ہو گا انھیں اپنی تلواروں کی دھار سے قتل کرنا، فنا کے گھاٹ اتارنا اور نیست نابود کر دینا۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے قوم پر حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ پچاس سواروں کو قتل کر دیا اور پھر خود قتل ہو گئے۔ ان کے بعد ہلال بن نافع بجلی نکلے۔ انھیں امیر المومنین [91] نے پالا تھا اور وہ تیر اندازی میں ماہر تھے۔ وہ ہر تیر پر اپنا نام لکھ دیا کرتے تھے اور اس کے بعد پھینکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے چلہ چڑھایا اور یہ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے۔

(1) میں اس کمان سے وہ تیر پھینکوں گا جس پر (میرا) نشان ہے۔ جو زہر آلودہ ہے اور پر پھیلائے ہوئے (ہوا میں) تیرتا ہے

(2) میں یقیناً زمین کو اسے (پے بہ پے) پھینک کر بھر دوں گا اور اس خوف سے کھا کھا کر بچنا کسی جان کے کام نہ آئے گا۔

(3) جب موت تھک کر بیٹھ رہے تو اسے دوبارہ مہمیز وہی کرے گا جس نے اسے ابتداء میں چلایا تھا۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے قوم پر حملہ کیا، بہت سے آدمی مار دیئے اور بہت سے سورماؤں کا زیر کیا اور لڑتے رہے یہاں تک کہ ستر سواروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر خود قتل ہو گئے۔ ان کے ابراہیم بن الحسین نکلے۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ۔

(1) اے حسین خاطر جمع رکھئے آج آپ احمد (ﷺ) سے ملیں گے پھر اپنے والد سے جو پاک تھے اور جنھیں نصرت الٰہی حاصل تھی۔ [92]

---

[89] حضرت حسین کے ساتھیوں میں کوئی انصاری نہ تھا اور نہ اہل مدینہ نے آپ کے اس خروج کی تائید کی تھی۔ آپ مکہ معظمہ میں تھے اور وہاں سے سیدھے کوفہ گئے تھے۔ اور مدینہ کا کوئی انصاری آپ کا ساتھ دینے وہاں کیسے پہنچ جاتا یہ نام محض خیالی اور فرضی ہے۔ اور نہ آپ کے ساتھ کوئی مہاجر تھا۔ چند آپ کے گھر والے اور ساٹھ کوفی تھے جو مکہ سے آپ کو ساتھ لائے تھے۔

[90] کس دھڑلے سے راوی نے جمہور آل صحابہ وآل البیت کو اور تمام مسلمانوں کو جہنمی کہہ دیا۔ اور یہ نہ سوچا کہ خود حضرت حسین امیر المومنین یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے اور آپ کے فرزند جلیل اور اعزہ نے دمشق جا کر امیر المومنین سے بیعت کر لی تھی اور بعد کے شدائد برداشت کرکے اس بیعت پر قائم رہے۔

[91] سبائی لوگ صرف حضرت علی ہی کو امیر المومنین کہتے ہیں جن کی بیعت کی بھی تکمیل نہ ہو سکی۔ اور آخر وقت تک آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت معرض بحث رہی۔ یہ لفظ نہ حضرت عمر کے لئے شیعہ مورخ نے لکھا ہے نہ حضرت عثمان کے لئے درآنحالیکہ ان کی بیعت تمام امت نے کی تھی۔ باقی تمام خلفاء جنھوں نے چھ سو برس تک امت کی امامت کی وہ ان کے نزدیک امراء المومنین کہے جانے کے حقدار نہیں۔ حضرت خلیفہ الرسول اللہ سے لے کر خلیفہ المستعصم باللہ عباسی تک، چنانچہ نصیر الدین طوسی (برعکس نہند نام زنگی کافور) نے جب کبھی امیر المومنین المستعصم باللہ عباسی شہید کا ذکر کیا ہے انھیں امام الملاحدہ کہا ہے اور ہلاکو خان کو ہر جگہ سلطان والا شان ہلاکو خان لکھا ہے۔

(2) اور زہر خوردہ حسن سے جو بہت نیک خو تھے [93] اور دو بازوؤں والے سے جو سب شہیدوں کے جانباز ساتھی ہیں (یعنی حضرت جعفر الطیار)۔

(3) اور حمزہ سے جو شہید ہونے والے شیروں کے سردار ہیں، یہ سب کے سب جنت الفردوس میں جاکر کامیاب ہوئے۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور ان کے پچاس سوار مار گرانے کے بعد خود قتل ہو گئے۔ رحمۃ اللہ۔ پھر ان کے علی بن مظاہر اسدی نکلے۔ ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

(1) میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تعداد میں تمھارے برابر ہوتے یا آدھے ہی تو تم پر آفت آجاتی۔

(2) اے بد ترین خاندانوں کا بد ترین توشۂ حیات رکھنے والی قوم خدائے تعالی تمھاری اولاد کو محفوظ نہ رکھے۔

پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور ستر سواروں کو قتل کر کے خود قتل ہوئے۔ پھر ان کے بعد معلاء نکلے جو شجاعت میں مشہور تھے۔ ان کا رجز یہ تھا۔

(1) میں معلاء ہوں اپنے اس دین کی حفاظت کرنے والا جو نبی اور علی کا دین ہے۔

(2) میں ان کی طرف سے دفاع کرتا رہوں گا تا آنکہ میرا وقت آجائے۔ اس لڑکے کی طرح جو کسی خوفناک بات سے خوف نہ کھائے۔

(3) مجھے اپنے ازلی خالق سے ثواب کی امید ہے تا کہ میرا خاتمہ اللہ بہترین عمل پر کرے۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ پچاس سواروں کو قتل کیا۔ پھر زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے بعد جون نکلے جو ابوذر غفاری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا رجز یہ تھا۔

(1) ان فاجروں کو عنقریب سیاہ فام کے وار کا پتہ چل جائے گا۔ جو تیز دھار کاٹ ڈالنے والی تلوار کا وار ہو گا۔

(2) اس تلوار کے ذریعہ جو محمد (ﷺ) کی اولاد کی طرف سے بے نیام ہوئی ہے اور جس کے ذریعے مجھے قیامت کے دن کامیابی کی امید ہے۔

---

[92] یہ خالص سبائی جذبات ہیں۔ جہاں تک خلافت کا تعلق ہے تو حضرت علی کو جیسی نصرت الٰہی حاصل ہوئی وہ دنیا کے سامنے ہے کہ جب سے خلافت ملی ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا اور اپنے ہی گروہ کے ایک باغی کے ہاتھوں مقتول ہوئے۔ پھر ان کی اولاد میں سے بھی جو شخص حصول خلافت کے لئے کھڑا ہوا ناکام رہا۔

[93] رہا حضرت حسن کا زہر خوردہ ہونا تو تمام اہم تحقیق متفق ہیں کہ یہ افسانہ سبائیہ کا وضع کردہ ہے اور خود ابو مخنف نے اپنی کتاب میں حضرت حسن کی وفات کے سلسلے میں اس زہر خوری کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ حضرت حسن کی وفات بعارض ذیابیطس ہوئی تھی۔

راوی کہتا ہے وہ برابر لڑتے رہے تا آنکہ ستر سواروں کو قتل کر دیا۔ اچانک ان کی آنکھ پر وار ہوا اور سر کے بل گھوڑے سے زمین پر گر پڑے۔ پھر لوگوں نے انھیں چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دیا۔ ان کے بعد عمیر بن مطاع نکلے وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

(1) میں عمیر ہوں اور میرے باپ مطاع ہیں۔ میرے ہاتھ میں کاٹ کرنے والی تلوار ہے

(2) ایسی کہ اس کی چمک آفتاب کی کرن کی طرح ہے۔ اور یوں اس سے مہلک وار کرنا ہمیں آسان ہے۔

(3) یہ مارنا اور مرنا حسین کی طرف سے ہے۔ ان پر اس مالک حقیقی کی رحمت ہو جن کی اطاعت کی جاتی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ وہ لڑتے رہے تا آنکہ تیس آدمیوں کو قتل کر کے خود قتل ہو گئے۔ پھر ان کے بعد وہ لڑکا نکلا جو اپنی ماں کے ساتھ حسین کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ وہ کہتا ہوا نکلا۔

(1) اگر تم مجھے پہچانتے نہیں ہو تو میں کلبی کا بیٹا ہوں۔ بھرے بازو والا اور سخت حملہ آور۔

(2) میدان جنگ میں، میں موت سے ڈرتا نہیں، اور تکلیف اٹھانے کے دن (یعنی روز جزاء) میں کامیابی کے ساتھ جنت میں جاؤں گا۔

(3) میں ہوں تو لڑکا مگر اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ میرا آقا وہی ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔

پھر اس نے دشمن پر حملہ کیا اور لڑتا رہا تا آنکہ چالیس آدمیوں کو قتل کیا اور خود قتل ہو گیا۔ اس کا سر کاٹ کر دشمن نے حسین کی طرف پھینک دیا، تو اسے اس کی ماں نے اٹھالیا اور قاتل کی طرف دے مارا جس سے قاتل مر گیا۔ پھر اس کے بعد طرمّاح نکلے وہ کہتے جاتے تھے۔

(1) میں طرماح ہوں سخت مار دینے والا۔ اور مجھے اللہ پر بھروسہ ہے جو میرا پروردگار ہے۔

(2) میں جب لڑائی کے دن تلوار کھینچتا ہوں تو میرے مدمقابل کو جنگ میں میرے غالب آجانے کا خوف ہوتا ہے۔

(3) لہذا اپنا بچاؤ کرو کیونکہ سرکشوں کے خلاف میں نے اپنا دل سخت کر لیا ہے اگرچہ مارا جاؤں۔

پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور لڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے ستر سوار مار گرائے۔ پھر ان کا گھوڑا الف ہو گیا اور انھیں زمین پر گرا دیا۔ اس طرح لوگوں نے گھیر کر سر کاٹ دیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن مسلم بن عقیل نکلے اور حسین کے سامنے جا کر عرض کیا۔ میرے آقا کیا مجھے نکلنے کی اجازت ہے؟ حسین نے فرمایا بیٹا تمھیں اور تمھارے گھر والوں کو ایک قتل ہی کافی تھا (یعنی مسلم بن عقیل کا) انھوں نے عرض کیا۔ اے میرے آقا، اے میرے چچا، اگر میں نے آپ کو چھوڑ دیا تو پھر میں آپ کے نانا (ﷺ) کے سامنے کیا لے کر جاؤں گا۔ بخدا ایسا کبھی نہیں ہو گا بلکہ آپ کی بجائے اپنے پروردگار کے حضور میں قتل ہو کر پہنچوں گا۔ پھر وہ نکلے، اپنی آستین چڑھائی اور یہ کہتے چلے۔

(1) ہم بنو ہاشم ہیں بڑے مرتبے والے بزرگ اور برتر سردار (یعنی حضرت حسین) کی بیٹیوں کے حمایت میں لڑتے ہیں۔

(2) یعنی خدائے علیم کے رسول کے نواسے کی طرف سے جو شیر دل علی جیسے شہسوار کے فرزند ہیں۔

(3) اپنا بچاؤ کرو کیونکہ میں تلوار چلانے والا ہوں۔ اور تول کر نیزہ مارتا ہوں۔

(4) اس طرح مجھے کل قادر مطلق خدائے علیم کے سامنے سرخ رو کھڑے ہونے کی امید ہے۔

پھر آپ نے حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ نوے سواروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر ایک ملعون نے آپ کی ہنسلی پر ایک تیر مارا جس سے آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ اور (گرتے گرتے) چلائے ہائے ابا، میری کمر ٹوٹی۔[94] حسین نے جب دیکھا کہ وہ گر گئے تو کہا خدایا آل عقیل کے قاتل کو قتل کر۔ پھر آپ نے انا اللہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کے بعد عون بن[95] عبداللہ بن جعفر یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے۔

(1) میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے جنت کے اور کہیں نہیں جاؤں گا کیونکہ میں احمد (ﷺ) اور آپ کی سنت سے محبت رکھتا ہوں۔

(2) کامیابی وہ ہے جو احسان کے بعد بھی باقی رہے۔ وہی ہیں جنھوں نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں گمراہی سے بچایا۔

(3) یعنی کفر میں بھٹکنے سے (باری تعالیٰ کے بارے میں) سوء ظن سے۔ اللہ جو خالق جنت ہے ان پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے۔

پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ اسی سواروں کو قتل کر کے شہید ہوئے۔ پھر ان کے بعد جابر بن عروہ غفاری[96] نکلے۔ وہ بہت معمر تھے اور رسول اللہ کے ساتھ غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک رہے تھے۔ وہ اپنی بھنویں اوپر اٹھا کر آنکھیں کھولتے تھے۔ حسین نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا بڑے میاں اللہ آپ کی کوشش قبول فرمائے۔ وہ یہ رجز پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔

(1) بنو غفار نے اچھی طرح جان لیا بلکہ بنو خندف اور بنو نزار نے بھی

(2) ہماری وہ امداد جو ہم نے نبی مختار کو دی۔ اے میری قوم پاک لوگوں کی اولاد کی مدد کرو۔

(3) جو خود پاک ہیں، سردار ہیں، اور بہترین لوگ ہیں۔ ان پر تمام نیک لوگوں کے خالق کی رحمت ہو۔

پھر انھوں نے حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ اسی سواروں کو قتل کر کے حسین کے حضور شہید ہو گئے۔ ان کے بعد سالک بن داؤد نکلے ان کا رجز یہ تھا۔

(1) شیر دل مالک کی طرف سے تمھارے لئے مار ہے۔ اس جواں مرد کی مار جو بڑے مرتبے والے لوگوں کی طرف سے (لڑتا) ہے۔

(2) اسے اللہ سے ثواب کی امید ہے جو بڑی بخشش والا ہے۔ پاک ہے وہ سچا بادشاہ جسے تمام باتوں کا علم ہے۔

---

[94] نوے نوے سواروں کو تہہ تیغ کرنے والے سورما کو ایک تیر لگنے سے ہائے وائے کرنے والا راوی نے شاید اس لئے دکھلایا ہے کہ مسلم بن عقیل کہ یہ بیٹے نو عمر تھے مگر نسباً ہاشمی تھے اور حضرت حسین کے عزیز قریب اس لئے فوجی سوار ان کے ہاتھوں گاجر مولی کی طرح کٹتے گئے تھے۔

[95] پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر کا کوئی فرزند جو سیدہ زینب کے بطن سے ہو، کربلا میں نہ تھا۔ یہ عون اور محمد جو حضرت عبداللہ جعفر کے حقیقی بھائیوں کے ہم نام تھے ان کی دوسری بی بیوں بن المسیب اور حفظہ کے بطن سے تھے۔ امیر مدینہ سے فرمان لکھوا کر حضرت عبداللہ نے حضرت حسین کو جب وہ روانہ ہو گئے واپس لانے کے لئے ان فرزندوں کو بھیجا تھا۔

[96] جابر بن عروہ غفاری کی یہ ہستی موہوم ہے۔ یہ نام اہل بدر میں تو کیا ملتا صحابہ میں بھی کہیں مذکور نہیں، الاصبہ اور استعیاب دونوں اس نام سے خالی ہیں۔ حضرت حسین کے خروج میں کسی ایک صحابی نے بھی ساتھ نہ دیا اور چھوٹے بڑے ہر شخص نے انھیں سمجھایا کہ ایسا غلط قدم نہ اٹھائیں تا آنکہ آپ خود اپنے موقف سے رجوع کرنے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت کرنے کے لئے دمشق روانہ ہو گئے کہ حادثہ پیش آیا۔ کربلا تو دمشق کے راستے پر ہے نہ کہ کوفہ راہ پر۔

پھر انھوں نے حملہ کیا اور لڑتے رہے یہاں تک ساٹھ سواروں کو قتل کیا اور خود مقتول ہوگئے۔ پھر ان کے بعد موسیٰ بن عقیل نکلے، ان کا رجز یہ تھا۔

(1) اے بوڑھو اور جوانو! میں تمھیں تلوار اور نیزے سے ماروں گا۔

(2) میں جوانوں اور خاتونوں کی حمایت پر ہوں اس امام کی (حمایت پر) جو سب جنوں اور انسانوں کا امام ہے۔[97]

(3) میں اس طرح انسانوں کے خالق کی رضا کا طالب ہوں جو پاک ہے اور صاحب عظمت بادشاہ ہے۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ ستر سواروں کو قتل کیا اور خود قتل ہوگئے۔ ان کے بعد احمد بن محمد ہاشمی[98] نکلے ان کا رجز یہ تھا۔

(1) آج میں اپنے خاندان اور دین کی پیروی میں تلوار اٹھاتا ہوں جو میرے داہنے ہاتھ میں ہے۔

(2) اس کے ذریعے میں اپنے دین اور سردار کی حمایت کرتا ہوں جو علی کے بیٹے ہیں پاک ہیں امین ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ پھر انھوں نے حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ اسی سواروں کو قتل کیا اور شہید ہوگئے۔ رضوان اللہ علیہ۔

---

[97] امامت کا یہ تصور سبائیوں میں بھی پہلی صدی ہجری کے آخر تک نہیں پایا جاتا تھا۔ اس ایجاد کا سہرا محمد بن جعفر پر ہے۔ جسے شیطان الطاق کہتے تھے۔ چنانچہ امام ابن حزم نے الفضل میں لکھا ہے (جلد 4 صفحہ 181 منقول از الواصم من القواصم) کہ زین بن علی زین العابدین اور جعفر الصادق دونوں اس کی ایجاد سے ناراض تھے اور علانیہ اس کی تردید کی تھی۔ اس سے پہلے عامتہ المسلمین کی طرح امام کا مطلب تھا سربارہ مملکت بحیثیت لقب کے سب سے پہلے اسے محمد الامام بن علی بن عبداللہ بن عباس نے اختیار کیا تھا۔ اور ان کی مراد بھی یہی تھی کہ وہ حصول خلافت کے لئے تحریک چلا رہے ہیں تا آنکہ اس پر فائز ہوں۔۔ یہ انس و جن کا امام ہونا اور اسے بوت کے مماثل یا اس سے کوئی اعلیٰ درجہ سمجھنا اور خلافت ظاہری اور باطنی کا تصور پیدا کرنا مسلمانوں میں معروف نہ تھا۔

حدیث وفقہ کی تمام کتابوں میں امامت سے مراد امت کی سیاسی سربراہی ہے۔

[98] اس نام کا کوئی شخص ہاشمی خاندان کا اس زمانہ میں نہ تھا یہ بھی فرضی نام ہے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ امام اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگے لیکن اپنے ساتھیوں اور مددگاروں میں جسے دیکھا وہ یا تو قتل ہو چکا تھا یا گر پڑا تھا اور زخمی تھا۔ تو آپ نے یہ آواز لگائی۔

"کیا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں جو ہماری فریاد کو پہنچے۔ کیا کوئی پناہ دینے والا نہیں جو ہمیں پناہ دے، کیا کوئی مدد کرنے والا نہیں جو ہماری مدد کرے، کیا کوئی جنت کا طلبگار نہیں جو ہماری طرف سے مدافعت کرے۔ کیا کوئی اللہ کے عذاب سے ڈرنے والا نہیں جو ہم پر رحم کھائے۔ کیا کوئی ہمارا دمساز نہیں جو سختی میں ہمارے کام آئے پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔[99]

(1) میں علی کا بیٹا ہوں جو آل ہاشم میں پاکباز تھے، فخر کرنے کو میرے لئے یہ فخر کافی ہے۔

(2) میری ماں فاطمہ ہیں اور میرے نانا محمد ہیں اور میرے چچا وہ ہیں جنت میں پرواز کرنے والے جعفر۔

(3) ہمارے ذریعہ اللہ نے گمراہی کے بعد ہدایت دی۔ ہم زمین پر اللہ کے روشن چراغ ہیں۔

(4) ہم حوض کوثر کے متولی ہیں جو اپنے دوستداروں کو رسول اللہ (ﷺ) پیالے سے پلائیں گے۔ جن کا انکار نہیں کیا جاتا (یعنی ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ کوثر کے ساقی ہم ہیں)

(5) تمام مخلوق میں سب سے بہتر گروہ ہمارے شیعوں کا ہے اور ہم سے دشمنی رکھنے والا قیامت کے دن خسارے میں رہے گا۔

(6) وہ بندہ جو ہماری موت کے بعد ہماری (قبر کی) زیارت کرے اسے باقی رہنے والی جنت کی بشارت ہے جس کی صفائی میں کوئی کدورت نہیں۔[100]

---

[99] ایک طرف تو حضرت حسین کو یوں فریاد و واویلا کرنے سے متہم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ پراپگینڈا کہ انھوں نے اپنی اور اپنے عزہ کی جان کی قربانی دے کر اسلام کو زندہ کیا۔

[100] کیا کسی کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ حضرت حسین نے اپنی منقبت میں خالص بائی رنگ کے یہ شعر پڑھے ہوں گے۔ یا اپنا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہوگا۔ وہاں کون تھا جو ان کی شخصیت کا منکر ہو۔ مسئلہ سیاسی اور ملی تھا کہ جس امام پر تمام امت مجتمع ہے اس کی بیعت سے انحراف اور اس کے خلاف خروج پر کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد نبوی ہے (مسلم جلد 2 صفحہ 136 طبع مصر)

حضرت زیاد بن علاقہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عرفجہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ عنقریب فساد پر فساد بپا ہو گا تو جو شخص امت کے معاملات میں تفرقہ ڈالنا چاہے اس حال میں کہ وہ مجتمع ہو تو وہ کوئی بھی ہو اس کی گردن تلوار سے اڑا دو۔

حُر کا حسین کی فریاد کو پہنچنا

ابو مخنف کہتا ہے کہ جب آپ کا یہ کلام حُر کے کانوں میں پڑا تو وہ اپنے بھتیجے ترہ کے پاس گئے اور کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو حسین کو، وہ فریاد کر رہے ہیں اور کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا، وہ پناہ مانگ رہے ہیں اور کوئی انھیں پناہ نہیں دیتا۔ ان کے مددگار اور فرزند قتل ہو چکے ہیں۔ اب وہ ان لوگوں میں گھرے ہوئے ہیں جو یا تو ان سے لڑنے والے ہیں یا ان کا ساتھ نہ دینے والے۔

کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو کہ ہم ان کے حضور ان کے لئے لڑیں۔ کیونکہ لوگوں کو بہر حال اس دنیا سے گزر جانا ہے اور دنیا کی تمام سربلندیاں زائل ہونے والی ہیں۔

شاید اس طرح ہم شہادت سے سرفراز ہو کر اہل سعادت میں ہو جائیں۔

اس نے کہا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ لہٰذا انھوں نے اسے چھوڑ دیا اور اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"بیٹا مجھے نہ آگ پر صبر کرنے کا یارا ہے، نہ خدائے جبار کے غضب سہنے کا۔ اور نہ اس کا کہ کل میرے خلاف احمد مختار (ﷺ) مدعی ہوں۔ بیٹا کیا تم حسین علیہ السلام کو نہیں دیکھتے ہو کہ وہ فریاد کر رہے ہیں اور کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا۔ وہ پناہ مانگ رہے ہیں مگر کوئی ان کو پناہ نہیں دیتا۔ بیٹا میرے ساتھ ان کے پاس چلو کہ ہم ان کے حضور (اُن کی طرف سے) لڑیں شاید اس طرح ہم شہادت سے سرخرو ہوں اور اہل سعادت ہو جائیں"

انھوں نے کہا بسر و چشم۔ راوی کہتا ہے کہ پھر وہ دونوں ابن زیاد کے لشکر کی طرف سے اس طرح جھپٹے جیسے لڑنے جا رہے ہوں اور تیزی سے حسین کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں گھوڑے سے اترے، اپنے سر خم کئے اور حسین کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے۔ ان پر سخت گریہ طاری تھا۔ حسین

کیا حضرت علی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی تھی؟ حالانکہ وہ ساری امت کی ماں ہیں۔ تو حضرت حسین اگر اپنے موقف پر اڑے رہتے تو ان کے اقدام خروج کا مقابلہ حکومت قائمہ کو کرنا کیوں ناجائز ہوتا۔ جب ام المومنین صلوات اللہ علیہا کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی گئ تو ان کے ساتھ بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ شریعت کے قوانین شخصیتوں کے تابع نہیں ہوتے بلکہ شخصیتیں قوانین کے تحت ہوتی ہیں۔ ارشاد نبوی ہے (بخاری جلد 2 صفحہ 262 طبع مصر) اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔

لیکن اللہ تعالی کا اس امت پر فضل ہے اور ہمارے اکابر کی خوشبختی اور عند اللہ محبوبیت تھی کہ نہ جنگ جمل واقع ہونے میں طرفین کا ہاتھ تھا اور نہ حادثہ کربلا میں۔ سبائی اشراریہ کی ریشہ دوانیوں سے یہ حادثات پیش آئے۔ کربلا کا حادثہ اسی طرح اچانک اور بے وجہ وقوع میں آیا جیسے جنگ جمل۔ ملاحظہ ہو تعلیقہ حادثۂ کربلا۔ رہا حضرت حسین کا ساقی کوثر ہونا یا ان کے شیعوں کا بہترین قوم ہونا یا ان کا اپنی قبر کی زیارت پر جنت کا واجب ہونا بتانا، تو صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب شعر کسی غالی سبائی کے ہیں حضرت حسین کو ان تصورات سے کوئی علاقہ نہیں۔ عالم اسلام میں یہ سبائی ہی ہیں جنھوں نے قبر پرستی کو رواج دیا۔ اور تاریخی شخصیتوں کو افسانوی بنا ڈالا۔

نے ان سے فرمایابڑے میاں اپنا سر اٹھاؤ۔ انھوں نے سر اٹھا کر کہا۔ میرے آقا میں وہی ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا تھا۔ میرے آقا مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ اس حد تک بڑھ جائیں گے۔ اب میں اپنی اس حرکت سے توبہ کر کے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ کے لئے اپنی جان کی بازی لگاؤں۔ میرے آقا آپ کا حق اتنا ہے کہ اس مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ تو اب میرے آقا میں آپ کے حضور میدان دغا میں جاتا ہوں۔ کیا میری یہ توبہ خدا کے ہاں قبول ہو گی؟

آپ نے فرمایا" جب تم نے توبہ کر لی ہے تو اللہ تمھاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمھارے پردہ پوشی فرمائے گا وہ سب رحم کرنے والوں سے رحیم ہے"

راوی کہتا ہے پھر حر نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا اس ظالم قوم پر حملہ کرو۔ چنانچہ اس نوخیز نے حملہ کیا اور لڑتا رہا تا آنکہ ستر سوار مار گرائے۔ پھر خود مقتول ہوا۔ راوی کہتا ہے کہ جب اس کے باپ نے اسے مقتول دیکھا تو انھیں نہایت درجہ فرحت ہوئی اور بولے "سب ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے تجھے حسین کے سامنے شہادت نصیب کی" پھر خود حسین کے سامنے آئے اور عرض کیا میرے آقا اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے میدان میں نکلنے کی اجازت دیں کیونکہ میں پہلا شخص ہوں جو ان کی طرف سے آپ کے مقابلے پر آیا تھا اور مجھے یہ محبوب ہے کہ میں آپ کے سامنے ہی قتل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ تمھیں برکت دے۔ چنانچہ وہ یہ رجزیہ اشعار پڑھتے چلے۔

(1) اگر میں حسین بن فاطمہ سے جنگ کروں تو امیر توبنار ہوں گا مگر غدار بن غدار ہو کر۔

(2) انھیں چھوڑنے پر، ان سے الگ رہنے پر اور اس عہد توڑنے والے کی بیعت کرنے پر روح مجھے ملامت کرتی ہے۔ (عہد توڑنے والے سے مراد امیر المومنین یزید۔)

(3) کیسی شرم کی بات ہے کہ میں ان کی) یعنی حسین کی) مدد نہ کروں۔ یاد رکھو جو ان کی مدد نہیں کرے گا وہ پچھتائے گا۔

(4) جی چاہتا ہے کہ کاش میں ایک فوج لے کر اس گروہ پر چڑھ دوڑوں جو حق سے ہٹ گیا اور ظالم ہے۔

(5) پس (اے گروہ معاندین) رک جاؤ ورنہ میں ویلمیوں سے بھی زیادہ جنگجوں فوجیوں کے پرے کے پرے لا کر تمھارے خلاف ہجوم کروں گا۔[101]

(6) اللہ ان روحوں کو (اپنی رحمت کی) پے بہ پے دائمی بارش سے سرشار کرے جنھوں نے ان کے (یعنی حسین کے) بارے میں اپنی ذمہ داری پوری کی۔

---

[101] حادثہ کربلا کے کئی سو برس بعد ویلمیوں کی جنگجوئی اور سیاسی قوت کا اظہار ہوا تھا۔ چونکہ ان میں سبائیت کو بہت فروغ ہوا اسی لئے ان کی شجاعت کو یہاں مثالی کرکے دکھایا گیا ہے۔ مجوسی الاصل بویہی خاندان بھی ویلم کا تھا۔ انھی لوگوں نے حکومت کے زور پر شیعت کو فروغ دیا۔ ماتم حسین کی ابتداء کی اور سینہ کوبی وہائے کرنے کو رواج دیا۔ کربلائی قبور کے انہدام اور ڈیڑھ سو برس تک زراعت کئے جانے کے بعد یہی ویلمی سیاسی قوت کے زیر سرپرستی وہاں کی اور نجف کی زیارت گاہیں از سرنو عالیشان طرز سے شیعت کے مرکزی مقامات کی حیثیت سے تعمیر ہوئیں۔ ان ہی ویلمیوں کا ذکر ان کے عالم وجود میں آنے سے دو ڈھائی سو برس پہلے ہی حر کی زبان سے رجزیہ اشعار میں کرانا اور اسکی جنگجوئی کا ڈرامائی انداز بیان کہ چند ساعت پہلے اپنے ساتھی فوجیوں میں سے تقریباً دو سو سواروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ ابو مخنف کی اس کذب بیانی سے حر کی شخصیت مشتبہ ہو جاتی ہے۔

(7)میں جب ان کے بے جان جسموں اور ان قبروں پر کھڑا ہوا، تو ایسا لگا جیسے سانس سینے میں رک رک کر آئے اور آنکھ تھی کہ آنسو بہا رہی تھی۔

(8)اپنی جان کی قسم وہ لڑائی میں بہادری دکھانے والے تھے اور شیروں کی طرح جنگ میں کود جانے والے۔

(9)وہ تلواریں لے کر اپنے نبی کے نواسے کی مدد کے لئے ایسے بڑھے جیسے شیروں کے شیر ہوں۔[102] پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور ان کی صفوں میں گھس کر کتنے ہی آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور کتنے ہی شہسوار مار گرائے تا آنکہ کہ سو سواروں کو قتل کر دیا۔ پھر حسین کی طرف لوٹ آئے۔ اس کے بعد دوبارہ حملہ کیا۔ کہتے جاتے تھے۔

(1)موت تو آنی ہے لہذا تم وہ سب کچھ کر ڈالو جو کرنا چاہتے ہو کیونکہ موت کا جام تو یقیناً تمھیں پینا ہے۔

(2)مصطفٰی (ﷺ) کے فرزند اور ان کے حرم کی حمایت میں لڑو۔ شاید اس طرح وہ فصل کاٹ سکو جو بو رہے ہو۔

(3)وہ قوم تباہ ہو گی جس نے اللہ، اپنے پروردگار کی مخالفت کی اور یہ چاہا کہ دین کو منہدم کر دیں مگر دین ہے کہ جاری رہے گا۔

(4)وہ لوگ قصداً آل محمد کو قتل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ انھی کے نانا قیامت کے دن شفاعت کرنے والے ہونگے۔

راوی کہتا ہے انھوں نے پھر حملہ کیا اور کہا۔

اے اہل کوفہ، اے غدار اور مکار لوگو! تم نے اس امام کو کس غرض سے بلایا تھا۔ خیال تو یہ ظاہر کیا تھا کہ تم ان کی مدد کرو گے۔ مگر جب وہ آ گئے تو تم نے ان کے ساتھ غداری کی، اب پر ظلم کیا، انھیں ہر طرف سے اور ہر سمت سے گھیر لیا۔ اور انھیں اور ان کے اہل وعیال کو وہاں جانے سے روک دیا جہاں وہ اس کشادہ زمین پر جانا چاہتے تھے۔ اب وہ تمھاری قید میں تنہا ہیں۔ تم نے ان پر اور ان کے گھر والوں پر وہ پانی بند کر دیا ہے جسے یہودی و نصاریٰ اور کتے و خنزیر تک پیتے ہیں۔ بخدا تم نے اپنے نبی کے بعد ان کے اہلبیت اور ان کی ذریت کے ساتھ بہت ہی برا کیا۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے موقف سے توبہ اور رجوع نہیں کرتے۔ خدا تمھیں سخت پیاس کے دن (یعنی روز حشر) پانی نہ دے۔[103]

پھر وہ دھاڑیں مار کر روئے اور یہ رجز پڑھتے مقابلے کے لئے نکلے۔

(1)میں حر ہوں، مہمان کو پناہ دینے والا۔ میں تمھارے لشکروں کی صفوں کو تلوار کی مار دوں گا۔

(2)ایسے نوخیز کی مار جسے مر کر سڑ جانے کا خوف نہ ہو اور اس طرح اس شخص کی مدد کروں گا جو سرزمین خیف پر اترا ہے (یعنی کربلاء میں)۔

---

[102]اس شخص کی عقل ملاحظہ ہو۔ خود ہی جنگ کی خیالی تفصیلات دے رہا ہے اور کس کس انداز سے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ان کی قبروں پر اس کا گزر ہوا۔ گویا حر اس حادثے میں قتل ہونے کے بعد پھر زندہ ہو گیا تھا اور یوں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی قبروں کی زیارت کے لئے آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حر کا یہ رجز بعد کے کسی سبائی کا وضع کردہ ہے۔ اور اس کی جنگجوئی کا سارا قصہ کہ اول حملے میں اپنے ساتھی فوجیوں میں سے سو کو قتل کر دیا اور دوسرے حملے میں اسی سواروں کو من گھڑت ہے اور اس کی شخصیت اور اس کے ڈرامائی اقدام کو مشتبہ کر دیتا ہے۔

[103]جنگ بھی ہو رہی ہے کشتوں کے پشتے بھی لگ رہے ہیں اور رجز خوانی بھی ہو رہی ہے۔ تقریریں بھی ہو رہی ہیں مگر دشمن کا لشکر چپ چاپ کھڑا ہے۔ اور منقبتوں کے اشعار سننے کا بھی لطف اٹھاتا ہے مگر ان چند کو قتل کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ واہ کیا خون منظر کشی ہے۔

راوی کہتا ہے پھر انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور لڑتے رہے یہاں تک کہ کوئی چھ اوپر اسی سوار مار گرائے۔ ابن سعد نے کہا تمھارا ناس جائے ان پر تیر برساؤ چنانچہ انھوں نے ان پر اتنے تیر برسائے کہ ان کی جلد خار پشت کی سی ہو گئی۔ پھر انھیں گرفتار کر کے سر کاٹا اور حسین کی طرف پھینک دیا۔ حسین نے اسے اٹھالیا۔ آپ چہرے اور دانتوں سے خون صاف کرتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے بخدا تمھاری ماں نے غلطی نہیں کی جب تمھارا نام حر رکھا۔ بخدا تم دنیا میں آزاد رہے اور آخرت میں سعادت پائی۔ پھر آپ نے ان کے لئے استغفار کیا اور ان کی توصیف میں یہ شعر کہے۔

(1) بنی ریاح کا حر کیسا اچھا حر ہے۔ (جب (چاروں طرف سے) نیزوں کا جال سا بن جائے، تب بھی جما رہنے والا تھا۔

(2) کیا خوب ہے حر اس وقت جب میدان کارزار گرم ہو اور جب (طرفین کے) سورما تیغ وسنا حرکت میں لائیں۔

(3) کیا خوب تھا حر جب حسین کا ساتھ دینے آیا اور ان کی آواز پر جان قربان کر دی۔

(4) کامیاب ہیں وہ لوگ جنھوں نے حسین کی مدد کی اور ہدایت و کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

حسین کا واویلا کرنا

راوی کہتا ہے پھر حسین کے دائیں بائیں نہ تو کوئی مددگار نظر آیا اور نہ یاور (یہ دیکھ کر) پکار اٹھے!

"ہائے بے وطنی، ہائے بے چارگی، ہائے پیاس۔ کیا کوئی مددگار نہیں جو ہماری مدد کو آئے، کیا کوئی یاوری نہیں جو یاوری کرے، کیا کوئی پناہ دینے والا نہیں جو ہمیں پناہ دے، کیا کوئی حمایتی نہیں جو رسول اللہ (ﷺ) کے حرم کا پشت پناہ ہو۔[104]

راوی کہتا ہے کہ خیمے سے دو نوخیز لڑکے نکلے، جیسے دو چاند ہوں۔ یہ تھے حسن بن علی کے فرزند۔ ایک کا نام تھا احمد اور دوسرے کا قاسم۔ دونوں یہ کہتے آرہے تھے، ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں، اے ہمارے آقا ہم آپ کے سامنے ہیں، جو حکم ہو وہ بجالائیں۔ اللہ کی طرف سے آپ پر رحمتیں ہوں۔ آپ نے فرمایا حملہ کرو اور اپنے نانا کے حرم کی حمایت میں لڑو۔ اب زمانے میں تمھارے سوا کوئی باقی نہیں رہا، خدا تمھارے وجود میں برکت دے۔[105]

[104] جی ہاں! حسین جیسے قرشی شجاع نے اس طرح واویلا ضرور کیا ہوگا۔ کیا ٹھکانا ہے اس کذب بیانی کا۔ حر کی توصیف میں یہ دو آخری شعر بھی کسی سبائی کے کہے ہوئے حضرت حسین سے منسوب کئے گئے ہیں۔

[105] جی ہاں! حضرت حسین جیسے غیور بطل شجیع سے کیا اسی کی توقع تھی کہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنے نوخیز بھتیجوں اور جوان فرزند کو قربان کر دیں۔ عقیدت کے پردے میں یہ ہے وہ آپ کا کردار جو باور کرانے کی احمقانہ کوشش کی جاتی ہے۔ حضرت حسن کے بیٹوں میں احمد نامی کوئی فرزند تھا ہی نہیں۔

اول قاسم نکلے ان کی عمر اس وقت چودہ برس تھی۔ انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ ستر سواروں کو مار گرایا۔ اتنے میں ایک ملعون نے جو گھات لگائے بیٹھا تھا آپ کے سر پر تلوار ماری جس سے آپ کی کھوپڑی کھل گئی اور گر گئے۔ خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ آپ منہ کے بل گرے تھے (گرتے گرتے) آپ نے آواز دی چچا جان مجھے سنبھالئے۔ حسین جھپٹے اور دشمنوں کو مار بھگایا۔ پھر ان کے پاس کھڑی ہوئے وہ اس وقت پاؤں پٹخ رہے تھے تا آنکہ وفات پائی۔ تب حسین گھوڑے سے اترے اور انھیں اس کی پیٹھ پر لاد لیا۔ آپ فرماتے جاتے تھے۔

"خدایا تو جانتا ہے ان لوگوں نے ہمیں اس لئے بلایا تھا کہ ہماری مدد کریں گے اور ہوا یہ کہ انھوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہمارے مقابلے میں دشمنوں کی مدد کی۔ خدایا ان آسمان سے بارش کے قطرے روک دے اور اپنی برکتوں سے انھیں محروم کر دے۔ خدایا انھیں گروہ گروہ کر کے منتشر کر دے اور ان کی راہیں مختلف بنا دے اور ان سے کبھی راضی نہ ہو۔ خدایا اگر تو نے دنیا کی زندگی میں اپنی مدد ہم سے روک دی تو آخرت میں ہمیں اس مدد سے سرفراز فرما اور اس ظالم قوم سے ہمارا بدلہ لے۔[106]

پھر آپ نے قاسم کی طرف دیکھا اور ان پر روئے اور فرمایا بخدا تیرے چچا پر یہ بات بہت سخت ہے کہ تم اسے بلاؤ اور وہ تمھاری مدد کو نہ آ سکے۔ پھر فرمایا آج وہ دن ہے کہ مددگار کم ہو گئے اور ظالموں کی کثرت ہو گئی۔ اس کے بعد آپ نے قاسم کو اپنے خاندان کے شہیدوں کے پاس لٹا دیا۔

[106] ابو مخنف نے جو یہ کلمات حضرت حسین سے منسوب کئے ہیں۔ بین ثبوت یہ ہے کہ حضرت حسین کوفیوں کی دعوت اور ان کی نصرت و مدد کے بھروسے پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں حق و باطل کا کوئی معرکہ نہ تھا۔

ان کے بعد ان کے بھائی نکلے ان کی عمر اس وقت سولہ برس تھی۔ انھوں نے دشمن پر حملہ کیا اور لڑتے رہے تا آنکہ اسی سوار مار گرائے، پھر حسین کے پاس لوٹ آئے۔ ان کی آنکھیں شدت پیاس سے اندر دھنس گئی تھیں۔ انھوں نے آواز لگائی۔ چچا جان ایک گھونٹ پانی ہو گا کہ میں اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لوں اور خدا اور رسول کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑوں۔ حسین نے فرمایا بھتیجے تھوڑا صبر کر لو تا آنکہ اپنے نانا رسول خدا کے حضور پہنچ جاؤ۔ وہ تمھیں ایسا پانی پلائیں گے کہ پھر کبھی تمھیں پیاس نہ لگے گی۔ اس پر واپس ہوئے اور یہ رجز پڑھتے ہوئے حملہ کر دیا

(1) تھوڑا صبر کر لو کہ پیاس کے بعد آرزو پوری ہونے والی ہے کیونکہ میری روح جہاد میں تیزی دکھا رہی ہے۔

(2) مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا اگرچہ موت کتنا ہی ڈرائے۔ اور نہ یہ کہ دشمن سے مقابلے کے وقت مجھے لرزہ طاری ہو۔

راوی کہتا ہے پھر آپ نے دشمن پر حملہ کر دیا اور ان کے پچاس سوار مار گرائے۔ ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

(1) نبی مختار کی اولاد کی مار سے بچو جو ایسی ہے کہ شیر خوار بچہ اس کے خوف سے بڈھا ہو جائے

(2) وہ کافروں کے جتھے کو اس تیز دھاری (ہندی) تلوار سے نیست نابود کر دے گا جو بڑی کاٹ والی ہے۔

پھر دشمن پر حملہ کیا اور ان کے ساٹھ [107] سواروں کو قتل کر کے شہید ہو گئے۔

[107] ان سولہ سالہ ہاشمی نے جن کی ہستی ہی موہوم ہے پہلے حملے میں اسی سوار دوسرے میں پچاس تیسرے میں ساٹھ سوار مار گرائے حضرت حسین کا چونکہ راوی نے انھیں بھتیجہ قرار دیا ہے اس لئے نبرد آزمائی کا یہ شاہکار پیش کرنا تھا۔ حالانکہ حضرت حسن کے فرزندوں میں اس نام کا کوئی فرد نہ تھا۔

مقتل علی اکبر

پھر ان کے بعد علی بن الحسین نکلے وہ کہتے جاتے تھے۔

(1) میں ہو علی بن الحسین بن علی۔ اور قسم ہے بیت اللہ کی کہ نبی کے وارث ہمی ہیں

(2) میں تمھیں تلوار مارتا رہوں گا تا آنکہ کند ہو جائے۔ اور یہ مار اس لڑکے کی ہو گی جو ہاشمی سورما ہے۔ ہنگام دغا اٹھتے غبار میں، میں تمھیں تیروں سے چھیدوں گا۔

راوی کہتا ہے پھر اپ نے اس باغی قوم پر حملہ کیا تا آنکہ ایک سو اسی سوار مار گرائے۔ پھر ایک ملعون نے گھات لگائی اور لوہے کا ایک ڈنڈا آپ کے سر پر دے مارا، جس سے آپ زمین پر گر پڑے [108] پھر اٹھ بیٹھے اور زور سے کہا ابا جان آپ پر سلام ہو۔ یہ ہیں میرے نانا رسول اللہ اور یہ ہیں میرے باپ علی اور یہ ہیں میری دادی فاطمہ۔ یہ سب آپ سے کہہ رہے ہین جلدی کرو کیونکہ وہ آپ کے مشتاق ہیں۔ پھر آپ نے جان دے دی۔ ابو مخنف کہتا ہے جب علی بن الحسین (الاکبر) شہید ہوئے تو عورتیں رونے پیٹنے لگیں۔ آپ نے اس پر چیخ کر کہا چپ ہو جاؤ۔ کیونکہ رونا تو آگے ہے (یعنی خود آپ کی وفات پر) پھر آپ نے ایک دلدوز آہ بھری۔

راوی کہتا ہے اس کے بعد آپ نے رسول اللہ کی چادر منگا کر اوڑھی اور اس پر آپ ہی کی زرہ پہنی جو الفاضل کہلاتی تھی۔ آپ کا وہ عمامہ باندھا جو سحاب کہلاتا تھا۔ اور اپنی وہ تلوار حمائل کی جسے ذوالفقار کہتے تھے۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوئے اور دشمن پر حملہ کر کے ان کے (یعنی علی بن الحسین کے) پاس سے مار بھگایا۔ پھر ان کا سر اٹھا کر گود میں رکھا ان کے چہرے سے خون اور مٹی صاف کرتے جاتے اور کہتے جاتے۔ بیٹا خدا تیرے قاتل پر لعنت کرے۔ انھیں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کیسی جرات ہے پھر اس صدمے سے آپ کی آنکھیں پر آب ہو گئیں۔

عمارہ بن سلمان نے حمید بن مسلم کے حوالے سے بتایا ہے۔ میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو حسین کے خیمے سے نکلیں اور یوں بین کیا۔

ہائے بیٹا، ہائے میرے شہید، ہائے بے چارگی، ہائے بے وطنی، ہائے میرے دل کی روح۔ کاش آج سے پہلے میں اندھی ہو گئی ہوتی۔ کاش میں مٹی میں مل گئی ہوتی۔ یہ دیکھ کر حسین لپک کر گئے اور انھیں خیمے میں بھیج دیا۔ میں نے (یعنی حمید بن مسلم نے) اس خاتون کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ زینب بنت امیر المومنین (علی) ہیں۔ حسین ان کے رونے سے دلگیر ہوئے اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر آپ نے اپنے فرزند کو گود میں لے لیا اور فرمایا بیٹا! تم تو دنیا کی فکر اور غم سے نجات پا گئے اور فرحت وراحت کی جگہ پہنچ گئے لیکن تمھارا باپ رہ گیا۔ کاش وہ تم سے جلد مل سکے۔

---

[108] حضرت حسین کے مفروضہ بھتیجہ بعمر سولہ سال نے ایک سو چالیس سوار مار گرائے تھے آپ کے فرزند نے ایک سو اسی سواروں کا قلع قمع کر دیا اور خود آپ کے ہاتھ سے جیسا کہ آگے بیان آتا ہے ایک حملے میں ڈیڑھ ہزار سوار مار گرائے تھے۔

نومولود بچے کا قتل

پھر آپ ام کلثوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ بہن میں تمھیں اپنے چھوٹے بیٹے کے بارے میں وصیت کرتا ہوں وہ ابھی چھ مہینے[109] کا بچہ ہی ہے۔ انھوں نے کہا بھائی اس بچے نے تین دن سے پانی نہیں پیا اس کے لئے کہیں سے پانی حاصل کیجئے۔ آپ نے بچے کو گود میں لیا اور (دشمن) لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اے قوم تم نے میرے بھائی کو، میری اولاد کو اور میرے مددگاروں کو قتل تو کر دیا۔ اب صرف یہ بچہ بچا ہے۔ پیاس کے سبب اس کے آگ لگی ہوئی ہے۔ اس کو تو ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ ابھی آپ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ کسی ظالم جفاکار کی طرف سے ایک منحوس تیر آیا اور اس نے بچے کو ایک کان سے دوسرے کان تک چیر دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ تیر قدیمہ عماری نے مارا تھا۔ حسین نے وہ خون اپنے چلو میں لیا اور اسے آسمان کی طرف اچھا کر کہا خدایا میں تجھے اس پر گواہ بناتا ہوں۔ انھوں نے نذرمان رکھی ہے کہ تیرے نبی کی ذریت میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ پھر آپ اس مذبوح بچے کو لے کر لوٹے۔ اس کا خون آپ کے سینے پر گر رہا تھا۔ پھر آپ نے اسے ام کلثوم کو دے کر خیمے میں رکھ دیا۔ اس پر روئے اور یہ شعر پڑھے۔

(1) خدایا مجھے تنہا مت چھوڑ۔ ان لوگوں نے تو نافرمانی اور سرکشی کی حد کر رکھی ہے۔

(2) انھوں نے ہمیں اپنے آگے غلام بنا رکھا ہے اور اپنی حرکتوں سے یزید کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔

(3) میرے بھائی تو شہید ہو چکے (یعنی عباس) اور اکیلے دم اپنے خون میں نہا لئے۔

(4) کھلے میدان کے وسط میں وہ تن تنہا تھے یقین ہے کہ تو جو گھات لگائے ہوئے ان سے کنارہ کش نہیں ہو گا۔

[109] شیعہ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ولادت بچے کی اسی دن ہوئی تھی۔ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کے نورہ ملنے کے لئے پانی موجود تھا، سیدہ زینب کے بحالت غشی منہ پر چھینٹے دینے کے لئے پانی موجود تھا مگر بچے کے حلق کو تر کرنے کے لئے ایک بوند بھی نہ تھی۔ یہ روایتیں ہیجان جذبات کے لئے وضع کی گئی ہیں۔

اپنے اہل بیت کو الوداع

راوی کہتا ہے پھر آپ نے ندا دی۔

"اے ام کلثوم، اے زینب، اے سکینہ، اے رقیہ، اے عاتکہ، اے صفیہ، تم سب کو میری طرف سے سلام پہنچے۔ اب ہمارے مل بیٹھنے کا وقت آخر آیا ہے اور تم پر مصیبتیں پڑنے کا وقت قریب ہوا"

یہ سن کر ام کلثوم چیخ پڑیں اور کہا بھائی معلوم ہوتا ہے آپ اپنے آپ کو موت کے سپرد کر رہے ہیں۔ حسین نے فرمایا جس کا کوئی مددگار اور حمائتی نہ ہو وہ اپنے آپ کو موت کے حوالے نہ کرے تو کیا کرے۔ انھوں نے کہا پھر تو ہمیں، ہمارے نانا کے حرم کی طرف واپس بھیج دیجئے۔ آپ نے فرمایا بہات بہات سست رفتار گھوڑے کو چھوڑ دیا جائے تو وہ سو جاتا ہے (یعنی ہمارے وسائل مفقود ہیں اور ایسے اقدام کا اب وقت نہیں رہا) یہ سن کر سکینہ چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ حسین نے انھیں سینے سے لگایا، چوما اور اپنی آستین سے ان کے آنسو پونچھے اور فرمایا۔

(1) اے سکینہ جان لو جب مجھے موت آئیگی تو پھر تمھیں رونا ہی رونا ہے۔

(2) جب تک میرے جسم میں جان ہے اس وقت حسرت سے آنسو بہا کر اپنا دل مت جلاؤ۔

(3) جب میں قتل ہو جاؤں اے بہترین خاتون جو چاہو گی وہ کرنے کی مختار ہو گی۔

راوی کہتا ہے پھر آپ (دشمن) قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔

اپنی بے بسی کا قلق

"تمھارا ناس جائے، تم مجھے کس لئے قتل کرتے ہو؟ کیا میں نے کوئی حق بات چھوڑ دی ہے یا کوئی سنت بدل ڈالی یا شریعت میں تبدیلی کر دی"

انھوں نے کہا۔ بدر و حنین میں تمھارے باپ نے ہمارے بزرگوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کے سبب ہمیں ان سے عداوت ہے اور اس عداوت کی بنا پر ہم تمھیں قتل کرنا چاہتے ہیں[110]۔ جب آپ نے یہ بات سنی تو دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ مگر وہاں اپنے مددگاروں میں سے جسے دیکھا یا تو پیشانی کے بل پڑا تھا یا موت نے اس کی کراہ بند کر دی تھی۔ اس پر آپ چلا اٹھے۔

"اے مسلم بن عقیل، اے ہانی بن عروہ، اے حبیب بن مظاہر، اے زہیر بن القین، اے یزید بن مظاہر، اے فلاں اور اے فلاں، اے پاک باطن سورماؤ، اور میدان جنگ کے جیالو! کیا بات ہے کہ میں تمھیں آواز دیتا ہوں اور تم جواب نہیں دیتے۔ میں تمھیں بلاتا ہوں اور تم سنتے نہیں۔ تم سو رہے ہو اور میں آس لگائے ہوئے ہوں کہ جاگ پڑو گے۔ کیا اپنے امام کی محبت اب تمھارے دل سے نکل گئی ہے جو اس کی مدد کو نہیں آتے۔ یہ رسول اللہ کے گھر کی خواتین ہیں۔ ان کے جسم (ہول سے) گھل گئے ہیں۔ اے عزت مندو اب خواب سے بیدار ہو اور سرکشوں اور کمینوں سے اپنے رسول کے حرم کو بچالو۔

لیکن بخدا بات یہ ہے کہ تمھیں گردش زمانہ نے زیر کر دیا اور فلک ناہنجار نے تمھارے ساتھ غداری کی۔ ورنہ تم میری مدد سے جی نہ چراتے اور میرے بلانے پر منہ نہ چھپاتے۔ ہمیں تمھاری جدائی کا قلق ہے اور پھر ہم تم سے عنقریب ملنے والے بھی تو ہیں۔ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔

(1) وہ ایسی قوم ہے کہ جب انھیں کوئی افتاد دور کرنے کے لئے بلاتا ہے، اگرچہ گھوڑوں پر نیزوں اور دشمنوں کا ہجوم ہو۔

(2) تو موت کی چادر اپنی زرہوں پر لپیٹ کر وہ اپنی جانیں دینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں (اردو محاورہ ہے سر سے کفن لپیٹ کر)

(3) انھوں نے حسین کی مدد کی تو کیسے کیسے جوان تھے جنھوں نے زندگی سے منہ موڑا اور (جنت میں) ریشمی حلے پہنے۔

---

[110] کیا کہنے ہیں اس جواب کے۔ بدر و حنین میں کونسا کوفی مارا گیا تھا؟ بدر کی جنگ تھی قریش سے۔ امیر المومنین معاویہ کے ماموں حضرت ابو حذیفہ اور امیر عمر کے والد ماجد حضرت سعد نے حضور کے جھنڈے کے نیچے اپنی اقوام کا قتل کیا تھا۔ اور مارے جانے والوں میں جہاں حضرت معاویہ کا نانا عتبہ اور بڑا بھائی حنظلہ تھا وہاں حضرت علی کا بڑا بھائی طالب بھی تھا۔ اور قید ہونے والوں میں حضور اور حضرت علی کے چچا حضرت عباس اور بھائی حضرت عقیل تھے۔ اور ابن عم نوفل۔ تو اس صدمہ پر ان کوفیوں کو کیسے ہوا۔ حنین کی جنگ حوازن سے تھی وہاں کوئی کوفی کیسے پہنچ گیا۔ اس بدبخت افسانہ نگار کو بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں۔ اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی کے ساتھی کوفیوں میں سے فلاں فلاں مارا گیا۔ درآنحالیکہ اس وقت کوفہ کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی۔

دشمنوں پر حملے اور رجزیہ اشعار

راوی کہتاہے پھر خود آپ نے (کہ میری اور سب جہانوں کی ارواح آپ پر قربان) ان لوگوں پر بنفس نفیس حملہ کیا۔ یہ حملہ ایسا سخت تھا کہ وہ لوگ بکھر گئے اور آپ نے ان کے ڈیڑھ ہزار سوار مار گرائے[111]۔ پھر اپنے خیمے کی طرف لوٹ آئے۔ یہ شعر آپ کی زبان پر تھے۔

(1) اس قوم نے نافرمانی کی اور جرات کر کے اللہ کے ثواب سے منہ موڑا، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(2) اپنے غیظ وغضب میں وہ کہتے ہیں کہ حسین کو بھی گزرے ہوئے لوگوں کی طرف بھیج دیں گے۔

(3) دیکھو تو میری قوم کو، انھوں نے بغاوت کی اور اہل حرمین کے مقابلے کے لئے فوج لے کر آئے۔

(4) میری کسی ایسی قابل اعتراض بات پر نہیں جو مجھ سے سرزد ہوئی بلکہ محض اس لئے کہ مجھے اپنے دونوں روشن ستاروں سے انساب پر فخر ہے۔

(5) یعنی علی پر جو نبی کے بعد سب سے زیادہ پاک ہیں اور وہ نبی جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہیں۔[112]

(6) میرے نانا کے بعد تمام مخلوق میں سب سے زیادہ برگزیدہ میرے باپ ہیں، تو میں دو بہترین ہستیوں کا فرزند ہوں۔

(7) میرے باپ آفتاب ہیں اور میری ماں ماہتاب اور میں وہ ستارہ ہوں جو دو چاندوں کا بیٹا ہے۔

(8) اگر ایسی چاندی ہو جس پر سونا چڑھایا جائے تو وہ چاندی میں ہوں دو سنہری شخصیتوں کا فرزند۔

(9) سونا ہے سونے سے اور سونے میں خالص سنہری چاندی سے خالص سنہری چاندی میں۔

(10) دنیا میں کس کا نانا میرے نانا جیسا ہے۔ یا میرے بزرگ کی طرح کیونکہ دو عظیم المرتبت شخصوں کا بیٹا ہوں۔

---

[111] اس راوی کو مقتولوں کی تعداد کیسی یاد ہے کہ فلاں نے اتنے مارے اور فلاں نے اتنے۔ یہ سب تعداد اس معیار پر قرار دی ہے جو اس کے نزدیک مارنے والے کے درجے کے مطابق ہو سب سے زیادہ مقتول حضرت حسین کے ہاتھ سے ہوئے یعنی ڈیڑھ ہزار، گویا مخالف لوگ وہ عرب نہیں تھے۔ جنھوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے یا پھر وہ سب نہتے کھڑے تھے اور چپ چاپ گاجر مولی کی طرح کٹتے چلے گئے۔ اس کے باوجود یہ راوی چاہتا ہے کہ لوگ سنیں اور سر دھنیں حالانکہ تاریخ سے جو بات ثابت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ستر آدمی حضرت حسین کی طرف سے مقتول ہوئے اور اسی کے قریب سرکاری فوج کی طرف مقتول ہوئے۔ یہ جنگ ہی کیا تھی جو یوں رن پڑتا اور اس کی یہ تفصیل ہوتی۔ حسین کے ساتھیوں نے اچانک حملہ کر دیا اور یوں سرکاری فوج کے سپاہی مدافعت پر مجبور ہو گئے اسی لئے ان کے مقتول کچھ زیادہ رہے کیونکہ وہ گفت وشنید کے لئے آئے تھے نہ کہ جنگ کرنے کے لئے۔ باقی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ حادثہ کربلاء۔

[112] علم الانساب میں یہ نیا انکشاف ہے کہ حضور اکرم ﷺ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔ ابومخنف بلکہ اس گروہ پر نسبی فضیلت اس بری طرح سے سوار ہے کہ سوائے اس فضیلت کے حضرت حسین کی کوئی اور فضیلت دکھا ہی نہیں سکتا۔ جیسے ہاشمیت بھی کوئی فضیلت ہو۔ اور پھر یہ اشعار اس شخص نے حضرت حسین ہاشمی کی طرف منسوب کئے ہیں جن کے خاندان کی زباندانی اور نغز گوئی ضرب المثل تھی۔ یہ لغو تشبیہیں اور سطحی مفاخرت کیا حسین کی طرف سے منسوب کی جا سکتی ہیں؟ علاوہ ازیں یہ شخص ایک طرف تو انھیں ایسی ہائے وائے کرتا دکھاتا ہے کہ کیا کوئی عورت کرے گی اور دوسری طرف انھیں ایسا سورما دکھاتا ہے کہ ایک ہی حملے میں ڈیڑھ ہزار آدمی مار گرائے، پھر پیاس سے تڑپتا اور بلکتا ہوا دکھانے کے باوجود پینتیس اشعار کا یہ قصیدہ در مدح خود پڑھنا ان کی طرف منسوب کرتا ہے جو خالص سبائی تصورات پر مبنی ہے۔ تاریخی اعتبار سے پادر ہوا اور حقائق دینیہ کے سراسر خلاف۔

(11)میری ماں واقعی روشن چراغ ہیں اور میرے باپ علم کے وارث ہیں اور دونوں جہانوں کے آقا۔

(12)میرے نانا رسول ہیں اندھیری رات کے اجالے اور میرے باپ وہ ہیں جنھوں نے ان کی دو بیعتیں پوری کیں۔

(13)انھیں اللہ نے فضیلت دی اور تقویٰ سے خصوصیت کے ساتھ نوازا، تو میں ایک چراغ ہوں اور دو روشن چراغوں کا بیٹا۔

(14)خدا تعالیٰ نے بدر و حنین میں اس پاک لطیف شخص کے ذریعہ مدد کی جو (خدا کا) مقرر کردہ امیر ہے۔

(15)بخدا یہ ہیں علی مرتضیٰ جو اپنی فضیلتوں کے سبب حرمین (کے سب باشندوں) کے سردار ہوئے۔

(16)انھوں نے ایسے وقت خدا کی عبادت کی جب وہ نوخیز لڑکے تھے اور اس وقت قریش دو بتوں کو پوجتے تھے۔

(17)وہ لوگ اس وقت لات و عزیٰ کو پوجتے تھے اور علی اس وقت دو قبلوں پر قائم تھے۔[113]

(18)رسول اللہ کے ساتھ پورے سات دن ایسے رہے کہ روئے زمین پر اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی عبادت گزار نہ تھا۔

(19)انھوں دشمنوں کے علی الرغم اسلام کا اظہار کیا اور دو دھاری کاٹ کرنے والی تلوار اٹھائی۔

(20)انھوں نے لات کو چھوڑ رکھا تھا اور قریش کے ساتھ کبھی اسے سجدہ نہیں کیا۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں۔

(21)انھوں نے ان سورماؤں سے قتال کیا جو (میدان دغا میں) نکلے۔ ایک بدر کے دن، پھر احد اور حنین کے دن۔

(22)انھوں نے بتوں کو ذلیل جان کر چھوڑ دیا اور دونوں منبروں پر (خدا کی) حمد کے لئے چڑھے۔ (یا بحمد للہ وہ دو منبروں پر چڑھے)

(23)اس لئے اس کی (یعنی اللہ کی) حمد ہم پر واجب ہے جب تک آسمان پر چاند اور سورج میں سے کوئی تیر رہا ہے۔

(24)دونوں لشکروں پر اترانے والے آدمیوں میں جو شرک تھا اسے انھوں نے اپنے حملوں سے نابود کیا۔

(25)میں اس آنکھ اور کان کا فرزند ہوں جس کی طرف دونوں جہانوں کی مخلوق متوجہ ہو گئی۔

(26)ہم پانچ آل عبا ہیں اور ہم ہی (روئے زمین پر) دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کے مالک ہوئے۔

(27) پھر جبریل ہمارے چھٹے ہیں۔ ہمارا ہی یہ گھر ہے (یعنی بیت اللہ) اور ہمارے ہی دونوں مشعر ہیں (یعنی ایام حج میں قربانی اور بندگی کے مقام)

---

[113] یہ بھی خوب رہی کہ بعثت کے وقت مسلمانوں کے دو قبلے تھے یا یہ کہ اعلان نبوت کے بعد سات روز تک حضور کے ساتھ سوائے حضرت علی کے کوئی نہ تھا۔ گویا ام المومنین سیدہ خدیجہ صلوات اللہ علیہا کا بھی انکار ہے۔ اس پوچ زبان اور سطحی انداز میں جس شخص نے یہ اشعار کہے ہیں اس نے ان واہی خیالات کو حضرت حسین کی طرف منسوب کرکے آپ کی ہجو لکھی ہے۔ کہاں حضرت حسین اور کہاں یہ انانیت ، یہ پانچ آل عبا کا تصور جن کے چھٹے حضرت جبریل ہیں، مشرق و مغرب کی ملکیت اور حوض کوثر پر حضرت علی کی تولیت اور ان پر دین کا مدار سب سبائی تصورات تھے۔ کتاب و سنت کا ادنی علم رکھنے والا شخص بھی ایسی باتیں نہیں کہہ سکتا جو اس شخص نے حضرت حسین کے منہ سے نکلوانے کی سعی نا مشکور کی ہے۔

(28)اس طرح خود بزرگی کو ہم پہ ناز ہے اور بلندی اتنی ہے کہ دونوں نسبتوں سے ہم چڑھتے چلے جاتے ہیں۔(یعنی مادری نسبت حضور ﷺ سے ہے اور پدری نسبت عبد مناف ابو طالب سے)۔

(29)پس اللہ انھیں (یعنی حضرت علی کو) ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔ وہی مخلوق کا پیدا کرنے والا اور دونوں حرموں کا پروردگار ہے۔

(30)دین کا مدار علی المرتضیٰ پر ہے جو حوض کوثر کے مالک ہیں اور اہل ایمان کے لئے باعث شرف۔[114]

(31)ان کی معیت سے دشمن کی صفیں منتشر ہو جاتی ہیں۔ مشرق و مغرب میں ان کے کارنامے ایسے ہی ہیں۔

(32) وہ ایسے ہیں کہ انھوں نے اپنی انگوٹھی اس حالت میں صدقہ کر دی کہ وہ دوگانہ ادا کرتے وقت رکوع میں تھے۔

(33) اور وہی ہیں جنھوں نے لشکروں کا منہ اس وقت پھیر دیا جب وہ حنین کے دن مقابلے پر آئے تھے۔

(34)اے اس صاحب اختیار کے شیعوں! اپنے دل خوش رکھو کیونکہ کل (قیامت کے دن) تم ہی خالص سنہرے روپہلے (یعنی شہد اور دودھ کے) حوض سے سیراب کئے جاؤ گے۔

(35)توان پر (یعنی حضرت علی پر) ہمارا پروردگار رحمتیں بھیجے کہ اس نے حسین کو انھیں تحفے میں دیا۔

پھر آپ نے ان گم کردہ راہ لوگوں پر حملہ کیا جن پر خدا کی لعنت ہو، اور انھیں گھاٹ سے ہٹا دیا۔ پھر فرات کے کنارے گھوڑے سے اترے۔ آپ کا گھوڑا بھی پیاسا تھا۔ اس نے جب پانی کی ٹھنڈک محسوس کی تو اپنا منہ اس میں ڈال دیا۔ آپ نے گوارا نا کیا کہ اس کے پینے کی راہ میں حائل ہوں اور گھوڑے کے پانی پینے تک صبر کیا[115]۔ پھر آپ نے پینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک آواز آئی حسین عورتوں کے خیمے کا خیال کرو کیونکہ اس کی بے حرمتی ہو رہی ہے، تو آپ نے چلو سے پانی پھینک دیا اور خیمے کی طرف گئے، وہاں جا کر دیکھا تو وہ سلامت تھا۔ آپ سمجھ گئے۔ اس پر آپ نے یہ شعر پڑھے۔ صلوات اللہ علیہ۔

(1)اگر دنیا کو نفیس چیز شمار کیا جائے تو اللہ کا عطا کردہ ثواب اس سے کہیں بلند ہے اور بھرپور

(2)اور اگر رزق کی تقسیم انداز سے ہوتی ہے تو انسان کی خوبی یہ ہے کہ اپنی کوشش مختصر رکھے۔

(3)اور اگر مال جمع کرنا اسی لئے ہے کہ (موت کہ وقت) آدمی اسے چھوڑ جائے تو پھر آدمی اس چھوڑ دیئے جانے والی چیز کے بارے میں بخل کیوں کرتا ہے۔

---

[114]حضرت علی کی ذات پر دین کا مدار رکھنے، حوض کوثر کا مالک ہونے، بحالت نماز انگوٹھی صدقہ کرنے وغیرہ کے مبالغات بین ثبوت ہیں کہ یہ اشعار کسی غالی سبائی کے دماغ کی روش ہیں ہیں جو حضرت حسین سے غلط منسوب ہیں۔

[115]گھوڑا ایک بہتے ہوئے دریا میں پانی پی رہا تھا یا ایک لگن میں جو آپ کے پینے پر اسے تنگی ہوتی؟ پھر پانی کا گھونٹ لے لینے میں کتنی دیر لگتی ہے جو آپ کو چلو پھینک کر خیمے کی طرف بھاگنا پڑا۔ علاوہ ازیں جب دریا پر پہنچ گئے تھے حتیٰ کہ اتنا وقت مل گیا تھا کہ گھوڑا پانی پی لے تو جو لوگ آپ کے خون کے پیاسے بتائے ہیں وہ سب کھڑے تماشہ کرتے رہے اور انھوں نے آپ پر تیر برسانے کی بجائے خیمے کی بے حرمتی کے بہانے آپ کو ہٹانا چاہا؟ دریائے فرات تو وہاں سے کئی کوس دور تھا۔ چار چشمے البتہ کربلاء میں موجود تھے۔ ان لغویات اور خرافات کے ذریعے اس کذاب راوی نے داستان کو طول دیا ہے۔

(4) اگر دونوں کا نمو اسی لئے ہے کہ پھر موت آئے تو ایک جیالے کے لئے سب سے افضل بات یہ ہے کہ تلوار سے قتل ہو۔

(5) اے آل محمد تم پر اللہ کی طرف سے سلام ہو کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آج میرے کوچ کا دن ہے۔

(6) میں دیکھ رہا ہوں ہر ملعون، نافرمان اور منافق کو کہ اس کی جہالت اسے ہمیں فنا کرنے پر ابھار رہی ہے اور اسی کے مطابق وہ عمل کر رہا ہے۔

(7) انھیں اللہ کے حلم نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اس لئے کہ وہ کریم و حلیم ہے اور (سزا دینے میں) جلدی نہیں کرتا۔

(8) ان لوگوں کا ناس انھوں نے محمد کی نافرمانی کی۔ بات یہ ہے کہ ان کا پروردگار اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے سو کرتا ہے (یعنی اللہ نے ان کو گمراہ کرکے اس رعدی میں مبتلا کر دیا ہے)

سواری سے گرنا بلک بلک کر بین کرنا

راوی کہتا ہے پھر آپ نے حملہ کیا/ صلوات اللہ علیہ اور دائیں بائیں تلوار چلائی یہاں تک کے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دیئے۔ جب شمر نے یہ بات دیکھی تو عمر بن سعد کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے امیر یہ شخص تو لڑ کر ہم میں سے ایک ایک کو ختم کر دے گا۔ اس نے کہا پھر کیا کریں؟ بولا (یعنی شمر) کہ فوج کے تین حصے کیجئے ایک گروہ کے پاس تیر ہوں اور دوسرے کے پاس تلواریں اور نیزے۔ تیسرا گروہ آگ اور پتھر لے لے۔ اس طرح ہم اس کا فیصلہ جلد کر سکیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان پر تیر برسائے، نیزوں سے چھیدا اور تلواروں سے ضربیں لگائیں یہاں تک کہ انھیں زخموں سے چور چور کر دیا۔ اتنے میں خولی نے ان کی ہنسلی میں تیر مارا، جس کے سبب آپ (گھوڑے سے) گر پڑے اور خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ تیر ابو قدامہ نے مارا تھا۔ آُنے اپنے ہاتھ سے تیر نکالنے کی کوشش کی اور اپنی ہتھیلیوں پر خون ملا اس سے اپنی داڑھی رنگی اور سر مبارک لتھیڑا۔ ساتھ ساتھ فرماتے جاتے تھے کہ اس طرح میں اپنے پروردگار کے حجور پہنچوں گا۔ اپنے نانا (ﷺ) سے ملوں گا، اور مجھ پر جو گزری ہے اس کی شکایت کروں گا۔ پھر آپ گر پڑے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو چاہا لڑنے کے لئے کھڑے ہوں مگر اٹھ نہ سکے۔ اس پر آپ بلک بلک کر روئے اور بین کرتے جاتے تھے۔

ہائے نانا جان، ہائے محمد، ہائے ابا، ہائے علی، ہائے بھائی، ہائے حسن، ہائے یہ بے وطنی، ہائے کوئی فریادرس نہیں، ہائے یہ قلت انصار، آج میں مظلوم قتل ہو رہا ہوں۔ حالانکہ میرے نانا رسول اللہ ہیں۔ حالانکہ میرے باپ علی مرتضیٰ ہیں۔ مجھے بے عزت چھوڑ کر کے چھوڑ دیا گیا حالانکہ میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔

پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور دن کے تین گھنٹے اسی حالت میں گزر گئے۔ لوگ حیران تھے اور انھیں پتہ نہیں لگتا تھا کہ آپ زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ (اسی ہزار فوج پر بے بسی کی ہیبت طاری تھی)۔

اسی حالت میں قبیلہ کندہ کا ایک شخص آگے بڑھا اور آپ کی مانگ پر تلوار ماری اور کھوپڑی شق کر دی۔ خون آپ کے سفید بالوں پر بہنے لگا اور آپ کا خود سر سے اتر گیا جسے کندی نے اٹھالیا۔ حسین نے کہا تو کبھی اپنے داہنے ہاتھ سے کھا پی نہیں سکے گا۔ وہ شخص اس خود کو لے کر اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور کہا حسین کا خود ہے اس کا خون دھودو۔ وہ رونے لگی کہا تیرا ناس جائے تونے حسین کو قتل کیا اور ان کے ہتھیار لے لئے نہ تو میرا خاوند ہے نہ میں تیری بیوی، ہم دونوں ایک چھت کے نیچے نہیں رہ سکتے۔ وہ جب اس کے طمانچہ مارنے آگے بڑھا اور وہ آڑ میں ہو گئی تو اس شخص کا ہاتھ دروازے کی کیل میں لگا جو کار گر ہوئی اور کہنی سے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ یوں مرتے دم تک وہ فقیر رہا۔

ابو مخنف کہتا ہے حسین خون میں لتھڑے ہوئے تین گھنٹے تک زمین پر پڑے رہے۔ آپ کہتے جاتے تھے اے ہر فریادی کی فریاد سننے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرے تیرے فیصلے پر صبر کرتا ہوں۔ اتنے میں چالیس آدمی آپ کی طرف لپکے۔ ان میں سے ہر شخص آپ کی گردن کاٹنا چاہتا تھا۔ عمر بن سعد ان سے کہہ رہا تھا تم پر خدا کی مار ہو جلدی سے اسے ٹھکانے لگاؤ۔ ان میں سے وہ شخص جو تلوار لئے ہوئے آپ تک جھپٹ کر پہنچا وہ شبث بن ربعی تھا۔ وہ جب آپ کے قریب آیا اور گردن کاٹنی چاہی تو حسین نے آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔ اس نے تلوار پھینک دی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ کہتا جاتا تھا افسوس ابن سعد تم چاہتے ہو کہ خود تو حسین کے قتل اور ان کی خون ریزی سے باز رہو اور میں اس میں ماخوذ ہوں۔ خدا کی پناہ اے حسین کہ میں آپ کا خون بہا کر اللہ کے سامنے جاؤں۔ اس پر سنان بن انس اس سے بولا تیری ماں تجھے روئے اور تیری قوم تجھے ٹھکانے لگائے، تو اس کے قتل سے کیوں باز آ گیا؟ اس نے کہا تیرا ناس جائے انھوں نے جب آنکھیں کھولیں تو مجھے رسول اللہ کی سی آنکھیں لگیں اور مجھے شرم آئی کہ رسول اللہ کی سی صورت والے کو قتل کروں۔ اس نے (یعنی سنان نے) کہا تیرا ناس جائے یہ تلوار مجھے دے اس قتل کرنے کا زیادہ حق مجھے ہے۔ پھر اس نے تلوار لی اور چاہا کہ آپ کے سر پر جا کھڑا ہو کہ آپ نے اس کی طرف دیکھا۔ سنان پر کپکپی طاری ہو گئی، تلوار ہاتھ سے گھر پڑی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ کہتا جاتا تھا، خدا کی پناہ اے حسین کہ تمھارا خون بہا کر اللہ کے سامنے جاؤں[116]۔

---

[116] اس راوی نے اب تک جو واقعات بیان کئے ہیں وہ اس کے نزدیک شاید قتل نہیں۔ بھالے مارے جاؤ، تیر برسائے جاؤ، اسے قتل نہیں کہتے۔ قتل صرف اس وقت ہوتا ہے جب گردن کاٹ جائے۔ اسی لئے یہ لوگ اپنے آپ کو قتل کے جرم سے بچانا چاہتے تھے۔ رہی شبث بن ربعی کی شخصیت تو وہ ایک نفسیاتی معمہ ہے۔ یہ شخص جسے صحابی باور کرانا چاہتا ہے کہ حضرت کی آنکھ دیکھ کر انھیں حضور کی آنکھیں یاد آ گئیں۔ اس وقت تک انھوں نے آپ کے چہرہ مبارک پر نگاہ ہی نہیں ڈالی تھی جو حضور انور سے آپ کی مشابہت نظر آ جاتی، صرف سر کاٹنے پہنچے تو معلوم ہوا ان کی آنکھیں حضور کی سی ہیں۔ یہ شبث عہد نبوی میں اسلام نہیں لائے تھے اور نہ انھوں نے حضور کو دیکھا تھا۔ آپ کے بعد یہ اسلام لائے لیکن پھر مرتد ہو کر مدعیہ نبوت سجاح کے ساتھ ہو گئے اور اس کے موذن بنے پھر توبہ کی اور اسلام لائے اور بعد ازاں ان لوگوں میں شامل ہو گئے جنھوں نے امیر المومنین عثمانؓ پر چڑھائی کی تھی۔ پھر حضرت علی کے ساتھ رہے۔ بعد میں آپ سے بغاوت کر

اس پر شمر نے کہا تیری ماں تجھے روئے اس کے قتل سے رکا کیوں؟ اس نے کہا تیرا ناس جائے انھوں نے جب میری طرف دیکھا تو مجھے ان کے والد کی شجاعت یاد آگئی اور ان کے قتل کا خیال دل سے نکل گیا[117]۔ شمر نے کہا تیرا ناس جائے تو لڑائی میں بزدلی دکھاتا ہے لا تلوار مجھے دے بخدا حسین کا خون بہانے کا حق مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں۔ میں اسے قتل کر کے رہوں گا۔ پروا نہیں کہ وہ مصطفیٰ کے مشابہ ہے یا علی کے۔ یوں اس نے ہاتھ میں تلوار لی اور حسین کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اس پر ان کی ہیبت طاری نہیں ہوئی۔ پھر بولا حسین یہ خیال مت کرنا کہ میں بھی انھی جیسا ہوں جو تمھارے پاس آئے تھے۔ میں تمھارے قتل سے باز آنے والا نہیں۔

(116)

کے خارجی بن گئے تھے، پھر توبہ کی، بعد میں حضرت حسین کے خلاف لڑے۔ پھر توبہ کی اور مختار ثقفی نے جب خون حسین کا بدلہ لینے کا دعویٰ کیا تو اس کے ساتھ ہو گئے۔ پھر توبہ کی اور کوفہ کی پولیس میں بھرتی ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن الزبیر کی طرف سے مختار سے جنگ کی۔ اس کے بعد کی سرگرمیاں معلوم نہیں غالباً اسلام پر قائم رہے ہوں گے۔ 80 ہجری میں انتقال کیا۔

(امام ابن حجر عسقلانی: تقریب التھذیب) ایسے کردار کے شخص کو ابو مخنف ہی کی نگاہ میں صحابی کہا جاسکتا ہے۔

[117] باپ کی شجاعت کا خیال کر کے بیٹے کے قتل سے باز رہنا بھی خوب ہے۔ خون ان کی شجاعت تو سنان نے دیکھی ہی نہ تھی۔ اور اس کے نزدیک حضرت علی اتنے بہادر تھے کہ انھیں یاد کر کے لوگوں کی عقلیں جاتی رہتی تھیں، گویا راوی کے نزدیک دلاوری حضرت علی پر ختم ہو گئی تھی۔ صحابہ کرام میں وہ بزرگوار کچھ نہ تھے جنھوں نے ایران کی طاقت ختم کی، قیصر روم کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور مشرق و مغرب میں اسلام کے پھریرے اڑائے۔

شمر بن ذی الجوشن

حسین نے فرمایا۔ تیرا ناس جائے تو کون ہے؟ کیونکہ جہاں تو چڑھا ہے وہاں چڑھنا بہت مشکل تھا، کتنی دفعہ نبی (ﷺ) نے اسے چوما ہو گا۔ اس نے کہا میں شمیر ضیابی ہوں۔ حسین نے فرمایا کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ اس حرامی نے کہا جانتا ہوں، تم حسین ہو، تمھارے باپ مرتضیٰ ہیں، تمھاری ماں زہرا ہیں تمھارے نانا مصطفیٰ ہیں تمھاری نانی خدیجہ الکبری ہیں۔

آپ نے فرمایا، افسوس جب تو مجھے جانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا تمھیں قتل کر کے یزید سے انعام لینا چاہتا ہوں۔ حسین نے فرمایا، میرے نانا کی شفاعت تمھیں زیادہ محبوب ہے یا یزید کا انعام۔ اس نے کہا یزید کے انعام کی ایک دمڑی بھی مجھے تمھارے نانا اور تمھارے باپ کی شفاعت سے زیادہ عزیز ہے۔ آپ نے فرمایا جب مجھے قتل ہی کرنا ہے تو چند گھونٹ پانی پلا دے۔ اس نے کہا ہیہات ہیہات بخدا تم پانی کا لطف نہیں اٹھاؤ گے رہ رہ کر گھونٹ گھونٹ موت کا مزہ چکھو گے۔ پھر بولا اے ابو تراب کے بیٹے کیا تمھارا یہ گمان نہیں ہے کہ تمھارے باپ حوض کوثر پر جسے چاہیں گے پانی پلائیں گے۔ تو تھوڑی دیر صبر کر لو تا آنکہ تمھارے باپ تمھیں سیر اب کر دیں۔

آپ نے فرمایا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں ذرا اپنا نقاب تو اتار دے تا کہ میں تمھیں دیکھ سکوں، راوی کہتا ہے اس نے جونہی کپڑا سرکایا تو معلوم ہوا کہ مبروص ہے، ایک چشم ہے، کتے کی طرح اس کی تھوتھنی لعاب سے تر ہے اور اس کے بال خنزیر کے سے ہیں۔[118]

امام نے فرمایا میرے نانا رسول اللہ نے سچ فرمایا تھا۔ شمر نے پوچھا تمھارے نانا نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا میں نے انھیں اپنے باپ سے یہ فرماتے سنا ہے، اے علی تمھارے اس فرزند کو ایسا شخص قتل کرے گا جو مبروص ہو گا، ایک چشم ہو گا، اس کی تھوتھنی کتے کی طرح لعاب سے تر ہو گی اور سا کے بال خنزیر کے سے ہوں گے۔[119]

---

118 ایک شخص زخموں سے چور پڑا ہے دوسرا اس کی گردن کاٹنے کے لئے سینے پر سوار ہے اور دونوں میں باقاعدہ مکالمہ ہو رہا ہے۔ اس لغو گو داستان سرا کو محض بات کو طول دینے سے غرض ہے اور شمر سے اپنی عداوت اور بغض کا اظہار مقصود ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ باقاعدہ منصوبے کے تحت حضرت حسین کو قتل کیا گیا، ان کا ایک ایک عضو کاٹا گیا اور آپ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے ہائے وائے کرتے رہے اور گزرے ہوئے بزرگوں کی دہائی دیتے رہے۔ اس کذب بیانی سے حضرت حسین کی تضحیک کرانے والے پر لعنت۔

119 حضرت حسین کی کوئی روایت حضور ﷺ سے بلاواسطہ نہیں اور یہ روایت تو کذب محض ہے اور افتراء خالص۔ حضرت ذوالجوشن حضور کے صحابی تھے۔ حضرت علی کی ایک زوجہ ام البنین ان ہی کی رشتے دار خاتون تھیں۔ ان کے بیٹے عباس و ابوبکر و عثمان و جعفر کربلا میں موجود تھے۔ اس رشتے سے شمر حضرت حسین کے ان سوتیلے بھائیوں کے ماموں تھے گویا حضرت حسین کے قرابت دار بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی کی جوگ کے ایک دستے کی کمان کر رہے تھے۔

یہ تصور کیا دلچسپ ہے کہ نہ حضرت حسین انھیں جانتے ہیں اور نہ وہ ان کی عظمت نفسی کے معترف، چونکہ ابومخنف کو شمر سے خاندانی عداوت ہے لہٰذا اس نے حسین اک قاتل انھیں بنا دیا ان کے سینے پر چڑھا دیا اور پشت کی طرف سے گردن کاٹنا ان سے منسوب کر دیا۔ اسی

خدا اس پر لعنت کرے، کہتا کیا ہے تمھارے نانا رسول اللہ نے مجھے کتوں سے مشابہت دی ہے۔ اس لئے میں تمھیں گدی کی طرف سے ذبح کروں گا اور یہ اس تشبیہ کا بدلہ ہو گا جو تمھارے نانا نے دی۔ پھر اس نے آپ کو منہ بل گرا دیا اور تلوار سے رگیں کاٹنے لگا۔ ساتھ ساتھ کہتا جاتا تھا۔

(1) میں آج تمھیں تلوار سے قتل کر رہا ہوں حالانکہ میرا دل جانتا ہے اور اسے یقینی علم ہے جس پر گرفت ممکن نہیں۔

(2) کہ نبی مصطفیٰ (ﷺ) کے بعد تمھارے باپ ہر بولنے والے سے زیادہ بہتر اور زیادہ عظمت والے ہیں۔

(3) میں آج تمھیں قتل کر رہا ہوں لیکن پھر ایک دن مجھے ندامت ہو گی کیونکہ کل میرا ٹھکانہ جہنم ہے۔

راوی کہتا ہے جب بھی وہ آپ کا کوئی عضو کاٹتا تو حسین چلاتے۔

ہائے محمد، ہائے علی، ہائے حسن، ہائے جعفر، ہائے حمزہ، ہائے عقیل، ہاے ئی عباس، ہائے اس طرح قتل ہونا، ہائے مددگاروں کی کمی، ہائے یہ بے وطنی۔

پھر اس نے آپ کا سر کاٹ دیا اور اسے ایک طویل نیزے پر بلند کیا۔ اس پر لشکر نے تین دفعہ تکبیر کہی، زمین میں زلزلہ آ گیا اور مغرب و مشرق میں اندھیرا چھا گیا۔ لوگوں کو کڑک اور بجلی نے گھیر لیا اور آسمان سے خالص خون کی بارش ہوئی اور ایک ندا دینے والے نے آسمان سے آواز لگائی بخدا آج حسین بن علی بن طالب قتل ہو گئے جو امام ہیں، امام کے بیٹے ہیں اور اماموں کے باپ ہیں۔ آسمان سے کبھی خون نہیں برسا تھا۔ سوائے اس کے یا اس دن کے جب یحییٰ بن زکریا (صلوات السلام) شہید کئے گئے تھے۔

حسین کی شہادت پیر کے دن ہوئی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگ آپ کے کپڑے اور ہتھیار اتارنے لگے۔ آپ کی شلوار افجر بن کعب نے لے لی۔ اور قمیض اشعث بن قیس نے۔ تلوار دھیبہ کے ایک شخص نے لی اور کمر بند اسود بن ودنے۔ لعنت اللہ۔ پھر وہ لوگ شہیدوں کے جسموں پر سے ہر قسم کا سامان لوٹنے لگے۔

جذبے کے تحت انھیں مبروص بھی بنادیا اور ایسا گھناؤنا کہ سوئر کے سے ان کے بال تھے اور کتے سی ان کی تھوتھنی۔ شہدا میں ابوبکر و عثمان برادران کا ذکر بھی شاید اسی لئے نہیں کیا۔ چونکہ پورے حادثے کو ایک طویل جنگ کی صورت دی گئی ہے اسی لئے ہر قاتل اور ہر مقتول کی تعداد بھی متعین کر دی گئی ہے حالانکہ یہ قتال وجدال اچانک چھڑ گیا تھا اور اچانک ختم ہو گیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کس نے کس کو قتل کیا اور کون کس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اگر ابو مخنف ان بزرگوں کے باہمی رشتے بھی بتا دیتا تو پھر اس طولانی داستان کی گنجائش کہاں رہتی۔ اسی لئے وہ امیر المومنین یزیدؒ، امیر عمر بن سعد، امیر عبید اللہ بن زیاد اور شمر کا ذکر ایسے کرتا ہے کہ جیسے حسین سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو۔ تاکہ وہ سب کفر و زندقہ و خونخواری و سفاکی کی داستانیں جب ان کی طرف سے منسوب کی جائیں تو سننے والا باور کرلے۔

کیا کہنے ہیں اس منظر کشی کے۔

راوی کہتا ہے عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو موقع پر موجود تھا کہ حسین کا گھوڑا ہنہناتا ہوا معرکے میں شہید ہونے والوں میں سے ایک ایک کی لاش پر گیا تا آنکہ حسین کی لاش پر آیا۔ اس نے اپنی پیشانی آپ کے خون میں لتھیڑی وہ زمین پر ٹاپیں مارتا جاتا تھا اور ایسی آوازیں نکالتا تھا جو تمام میدان میں گونجتی تھیں۔ لوگوں کو اس کی حرکت پر بڑا تعجب ہوا۔

عمر بن سعد نے جب حسین کا گھوڑا دیکھا تو لوگوں سے کہا تمھارا ناس جائے اسے میرے پاس لاؤ۔ یہ گھوڑا رسول خدا کے بہترین گھوڑوں میں سے تھا[120]۔ اسے پکڑنے کے لئے جب کچھ سوار چلے اور گھوڑے نے انھیں پیچھا کرتے محسوس کیا تو انھیں اپنے سے دور رکھنے کے لئے دو لتیاں جھاڑنے لگا تا آنکہ اس نے بہت سوں کو مار ڈالا۔ اور کئی سواروں کو ان کے گھوڑوں سے گرا دیا۔ جب وہ لوگ اس پر قابو نہ پاسکے تو عمر بن سعد نے چیخ کر کہا اسے چھوڑ دو۔ دیکھنا ہے کیا کرتا ہے۔ گھوڑے کو جب پیچھا کرنے والوں کی طرف سے اطمینان ہوا تو وہ لاش حسین پر آیا اور اپنی پیشانی آپ کے خون سے آلودہ کرنے لگا اور ایسے رویا جیسے وہ ماں جس کا بیٹا مر گیا ہو۔ پھر وہ خیمے کی طرف چل پڑا۔

جب زینب بنت علی نے اس کی آہٹ سنی تو سکینہ کی طرف بڑھیں اور ان سے کہا تمھارے باپ پانی لے آئے[121]۔

---

[120] کیا یہ گھوڑا حضور ﷺ کے گھوڑوں میں سے تھا یعنی ساٹھ ستر برس کا؟

[121] خواتین گویا میدان جنگ سے بیسویں میل کے فاصلے پر تھیں۔ میدان جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا اور جو کچھ ہو چکا تھا انھیں اس کی خبر نہ تھی۔ صرف گھوڑے کی آہٹ پر سمجھیں کہ حسین آگئے اور زین کو خالی دیکھ کر جانا کہ آپ شہید ہو گئے۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ جسم پر سے چادر، عمامہ اور انگوٹھی لوٹ لی گئی۔

سکینہ وام کلثوم کے بین اور مرثیئے

سکینہ اپنے باپ کے آنے کا سن کر خوشی خوشی باہر نکلیں۔ اب جو گھوڑے کو تنہا اور زین کو سوار سے خالی دیکھا تو دوپٹہ سر سے اتار کر یوں بین کرنے لگیں۔

ہائے ابا، ہائے حسین، ہائے مقتول، ہائے بے وطنی، ہائے سفر کی دوری، ہائے بے چینی کی طوالت، حسین جو ادھر پڑے ہیں ان کا عمامہ اور چادر لوٹ لی گئی۔ ان کی انگوٹھی اور جوتی اتار لی گئی۔ ہائے میرا اباپ کہ اس کا سر شام لے جایا جارہا ہے۔ ہائے میرا اباپ کے اس کے حرم کو دشمنوں میں بے عزت کیا گیا۔ ہائے میرا اباپ کہ اس کا لشکر پیر کے دن تباہ ہو گیا۔

پھر ان پر سخت گریہ طاری ہوا اور اسی حالت میں یہ شعر کہے۔

(1) آج فخر کی موت آگئی، سخاوت اور کرم کا نام مٹ گیا۔ زمین اور تمام کائنات اور حرم پر خاک پڑ گئی۔

(2) اللہ نے آسمان کے دروازے بند کر دیئے۔ اب وہ دعا اوپر نہیں جاتی جس سے فکریں دور ہوں۔

(3) بہنا ذرا کھڑے ہو کر دیکھو تو یہ گھوڑا آگیا اور بتا رہا ہے کہ روئے زمین کے بہترین شخص کا فرزند وفات پا گیا۔

(4) حسین مر گئے، ہائے ان کا اس طرح پچھاڑ دیا جانا۔ اس مت کی روشنی پر اب دھند چھا گئی۔

(5) اے موت کیا اس کا کوئی بدل ہے، اے موت کیا اس کا کوئی عوض ہے۔ اللہ میرا پروردگار ان فاجروں سے انتقام لے گا۔

راوی کہتا ہے کہ ام کلثوم نے چیخ ماری، اپنا دوپٹہ اتار پھینکا اور یہ شعر کہے۔

(1) میری مصیبت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ میں اشعار کے ذریعے ماتم کروں۔ یا یہ کہ میرا علم اور میری فکر اس کا احاطہ کرے۔

(2) اپنے ماں جائے کی فرقت کی مصیبت کا پیالہ مجھے پینا پڑا حالانکہ اس سے پہلے میں اپنے پڑوسیوں کی بھی دلداری کیا کرتی تھی۔

(3) آج میں اسے مٹی میں ملا ہوا دیکھ رہی ہوں۔ اگر تحمل سے کام نہ لوں تو میرے خیالات مجھے پاگل کر دیں۔

(4) ہر طرف نگاہوں میں وہی گھوم رہا ہے ۔ اس کی شبیہہ میرے خیالوں میں ہے اور جی ہی جی میں پھر رہی ہے۔

(5) کیسی کیسی میری آرزوئیں تھیں، جن میں میں مگن رہا کرتی تھی۔ مگر فیصلہ تو اللہ کا ہی جاری ہوتا ہے۔

(6) گھوڑا تو آگیا مگر کیسا نا مبارک تھا اس کا آنا۔ کاش چہرہ حسین کا نظر آجاتا جو دشمن سے بدلہ لیتے جاتے۔

(7) کیا ہو گیا اس گھوڑے کو، خدا اسے غارت کرے۔ یہ اس شیر دل شمشیر زن کی بجائے خود کیوں نہ قتل ہو گیا۔

جب باقی خواتین نے ان کے یہ شعر سنے تو باہر نکلیں۔ گھوڑے کو بے سوار اور زین کو خالی دیکھا، تو سب نے اپنے گال پیٹے، گریبان چاک کر دیئے اور یوں بین کرنے لگیں۔

ہائے محمد، ہائے علی، ہائے حسن، ہائے حسین، آج محمد مصطفیٰ مر گئے، آج علی مرتضیٰ مر گئے، آج فاطمہ زہرا مر گئیں۔

پھر ام کلثوم روئیں اور اپنی بہن زینب کی طرف اشارہ کر کے یہ شعر پڑھے۔

(1) زمانے کے الٹ پھیر نے ہم پر بڑا بوجھ ڈال دیا ہے۔ اور اس کی کو نچلیوں اور ناخنوں نے ہمیں ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔

(2) زمانے کے الٹ پھیر نے دیار غیر میں ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور جس انجام کا ڈر تھا اس نے ویسے ہی ڈنک مارے۔

(3) اس نے ہمیں عزیزوں کی موت کا دکھ پہنچایا ہے۔ اور اس کے ہاتھوں نے ہماری یکجہتی پراگندہ کر دی، کیسے سخت تھے اس کے عزائم۔

(4) میرے اس بھائی کو اس نے پچھاڑ دیا جس پر ہماری نگاہیں مصیبت کے وقت پڑتیں تھیں۔ یہ صدمہ اب بے کراں ہو گیا اور اس کے مصائب بہت سخت ہو گئے۔

(5) حسین کے ان کی لاش کے گرد ریت چمک رہی ہے۔ ان کے چلے جانے سے اللہ کے دین پر اندھیرا چھا گیا۔

(6) ان کی وجہ سے مجھ پر وہ افتاد پڑی ہے کہ اگر کوہ رضوی پر پڑتی تو اس کی چولیں ہل جاتیں۔

(7) مجھے صدمہ اس کا ہے کہ میں تو زندہ ہوں اور ان کی ہستی غائب ہے اور ہڈیاں مٹی میں دفن ہیں۔

(8) ایسے شخص سے تعزیت کیونکر کی جائے جس کی آدھی جان نکل چکی ہو یعنی اس کا ایک رخ زندہ ایک مردہ۔

(9) اب میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں جس کے سائے میں مجھے اس وقت پناہ ملے، جب زمانہ مجھ پر وہ کچھ لا ڈالے جس پر میں غالب نہ آ سکوں۔

(10) زمانے کا ہاتھ ہمیں پراگندہ کر رہا ہے حالانکہ ہمارے نانا ایسے رسول ہیں جن کی نوازشیں ساری دنیا میں عام ہیں۔

عبداللہ بن قیس کہتا ہے میں نے گھوڑے کو دیکھا کہ وہ خیمے سے واپس فرات کی طرف گیا اور اپنے آپ کو اس میں گرا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ صاحب الزماں، کے زمانے میں وہ ظاہر ہو گا[122]۔ عبداللہ بن قیس ہی کہتا ہے کہ صفین کے موقع پر جب اعوار سلمی[123] نے مومنوں کے خلاف پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور اس تک کوئی نہ پہنچ سکتا تھا تو امیر المومنین (یعنی حضرت علی) نے حسین کو بھیجا تھا اور انھوں نے وہاں سے اسے (یعنی

---

[122] ابو مخنف کے وقت تک صاحب الزماں کا تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔ گوشت پوست کے انسان امام یا مہدی کہلاتے تھے۔ لیکن جب حسن (العسکری) اس دنیا سے لاولد گئے تو ان کے ایک خیالی فرزند کو یہ لقب دیا گیا ہے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ تحریک کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے اور اس موہوم ہستی کے نام سے عقائد ع اعمال میں ترمیم کی جا سکے اور سیاسی ریشہ دوانیاں ممکن ہوں۔ کیونکہ اس وقت تک اثناء عشریہ نے جن لوگوں کو اپنا امام کہا وہ سب اپنے اپنے عہد کے خلفاء کی بیعت میں تھے۔ اور جماعت کے ساتھ پوری طرح وابستہ۔ صرف حسین نے خروج کیا تھا مگر انجام میں وہ بھی اپنے مقف سے رجوع کر کے امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت میں داخل ہونے کا اعلان کر چکے تھے۔ ان کے بعد حسن العسکری تک ان کے کسی امام نے خروج کا خیال نہیں کیا۔ خفیہ ریشہ دوانیوں کی اور بات ہے لیکن علانیہ خروج سے سب محترز رہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ تحریک کو خود اپنے ہاتھوں میں لیا جائے اور کاروائیوں کی گنجائش نکالی جائے۔ چنانچہ خلافت اسلامیہ کو ہلاکو کے ہاتھوں تباہ کروانا بلکہ ہر مسلم حکومت کو تہس نہس کرنے کی تمام کوششیں اسی لئے کامیاب ہوئیں کہ ظاہر میں کوئی ہستی ایسی نہ رہی جس کے عمل کو مخالف لوگ بطور حجت پیش کر سکیں۔

[123] حضرت اعوار سلمیؓ صحابی ہیں اور ابو مخنف کی یہ روایت محض ہیچ ہے۔

حضرت اعوار سلمی) کو ہٹا دیا تھا۔ جب امیر المومنین نے یہ دیکھا تو فرمایا میرا یہ بیٹا کربلاء میں پیاسا شہید ہو گا اور اس کا گھوڑا ہنہناتا ہوا بد کا پھرے گا۔ اور اپنی ہنہناہٹ (یعنی زبان حال سے) کہتا ہو گا۔ ہائے یہ ظلم، ہائے یہ ظلم۔ اس امت کی طرف سے جس نے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ قران پڑھتے ہیں وہی جو (ان کا نبی) ان کے پاس لایا۔ پھر امیر المومنین نے یہ شعر پڑھے۔

(1) میں حسین کو ان پچھاڑنے سے پہلے ہی مقتول دیکھ رہا ہوں اس یقینی علم کی بنا پر جو خدائی رازوں سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔

(2) کیونکہ کوئی جاندار ہو یا بے جان سب کے سب ایک اندازے کے مطابق وقت معین ہی تک باقی رہے ہیں۔

ابو مخنف کہتا ہے جب خواتین کی چیخیں بلند ہوئیں تو ابن سعد پکارا تمھارا ناس جائے ان پر خیمے گرا دو۔ اور آگ بھڑکا کر ان سب کو جلا ڈالو۔ اس پر ایک شخص نے کہا تیرا ناس جائے ابن سعد کیا تجھے حسین اور ان کے گھر والوں اور مددگاروں کا قتل کافی نہیں جو ان بچوں اور عورتوں کو جلانا چاہتا ہے۔ تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہم سب کو زمین میں دھنسا دے۔

خیام حسینی کی لوٹ مار

پھر لوگ ان پاک خواتین کو لوٹنے کے لئے لپکے۔ زینب بنت امیر المومنین کہتی ہیں میں اس وقت خیمے میں کھڑی تھی کہ اچانک کنجی آنکھوں والا ایک شخص اندر آیا اور جو کچھ خیمے میں پایا لوٹ لیا۔ پھر اس نے علی بن الحسین کو دیکھا وہ بیماری کے سبب چمڑے کے ایک گدے پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس شخص نے وہ گدا ان کے نیچے سے کھینچ کر انھیں زمین پر گرا دیا۔ پھر میری طرف بڑھا اور سر سے دوپٹہ اتار لیا۔ پھر اس نے میرے کانوں کی بالیاں دیکھیں تو انھیں اتارنے لگا۔ ساتھ ساتھ روتا بھی جاتا تھا۔ میں نے کہا میرے بدن سے چیزیں اتارے ہو ساتھ روتے بھی ہو۔ اس نے کہا اے (نبی) کے گھر والو، میں تمھاری مصیبت پر روتا ہوں، میں کہا خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے اور تجھے آخرت کی آگ سے پہلے ہی دنیا کی آگ میں جلا ڈالے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی، خون حسین کا بدلہ لینے کھڑا ہوا، تو یہ ملعون اس کے ہاتھ لگ گیا۔ یہ تھا خولی، جب اس کے (یعنی مختار کے) سامنے کھڑا ہوا تو اس نے پوچھا تم نے کربلا کے دن کیا کیا تھا؟ اس نے کہا علی بن الحسین کے پاس گیا تھا اور ان کے نیچے سے چمڑے کا گدا کھینچ لیا تھا اور میں نے زینب بنت علی کو دوپٹی اور بالیاں چھین لیں تھیں۔ اس پر مختار رو پڑا اور کہا۔ انھوں نے تجھ سے کیا کہا؟ اس نے کہا انھوں نے کہا تھا کہ خدا تیرے ہاتھ پیر کاٹے اور آخرت کی آگ سے پہلے ہی تجھے دنیا کی آگ میں جلا ڈالے۔ مختار نے کہا بخدا میں پاک مظلومہ کی دعا کے مطابق عمل کراؤں گا۔ پھر اسے آگے بلا کر اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور آگ میں جلا دیا۔

راوی کہتا ہے پھر یہ لوگ (یعنی کوفی) علی بن الحسین کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بعض نے کہا۔ انھیں قتل کر دو اور بعض نے کہا چھوڑ دو۔ جب ام کلثوم نے یہ دیکھا تو رو پڑیں اور یہ شعر کہے۔

(1) زمانے نے مجھے ہنسایا تھا اور اب رلاتا ہے۔ زمانے کا الٹ پھیر بھی رنگ رنگ کا ہے۔

(2) کیا ہوا ہمارے وہ نو (جوان) جو کربلاء میں پچھاڑ دیئے گئے اور اب کفن میں لپٹے ہوئے ہیں۔

(3) اور وہ چھ جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یعنی بنو عقیل، جو بہترین شہسوار تھے۔

(4) اور عون سا شیر اور ان کے بھائی جو ان کے معین تھے۔ ان کی یاد سے غم والم تازہ ہو جاتے ہیں۔

پھر عمر بن سعد نے کہا کون ہے جو حسین کی لاش پر جھپٹے اور اسے روند ڈالے۔ دس سوار دوڑ پڑے اور انھوں نے ان کے سینے اور پیٹھ کر بھر تا بنا ڈالا۔ اب خولی اور شمر اور سنان آپ کا سر لے کر ابن سعد کے پاس پہنچے۔ یہ سب آپ کو قتل کرنے پر فخر کر رہے تھے۔

لاشۂ حسین پر نبیوں کی آمد

طرماح بن عدی کہتا ہے میں زخموں سے چور مقتولوں میں پڑا تھا۔ اب اگر میں قسم کھاؤں تو سچی ہو گی۔ کیونکہ اس وقت میں سویا نہیں ہوا تھا۔ میں نے اچانک بیس سوار آتے ہوئے دیکھے۔ ان کے کپڑے سفید تھے اور مشک وغیرہ کی لپٹیں آرہی تھیں۔ وہ لوگ حسین کی لاش کے قریب آئے۔ ان میں سے ایک صاحب آگے بڑھے اور لاش کے پاس بیٹھ کر کوفہ کی طرف اشارہ کیا تو ان کا (یعنی حضرت حسین کا) سر وہاں سے آگیا۔ اور انھوں نے اسے آپ کے جسم سے لگا دیا۔ قدرت الٰہی سے جسم ایسا ہی ہو گیا جیسا پہلے تھا[124]۔ وہ صاحب کہنے لگے۔ بیٹا ان لوگوں نے تمھیں قتل کیا اور تم پر پانی بھی روک لیا۔ اللہ کے مقابلے میں ان کی جرات کیا ٹھیک ہے۔ پھر وہ قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب کی دیکھ کر بولے، اے آدم، اے میرے باپ، اے میرے باپ ابراہیم، اے بھائی موسیٰ، اے بھائی عیسیٰ، کیا آپ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ان سرکشوں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا ہے؟ خدا انھیں میری شفاعت سے محروم رکھے۔

میں نے جو ذرا غور کیا تو معلوم ہوا وہ رسول اللہ تھے۔[125]

---

[124] جب سر جوڑ دیا گیا اور قدرتی طور پر اس سے پیوست ہو گیا تو دوبارہ اسے کس نے کاٹا؟

حضور ﷺ نے عالم برزخ میں حضرت حسین کو نہیں دیکھا تھا جو اس عالم ناسوت میں ان کے جسم کے پاس انبیاء علیہ السلام کو لے کر ماتم کرنے تشریف لائے تھے۔ کیا یہ بدبخت راوی یہ کہنا چاہتا ہے کہ حسین کو شہادت کے بعد عالم ارواح کی طرف عروج نصیب نہیں ہوا؟

[125] طرماح کو کیا یہ شخص صحابی بنانا چاہتا ہے کہ اس نے حضور ﷺ کو پہچان لیا؟

قتل حسین کے بعد

ابو مخنف کہتا ہے پھر وہ لوگ قیدیوں کو اور علی بن الحسین نیز حسن المثنیٰ کو بغیر پالاں اور زیر انداز کے اونٹوں پر بٹھا کر چلے اور مقتولوں کو یونہی چھوڑ گئے، ان کی تدفین آس پاس کی بستی والوں نے کی۔ ان لوگوں نے (یعنی فوجیوں نے) سروں کو نیزوں پر اٹھار کھا تھا۔ ان میں اٹھارہ سر اہلبیت کے تھے۔

جدیلہ اسدی کہتا ہے کہ جس سال حسین شہید کئے گئے اس سال میں کوفہ میں تھا اور میں نے اہل بیت کی خواتین کو دیکھا کہ وہ گریبان چاک کئے بال کھولے اپنے منہ پیٹ رہی تھیں۔ میں نے ایک معمر شخص سے اس طرح رونے پیٹنے اور بین کرنے کی وجہ دریافت کی اس نے کہا یہ سب سر حسین کے سبب ہے۔ ابھی میں وہیں تھا کہ قیدیوں کو لئے لشکر آگیا۔ ان میں، میں نے ایک فربہ اندام حسینہ کو دیکھا جو بغیر پالان اور زیر انداز کے اونٹ پر تھیں۔ میں نے ان کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا یہ ام کلثوم ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور عرض کیا آپ پر جو کچھ گزری ہے وہ بیان کیجئے۔ انھوں نے کہا بڑے میاں آپ کون ہیں۔ میں نے کہا اہل بصرہ میں سے ایک شخص ہوں۔ انھوں بتایا بڑے میاں یوں سمجھو کہ میں خیمے میں تھی اچانک میں نے گھوڑے کی ہنہناہٹ سنی۔ اب جو نکلی تو گھوڑا بغیر سوار کے تھا اور زین خالی پڑا تھا۔ میں چیخ پڑی اور میرے ساتھ دوسری خواتین بھی۔ اس وقت میں نے غیب سے آواز سنی۔ آدمی نظر نہیں آتا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

(1) بخدا میں تمھارے پاس آیا ہی تھا کہ میں نے طف (کربلاء) میں انھیں ایسا ذبح کیا ہوا پایا کہ ان کے رخسار مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے۔

(2) اور ان کے گرد وہ جوان تھے جن کے حلقوں میں سے خون بہہ رہا تھا اور جو چراغوں کی طرح اندھیرے کو نورانی بنائے ہوئے تھے۔

(3) میں نے سواری کو ایڑھی لگائی کہ ان تک جلدی پہنچ جاؤں یعنی قبل اس کے کہ فضائے جنت میں حوریں انھیں گلے لگائیں۔

(4) قضا انھیں کھینچ لائی اور اللہ نے یونہی لکھا تھا۔ خدا کا نافذ کردہ حکم ہو ہی کے رہتا ہے۔

(5) حسین ایک چراغ تھے جن سے روشنی لی جاتی تھی ۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ بات جھوٹ نہیں کہی۔

جنوں کے بادشاہ کی آمد

میں نے اس (غیر مرئی شعر پڑھنے والے سے) پوچھا تمھیں اپنے معبود کی قسم بتاؤ تم کون ہو اس نے کہا میں جنوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہوں، اور اپنی قوم کے ساتھ آیا تھا کہ حسین کی مدد کروں مگر یہاں آکر دیکھا وہ قتل کئے جا چکے تھے[126]۔ پھر اس نے کہا آہ اے ابو عبداللہ تمھارے لئے ہماری بے چینی۔ اور یہ بات اس نے تین دفعہ کہی۔

دخول قیدیوں کا کوفہ میں

راوی کہتا ہے (یعنی جدیلی اسد) کہ پھر وہ لوف اہلبیت کو لئے ہوئے کوفہ میں داخل ہوئے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ علی بن الحسین اونٹ پر بغیر پالان اور زیدانداز کے بیٹھے ہیں اور ان کی رانوں سے خون بہہ رہا ہے۔ وہ روتے جاتے ہیں اور یہ شعر کہتے جاتے تھے۔

(1) اے بری امت تمھاری بستیوں پر پانی نہ برسے۔ اے امت تم نے ہمارے بارے میں ہمارے نانا کے حق کی پاسداری نہیں کی۔

(2) اگر کل قیامت کے ہم اور رسول اللہ یکجا ہوں گے تو اس وقت تم کیا کہو گے۔

(3) تم ہمیں ننگی کاٹھیوں پر بٹھا کر اس طرح لے جا رہے ہو جیسے ہم نے تمھیں دین میں پختگی نہ دی ہو۔

(4) اے بنو امیہ ان مصیبتوں کے بارے میں تمھارا یہ طرز عمل کیسا ہے کہ تم نے ہمارے داعی (کی آواز) پر کان نہ دھرے۔

(5) تم خوش ہو ہو کر ہم پر تالی پیٹتے ہو اور یہ تم ہی ہو جو ہمیں زمین کی وادیوں میں لئے پھرتے ہو۔

(6) تمھارا ناس جائے کیا رسول خدا میرے نانا نہیں ہیں جنھوں نے گم راہوں کے راستے سے ہٹا کر ہدایت کی راہ دکھائی۔

---

[126] جنوں کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں انھیں دیر نہیں لگتی کیونکہ ان کا وجود ناری ہونے کے سبب فضاء میں سرعت کے ساتھ نفوذ کر سکتا ہے اور مادی اشیاء ان کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں۔ لیکن راوی نے ہر جگہ جنوں کو بعد از وقوع موقع پر پہنچتا دکھایا ہے۔ محض داستان سرائی کے لئے۔ پھر جنوں کا سہارا بھی اسی لئے لیا گیا ہے کہ عالم اسلام نے حادثہ کربلا کو کوئی اثر نہیں لیا تھا سوائے افسوس و رنج کے جو ایسی قیمتی جانیں بے وجہ ضائع ہونے سے قدرتی طور پر ہوتا ہے۔ امت میں کسی قسم کی بے چینی نہ تھی۔ تمام امور خلافت وہ داخلی ہوں یا خارجی بحسن و خوبی انجام پاتے رہے، اختلال کی صورت حضرت ابن زبیر نے اپنی خلافت کے لئے پیدا کی مگر اسے باآسانی فرو کر دیا گیا اس لئے کہ اہل مدینہ کی اکثریت خروج کے خلاف تھی اور امیر المومنین یزیدؒ کی حمایت پر۔

(7)اے طف (کربلاء) کے حادثے تو نے میرے دل میں مستقل داغ ڈال دیا ہے۔ اب خدا ہی ہے جو گم راہ کرنے والے لوگوں کے راز کا پردہ فاش کرے۔

راوی کہتا ہے کہ اہل کوفہ نے بچوں کو کچھ کھجوریں اور اخروٹ کھلانا چاہے، تو ام کلثوم نے زور سے کہا، اے اہل کوفہ! ہم پر صدقے کا مال حرام ہے۔ اور آپ نے بچوں کے ہاتھ سے وہ چیزیں لے کر پھینک دیں۔ اس پر لوگوں کی آہ وبکاء سے فضا بھر گئی۔ یہ دیکھ کر ام کلثوم نے فرمایا تمھارے مرد تو ہمیں قتل کرتے ہیں اور تمھاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ تم نے ہم پر وہ ظلم وجور ڈھایا ہے اور ایسی دہشتناک حرکت کی ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔ ابھی وہ یہ بات کر ہی رہیں تھیں کہ اچانک چیخیں بلند ہوئیں۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حسین کا سر ہے اور اس کے ساتھ اٹھارہ سے اہل بیت کے ہیں۔ جب ام کلثوم نے بھائی کا سر دیکھا تو رونے لگیں اور گریبان چاک کر دیا اور یہ شعر پڑھے۔

(1)اس وقت تم لوگ کیا کہوں گے جب تمھارے نبی تم سے سوال کریں گے کہ تم جو آخری امت تھے کیا کر ڈالا۔

(2)میرے بعد میری اولاد اور میرے اہلبیت کے ساتھ جن میں کوئی قیدی ہے کوئی خون میں نہایا ہوا۔

(3)میں نے تو تمھاری خیر خواہی کی تھی۔ اس کی جزاء یہ تو نہ تھی کہ میرے رشتے داروں میں اس برے انداز میں میری نیابت کرو۔

(4)مجھے تمھارے متعلق یہ خوف ہے کہ تم پر بھی کہیں وہ عذاب نازل نہ ہو جو قوموں پر ایسی حرکتوں کے سبب آیا کرتا ہے۔

سہل شہر زوری کہتا ہے کہ اسی سال جب میں حج سے واپسی پر کوفہ پہنچا تو دیکھا کہ بازار بند پڑے ہیں، دکانوں پر تالے ہیں اور لوگوں میں کوئی روتا ہے اور کوئی ہنستا ہے، میں ایک معمر شخص کے پاس گیا اور پوچھا کیا بات ہے کہ میں لوگوں میں سے کسی روتا پاتا ہوں اور کسی کو ہنستا۔ کیا آج تم لوگوں کا کوئی تہوار ہے، جسے میں نہیں جانتا؟۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور راستے سے ہٹا کر ایک طرف لے گیا پھر اس قدر رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ بالا اخر کہنے لگا کہ میرے آقا ہمارا کوئی تہوار نہیں، بخدا ان لوگوں کا رونا ان دو لشکروں کی وجہ سے ہے۔ ایک لشکر فتح مندوں کا ہے اور ایک مقتولوں کا۔ میں نے کہا، یہ دونوں لشکر کونسے ہیں، کہنے لگا حسین کا لشکر مقتولوں کا ہے اور ابن زیاد کا لشکر فتح مندوں کا، پھر بلک بلک کر رونے لگا۔ اور یہ شعر پڑھے۔

(1)میں آل محمد کے گھروں پر گزرا، تو ان جیسے گھروں پر جو افتاد پڑی وہ میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

(2)تو خدا ان گھروں کو اور ان میں رہنے والوں کو (اپنی رحمت سے) دور نہ کرے اگرچہ فی الحال خاکم بدہن وہ خالی پڑے ہیں۔

(3)کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حسین کے قتل کے سبب سورج بیمار پڑ گیا ہے اور شہروں پر اداسی چھا گئی ہے۔

(4)وہ لوگ جو مخلوق کے فریادرس تھے، آج خود مصیبت میں ہیں۔ واقعی یہ مصائب سخت ہیں اور بہت سخت۔

(5)کیا تم نے نہیں دیکھا رسول خدا کے مقتولوں نے جب (دنیا سے) منہ موڑا تو چودھویں رات کا چاند گہنا گیا۔

(6)اور یہ کہ آل ہاشم میں سے جو بھی کربلاء میں شہید ہوا، اس کے سبب مسلمانوں کی گردنیں بسبب شرم جھک گئیں۔ اور ذلت سے پست ہوئیں۔

(7)وہ مقتول جو پیاسا تھا اور قوم نے اسے ایک گھونٹ پانی تک نہ دیا بلکہ اس کے (خون سے) ان کے بھالوں کی پیاس بجھی اور وہ خوب سیر ہو گئے۔

(8)اے کاش وہ شخص جو ان کی طرف تلوار لے کر بڑھا تھا اس کا داہنا ہاتھ بے کار اور شل ہو جاتا۔

سہل کہتا ہے کہ ابھی (اس معمر شخص) کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ میں نے سنا کہ نفیریاں بج رہی ہیں، جھنڈے پھڑ پھڑا رہے ہیں اور لشکر ہے کہ کوفہ میں داخل ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی میں نے لوگوں کی چیخوں پر چیخیں سنیں۔ دیکھا تو حسین کا سر چمک رہا ہے اور اس سے نور کی کرنیں پھوٹی پڑتیں ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی عبرت ہوئی۔ پھر قیدی آئے۔ ان میں سب سے آگے علی بن الحسین تھے۔ اور ان کے بعد ام کلثوم تھیں جو بلند آواز سے کہہ رہیں تھیں، اے اہل کوفہ ! تم کو اللہ اور اس کے رسول سے شرم نہیں آتی کہ تم رسول خدا کے حرم کی طرف نگاہ اٹھاتے ہو حالانکہ ان کے سر ننگے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ وہ لوگ (یعنی فوجی) خزیمہ کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ حسین کا سر ایک لمبے نیزے پر تھا اور سورہ الکھف کی تلاوت کر رہا تھا۔ تا آنکہ اس آیت پر پہنچا "حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من ایتنا عجبا" (کیا تمھارے ذہن میں ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں کیسے عجیب تھے) سہل کہتا ہے میں رو پڑا اور کہا اے رسول خدا کے نور چشم آپ کا سر ان سے عجیب تر ہے۔

پھر میں بے ہوش گیا اور جب تک اس (سر) نے سورۃ ختم نہ کی مجھے ہوش نہ آیا۔

ابن زیاد گورنر کی پیشی میں

ان سب خواتین کو لوگ پھر ابن زیاد کے پاس لے گئے اور سب کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ علی بن الحسین نے فرمایا عنقریب ہم بھی کھڑے ہوں گے اور تم بھی، ہم سے بھی سوال ہو گا اور تم سے بھی۔ اس وقت رسول اللہ کے سامنے تمھیں کوئی جواب نہ سوجھے گا۔ ابن زیاد یہ سن کر چپ ہو گیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ خواتین کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا تم میں سے ام کلثوم کون سی ہیں۔ انھوں نے جواب نہیں دیا۔ اس پر اس نے (یعنی امیر ابن زیاد) کہا تمھیں اپنے نانا رسول اللہ کا ہی واسطہ کہ تم مجھ سے بولو، انھوں نے کہا تمھارا مطلب کیا ہے؟ اس نے کہا تم سب بھی جھوٹے اور تمھارے نانا بھی۔ تم سب رسوا ہوئے اور اللہ نے تمھیں میرے قبضے میں دے دیا۔ انھوں نے (یعنی سیدہ ام کلثوم نے) کہا او خدا کے دشمن، اور حرام زادے کے بیٹے، رسوا ہو تا ہے فاسق جھوٹ بولتا ہے فاجر۔ کذب و فجور تو بخدا حصہ تیرا ہے، تجھے جہنم کی بشارت ہو۔ اس پر ابن زیاد ہنس پڑا اور کہا میں جہنم میں گیا بھی تو کیا ہے، دل تو میرا ٹھنڈا ہو گیا۔ انھوں نے (یعنی سیدہ ام کلثوم) نے کہا اور حرام زادے کے بیٹے تو نے زمین کو اہل بیت کے خون سے سینچا ہے۔ ابن زیاد نے کہا اے بہادر شخص کی بیٹی اگر تو عورت نہ ہوتی تو میں تیری گردن مار دیتا۔ انھوں نے جب یہ سنا تو روئیں اور یہ شعر پڑھے۔

(1) تمھاری ماں تم پر روئے تم نے میرے بھائی کو بے جرم و خطا قتل کیا۔ عنقریب تمھیں اس کے بدلے میں جہنم کی آگ ملے گی جو برابر پھونکی جا رہی ہے۔

(2) تم نے میرے بھائی کو قتل کیا ان کے حرم کی بے حرمتی کی اور ان کا مال لوٹ لیا۔ اس پر اللہ گواہ ہے۔

(3) تم نے وہ خون بہایا جس کا بہانا خدا نے حرام کیا تھا۔ اسے قران نے بھی حرام کیا ہے اور پھر محمد نے بھی۔

(4) تم نے خواتین کو ذلیل کر کے ننگے سر باہر نکالا۔ اور تم بچوں کو بھی قتل کرنے اور ذبح کرنے کا قصد کرتے ہو۔

(5) بہت سخت ہے یہ بات میرے نانا پر، بہت سخت ہے یہ بات میرے والد پر، بہت سخت ہے یہ بات میری والدہ پر، کون ہے جو میری مدد کو آئے۔

(6) ہائے افسوس اس شہید پر جو دیار غیر میں کام آیا۔ اور ہائے حسرت اس اسیر پر جو پابجولاں ہے۔

(7) ہائے وہ آفت جو مجھ پر آئی اور ہائے وہ صدمہ جو میرے والد پر پڑا کہ (حسین کا) سے نیزے پر باندھا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ سب کے سب قیدی ابن زیاد کے سامنے لائے جاتے رہے اور وہ دائیں بائیں ان پر نگاہ ڈالتا رہا۔ زینب کے سر کی چادر اور کانوں کی بالیاں چھین لی گئی تھیں۔ ان کے بال کھلے ہوئے تھے اور اپنا سر آستین سے ڈھکے ہوئی تھیں۔ ابن زیاد نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ زینب ہیں، حسین کی بہن۔ تو وہ ان سے یوں مخاطب ہوا۔ اے زینب تمھیں اپنے نانا کا ہی واسطہ مجھ سے کچھ بولو۔ انھوں

نے کہا اور خدا اور اس کے رسول کے دشمن، تو نے ہر نیک و بد کے سامنے ہماری بے حرمتی کی۔ اس نے (یعنی امیر ابن زیاد) نے کہا تم نے اپنے اور اپنے بھائی کے ساتھ خدا کا کرنا دیکھا۔ وہ چاہتے تھے کہ یزید سے خلافت لے لیں۔ مگر ان کی آرزوئیں خال میں مل گئیں۔ اور ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اللہ نے ہمیں ان پر فتح دی۔ انھوں نے (یعنی سیدہ زینب نے) کہا او مرجانہ کے بیٹے تیرا ناس جائے، اگر میرے بھائی کو خلافت کی طلب تھی تو وہ تھی ہی ان کے باپ اور نانا کی میراث، لیکن تو اپنی بریت کے جواب تیار کر لے جب قاضی اللہ ہو گا، مدعی محمد ہوں گے اور قید خانہ جہنم ہو گا۔[127]

زین العابدین[128] کو اپنی پھوپھی صاحبہ کے معاملے میں غیرت آئی اور انھوں نے کہا اے ابن زیاد تو کب تک میری پھوپھی کی بے حرمتی کرتا رہے گا اور جو لوگ انھیں جانتے نہیں ان تو ان کی شخصیت ظاہر کرتا رہے گا؟ ابن زیاد کو اس پر غصہ آ گیا۔ اس نے اپنے ایک حفاظتی دستے کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو لے جاؤ اور اس کی گردن مار دو۔ جو نہی سپاہیوں نے انھیں اپنی طرف کھینچا زینب ان سے لپٹ گئیں اور چیخ پڑیں۔ ہائے بے چارگی، ہائے بھیا، اے ابن زیاد اب تم ہمیں دوہری ایذا پہنچانی چاہتے ہو۔ اس پر اس لعین نے ان کی وجہ سے در گزر کی۔ پھر اس نے (یعنی امیر ابن زیاد نے) خولی اصبحی کو بلایا اور کہا یہ سر لے جاؤ تا آنکہ اس کے بارے میں تم سے دوبارہ پوچھوں۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اس کی دو بیویاں تھیں، ایک مصری اور ایک تغلبی۔ اول وہ مصری کے پاس گیا۔ اس نے پوچھا یہ سر کیسا ہے؟ اس نے کہا حسین کا ہے۔ اس نے کہا واپس لے جاؤ اور ایک ڈنڈا اٹھا کر اس کے سر پر مارا اور کہا نہ میں تیری بیوی نہ تو میرا شوہر، وہ وہاں سے چل دیا۔ اور تغلبی کے ہاں گیا۔ اس نے کہا یہ سر کیسا ہے؟ تو ملعون کہتا کیا ہے کہ یہ سر ایک خارجی کا ہے۔ جس نے عراق میں بغاوت کی تھی اور اسے ابن زیاد نے قتل کر دیا۔

اس شخص کا نام کیا ہے؟ تو اس نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اور (سر) اسی کے پاس رکھ کر رات گزاری۔ اس کی بیوی کہتی ہے کہ میں نے اس سر کو طلوع فجر تک تلاوت کرتے سنا ہے۔ اور آخری آیت جو اس نے پڑھی وہ یہ تھی "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون" (جن لوگوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ جب لوٹ کر جائیں گے تو ان کا ٹھکانا کہاں ہو گا)۔ پھر میں نے اس کے آس پاس ایسی گڑ گڑاہٹ سنی جیسی گرج کی ہوتی ہے اور میں سمجھی یہ کہ فرشتوں کی تسبیح کی گونج ہے۔[129]

---

[127] نانا کی میراث کا تصور سبائی ہے۔ صحابہ کرام اور آل بیت اس تصور سے بری ہیں۔ رہا امیر زیاد کا حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم تو محض کذب ہے۔ انھوں نے صرف امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور وہ بھی اس وقت جب حسین نے خود اعلان کر دیا تھا کہ لوگوں کے بلانے پر حصول خلافت کے لئے آئے ہیں۔ اس سے پہلے تک حکومت کے کسی والی نے ان سے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اور سب کو ان کا بیعت سے انکار کرنا اس لئے گوارا تھا کہ ان کی طرف سے خروج کا اندیشہ نہ تھا۔ سبائیوں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہونے کے بعد تک بھی امیر مکہ کی یہ کوشش تھی کہ واپس آ جائیں، احترام سے رہتے رہیں، ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ مورخین نے بتایا ہے کہ خود حضرت حسین نے تین شرطیں پیش کیں تھیں جن میں امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت کرنا بھی شامل تھی۔ اسی لئے دمشق کے راستے پر چل رہے تھے اور کوفہ کے راستے سے پلٹ گئے تھے۔ قتال کی سورت تو ان سبائیوں نے پیدا کی جو آپ کے ساتھ مکہ سے آ رہے تھے اور حضرت حسینؓ کے امیر المومنین یزیدؒ کے پاس دمشق پہنچنے میں مانع تھے۔ ملاحظہ ہو تعلیقہ "حادثہ کربلاء"

[128] علی بن الحسین اپنے زمانے میں اس لقب سے ملقب نہ تھے۔ تیسری صدی ہجری میں ائمہ اثنا عشریہ کے یہ لقب تجویز ہوئے سوائے علی الرضا کے لقب کے بعد جو خلیفہ مامون الرشید نے دیا تھا۔

[129] زندگی کے آخری لمحے تک اس کذاب و مفتری نے حضرت حسین کو ہائے وائے کرتے اور آدمیوں کی دہائی دیتے دکھایا ہے لیکن جب بقول اس کے ان کا سر تن سے جدا ہو گیا تو اس کی کرامتیں ظاہر ہوئیں اور قران کی تلاوت میں کٹا ہوا سر مشغول ہوا۔

(2) یہ شخص اس موہوم ہستی عبداللہ بن عفیف ازدی کو صحابی باور کرانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ نام نہ الاصابہ میں ہے اور نہ الاستعیاب میں۔ چونکہ صحابہ کرام سب کے سب اس خروج کے خلاف تھے اور اسے ناجائز جانتے تھے اس لئے سبائیہ نے ان خیالی صحابیوں کی حمایت کا سہارا لیا ہے تاکہ اجماع صحابہ میں میں اختلال کی کچھ صورت نکالی جا سکے۔ مگر یہ سب ہتھکنڈے بیکار گئے اور امیر المومنین یزیدؒ پر جو اجتماع تھا وہ برقرار رہا۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ صبح ہوئی تو ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر علی اور حسین کو برا کہنے لگا۔ اس پر عبد اللہ بن عفیف ازدی کھڑے ہوئے(128)

وہ بہت بوڑھے تھے اور ان کی آنکھیں جاتی رہیں تھیں اور انھیں رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ انھوں نے کہا چپ رہ، خدا تیرا منہ توڑے، تیرے دادا اور باپ پر لعنت کرے، تجھے ذلت کا عذاب دے اور جہنم میں تیرا ٹھکانہ بنائے۔ کیا تجھے حسین کا قتل کافی نہیں تھا جو تو ان حضرات کو منبر پر گالیاں دے رہا ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ کو گالی دی اور جس نے اللہ کو گالی دی وہ اسے ناک کے بل جہنم میں جھونک دے گا۔

مقتل عبد اللہ بن عفیف

ابن زیاد نے انھیں (عبد اللہ بن عفیف کو) قتل کرنے کا حکم دیا، مگر ان کی قوم نے انھیں بچا لیا اور گھر لے گئے۔ جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے خولی اصبحی کو بلایا اور پانچ سو سوار اس کے ساتھ کر کے حکم دیا۔ اس زادی کے یہاں جاؤ اور اس کا سر میرے پاس لاؤ۔ وہ لوگ چلے اور عبد اللہ بن عفیف کے گھر پہنچے۔ ان کی ایک کمسن بچی تھی۔ اس نے جو گھوڑوں کا ہنہنانا سنا تو کہا ابا جان آپ کے دشمن آپ پر چڑھ آئے۔ انھوں نے کہا میری تلوار مجھے دو اور اپنی جگہ کھڑی رہو، مگر بتاتی جاؤ کہ تمھارے دائیں بائیں آگے پیچھے کون ہے۔ پھر وہ ان کے مقابلے کے لئے ایک تنگ جگہ کھڑے ہو گئے اور دائیں بائیں تلوار چلانی شروع کر دی اور ان کے پچاس سوار مار گرائے۔ وہ برابر نبی اور ان کی آل پر درود کے ساتھ یہ شعر بھی پڑھتے جاتے۔

(1) بخدا اگر میری آنکھیں کھول دی جائیں تو میرا موقع پر پہنچنا اور گھر سے نکلنا تم پر زمین تنگ کر دے۔

(2) تمھارے خلاف جو میرے دل میں غیظ و غضب ہے اسے میں تسکین دیتا اس لئے کہ میری قوم نے آج عہد پورا نہیں کیا۔

(3) اب میں کیا کر سکتا ہوں کیونکہ اصبحی (یعنی خولی) اپنے لشکر کے ساتھ (مجھ جیسے) شیر کے مقابلے پر آ گیا ہے۔

(4) اگر وہ اکیلے اکیلے مجھ سے لڑنے آتے تو میرا موقع پر پہنچنا اور گھر سے نکلنا ان پر زمین تنگ کر دیتا۔

راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے بالآخر ان پر ہجوم کر کے انھیں گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس لے گئے، اس نے (یعنی امیر ابن زیاد نے) انھیں دیکھا تو کہا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھاری آنکھیں اندھی کر دیں۔ عبد اللہ عفیف نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھارا دل اندھا کر دیا۔ ابن زیاد نے کہا۔ خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمھیں بری طرح قتل نہ کروں۔ اس پر عبد اللہ ہنس پڑے اور کہا میری دونوں آنکھیں صفین کے دن امیر المومنین (یعنی علی) کی معیت میں جاتی رہیں اور میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ مجھے بدترین شخص کے ہاتھوں شہادت نصیب کرے، اور روئے زمین پر مجھے تم سے زیادہ بدتر آدمی کوئی نظر نہیں آتا۔ اور پھر یہ شعر پڑھے۔

(1) مجھے ہوش آ گیا اور میں نے جوانی کی ترنگ اور گانے بجانے کے مشاغل چھوڑ دئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا (حق کی طرف) بلانے والے کی پکار سنو۔

(2) جب وہ سیدھی راہ دکھانے کھڑا ہو اور دشمنوں کو قتل کرنے کے لئے بلائے تو اس سے کہو اے داعی ہم حاضر ہیں۔

(3) جب میدان کارزار گرم ہو تو تم اس کی طرف سے کھڑے ہو جاؤ کیونکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا پھل ملتا ہے۔

(4) ہر ہلکے پھلکے بدن کی سانڈنی دشمن کی طرف دوڑاؤ اور سبک رو گھوڑے اور صبار فتار اونٹنیاں۔

(5) دشمن کی طرف تلواریں اور نیزے لے کر بڑھو۔ اور نعروں کے ساتھ ان کی طرف حربے لہراؤ۔

(6) اس شخص کے لئے دل گداز کرو جس کے نانا اور والد بہترین خلق تھے یعنی حسین جو ہمیشہ ہدایت دیتے رہتے تھے۔

(7) دیکھو روؤ حسین کے لئے جو سخاوت اور پرہیز گاری کی کان ہیں اور جنھیں امید ہے کہ انھیں دوگنا ثواب ملے گا۔

(8) دیکھو جب سورج نکلے تو حسین کے لئے روؤ اور جب رات اندھیری ہو جائے تو تب بھی امام ہی پر روؤ۔

(9) حسین پر ہر شخص روتا ہے، وہ ننگے پاؤں ہو یا جوتا پہنے یا سوار ہو کر زمین پر چلتا ہو یا پیادہ۔

(10) خدا لعنت کرے اس غدار قوم پر جنھوں نے انھیں خط بھیجے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی دین کا حمایتی نہ تھا۔

(11) ان میں سے کسی نے نہ اس وقت عہد پورا کیا جب جنگ میں تیزی آئی اور نہ گم راہ لوگوں کو ان کی (یعنی حسین کی) طرف سے ڈانٹ پلائی۔

(12) کسی کے منہ سے نہ نکلا کہ انھیں قتل مت کرو ورنہ خسارے میں رہو گے کیونکہ جو بھی پاک لوگوں کو قتل کرتا ہے خسارے میں رہتا ہے۔

(13) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے عہد نہ توڑا ہو، ان سے عداوت نہ رکھی ہو اور دشمنی کے سبب گناہ کمانے ان کے مقابلے پر نہ آیا ہو۔

(14) حسین کا جسم نیزوں سے چھدا پڑا ہے۔ میدان طف (کربلاء) میں ان کے حقوق پامال کر کے، ان کے ساتھ غدر کر کے انھیں مار ڈالا گیا ہے۔

(15) انھیں ایسے قتل کر دیا گیا جیسے ان کی اصل کا کسی کو پتا ہی نہ ہو۔ خدا اس قوم کو ذلت کا بدلہ دے جو ان سے لڑی۔

(16) اے کاش میں اس وقت ان کے (یعنی حسین کے) ساتھ شامل ہو سکتا اور ان کی طرف سے فاسقوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو فدا کر دیتا۔

(17) ان کی مدافعت میں مقدور بھر جہاد کرتا اور اپنی تلوار اور نیزے سے ان کے جسم چھید تا۔

(18) لیکن میرا عذر ظاہر ہے اور پوشیدہ نہیں یعنی میرا بیٹھ رہنا محض تعطل و معذوری کے سبب تھا۔

(19) اے کاش ان کے (یعنی حسین کے) ہمنواؤں کی طرح میرے ساتھ بھی غداری کی جاتی اور ان کی طرف سے قتل گاہ میں بھی قربان ہوتا۔

(20) اور اے کاش ان کی طرف سے، اپنے کنبے، اپنے احباب، اور اپنی سب پونجی کے ساتھ جہاد کرتا۔

(21) ان کے اس طرح دنیا سے چلے جانے کی عظمت ایسی تھی کہ کائنات میں زلزلہ آ گیا۔ گویا ایک مضبوط قلعہ تھا جو ان کے سبب منہدم ہو گیا۔

(22)ان کے قتل کی عظمت ایسی تھی کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گئے اور ان کے غم میں پہاڑوں کی سر بلند چوٹیاں سر نگوں ہو گئیں۔

(23)ان کے قتل کے صدمے سے دو پہر کا چمکتا سورج گہنا گیا اور کائنات کی پہنائیوں میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔

(24)اے امت جو راہ حق وراستی سے ہٹ گئی خدا کی طرف فروتنی سے جھک جا کیونکہ بالادستی تو خدا کے حکم کو ہی ہوتی ہے۔

(25)توبہ قبول کرنے والے (پروردگار) کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم نے توبہ نہ کی تو رسوا ہو گے۔

(26)شمشیر وسناں لے کر جہاد کرو گے تو تمھیں بھی ویسی ہی کامیابی نصیب ہو گی۔ جیسے تم سے پہلے لوگ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے۔

(27)ہمارے بھائی (یعنی شہداء کربلاء) ایسے تھے کہ جب رات کا اندھیرا چھا جاتا تو پوری رات وہ قران اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کیا کرتے تھے

(28)انھیں سخت دل باغیوں نے قتل کر دیا۔ تو کب تک (ان باغیوں کے خلاف) ایک غارت گر لشکر کھڑا نہیں کیا جائے گا۔

(29)ان پر اللہ کا سلام ہو جب تک نسیم سحر چلے، جب تک ستارے چمکیں اور آفتاب (ابھرتا) ڈوبتا رہے۔

راوی کہتا ہے جب وہ شعر پڑھ چکے تو ابن زیاد کے حکم سے ان کی گردن مار دی گئی۔ اور پھر سولی پر لٹکا دیا گیا[130]۔ اس کے بعد ابن زیاد نے سر حسین طلب کیا اور اسے عمرو بن جابر مخزومی کے سپرد کر کے حکم دیا کہ کوفہ کی گلیوں میں اسے گھمایا جائے۔ زید بن ارقم سے (مراد غالباً سیدنا زید ابن ارقمؓ صحابی سے ہے) مروی ہے کہ جب میرے قریب سے حسین کا سر گزرا، اس وقت میں بالاخانے پر بیٹھا تھا اور سر ایک طویل نیزے پر تھا۔ میں نے سنا کہ وہ (سر) پڑھ رہا تھا۔ "ام حسبت ان اصحب الکھف والرقیم کانوا من ایتنا عجبا" (کیا تمھیں خیال ہے کہ اصحاب کہف ق رقیم ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے) تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے کہا اے فرزند رسول آپ کا سر عجیب تر ہے۔[131]

[130] ایک موہوم اندھا شخص جسے صحابی بنا دیا گیا ہے، بھرے دربار میں امیر کو ٹوکتا ہے اور سخت سست کہہ کر انھیں اتنا غضبناک کر دیتا ہے کہ وہ اس کے قتل کا حکم دے دیتے ہیں۔ لیکن اس کی قوم اسے چھڑا کر لے جاتی ہے۔ پھر جب 500 آدمیوں کی فوج اسے گرفتار کرنے پہنچتی ہے تو اس کی قوم چپ سادھے بیٹھی رہتی ہے اور اکیلے اسی کو شمشیر زنی کرنا ہوتی ہے تا آنکہ بہت سے لوگوں کو مار کر وہ گرفتار ہو جاتا ہے پھر امیر کے سامنے جا کر 29 شعروں کا قصیدہ مقتولوں کی شان میں پڑھتا ہے اور امیر اطمینان سے سنتے رہتے ہیں حالانکہ یہ قصیدہ انھی لوگوں کی مدحت میں ہے جنھیں اس راوی کے بقول امیر نے مسجد میں منبر پر گالیاں دیں تھیں۔ جب قصیدہ مکمل ہو جاتا ہے تب امیر کو ہوش آتا ہے اور اسے قتل کر دیتے ہیں۔ کیسی دلچسپ ہے یہ داستان اور کیا حافظہ ہے اس راوی کا کہ سو برس بعد یہ قصہ من وعن سنا دیتا ہے۔

[131] اگر مراد حضرت زید بن ارقمؓ صحابی سے ہے تو اس راوی کا کذب محض ہے کہ عین اس وقت آپ کوفہ میں موجود تھے اور سر حسین کی یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی۔ مگر یہ کرامت انھیں اس وقت یاد نہ آئی جب چار برس بعد اہل مدینہ نے حضرت ابن الزبیر کے داعیوں کے بھڑکانے پر امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اس وقت حضرت زید کو چاہیے تھا کہ آل ہاشم اور اکابر صحابہ کو یہ واقعہ بتاتے اور کہتے کہ ایسے صاحب کرامات جن کا کٹا ہوا سر قران پڑھتا تھا، اسی قابل ہے کہ سب مل کر اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں مگر انھوں نے کیا یہ کہ اس بغاوت سے دور رہے اور اس اقدام کو غلط قرار دیا، محض غلط ہی نہیں بلکہ اس معصیت جانا۔ چنانچہ بخاری میں ہے (جلد 3 صفحہ 203 طبع مصر)

پھر ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن اور خولی کو بلا کر ڈیڑھ ہزار فوج کے ساتھ حکم دیا کہ قیدیوں اور سروں کا شام لے جائیں اور راستے بھر ان کی نمائش کرتے پھریں۔ سہل کہتا ہے جب میں نے یہ بات دیکھی تو سامان سفر تیار کر کے میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جب یہ لوگ قادسیہ پہنچے تو ام کلثوم علیہ السلام نے یہ شعر پڑھے۔

(1) میرے مردوں کو موت آگئی اور زمانے نے میرے سرداروں کو فنا کر دیا۔ اس طرح قلق پر قلق حسرتوں پر حسرتوں کا اضافہ کیا۔

(2) ان کمینوں نے ہمیں قید کر لیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ ہم اس کی بیٹیاں ہیں جسے ہدایتیں دے کر (خدا کی طرف سے) بھیجا گیا تھا۔

(3) یہ ہمیں ننگی کاٹھیوں پر لئے جا رہے ہیں، جیسے ہمیں غنیمت میں حاصل کیا گیا ہو۔

(4) یا رسول اللہ ان لوگوں کی یہ حرکت آپ پر کتنی سخت ہو گی، جو اے سرور عالم انھوں نے آپ کے گھر والوں کے ساتھ کی۔

(5) اے لوگو! تمھارا ناس جائے تم نے رسول اللہ کی نافرمانی کی حالانکہ انھوں نے تمھیں گمراہوں میں بھٹکنے سے نجات دی تھی۔

"حضرت ان بن مالک فرماتے ہیں کہ مجھے حرہ میں کام آنے والے لوگوں کا صدمہ تھا۔ تو زید بن ارقم نے مجھے خط لکھا، آپ کو میرے سخت رنج کی اطلاع پہنچی تھی۔ آپ نے مجھے (اس خط میں) یاد دلایا کہ آپ نے حضور کو یہ دعا کرتے سنا تھا کہ خدایا انصار کو بخش دے اور انصار کے بیٹوں کو بھی۔ ابن فضل (یعنی راوی حدیث) کہتے ہیں مجھے اس میں شک ہے کہ بیٹوں کے بیٹوں کو بھی فرمایا تھا کہ نہیں۔ بہر حال حضرت زید بن ارقم نے حضرت انس کر تسلی دی کہ اس دعا کی برکت سے اللہ ان انصاری جوانوں کو بخشش سے نواز دے گا جنھوں نے اس ہنگامے میں حصہ لیا"۔ سر حسین کی کرامت دیکھنے کے بعد حضرت زید بن ارقم کا یہ موقف کبھی نہیں رہ سکتا تھا کہ وہ امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف خروج کو معصیت قرار دیں اور ان حضرات کے ہمنوا ہوں جو اس ہنگامے کو خدا اور رسول سے غداری قرار دیتے تھے۔ مثلاً تمام بنو ہاشم، حضرت عبداللہ بن عمر اور اکثر انصار اور اہل مدینہ کی بھاری اکثریت۔

حدیث ام سلمہؓ

(حضرت ام المومنین سیدہ) ام سلمہ (صلوات اللہ علیہ) نبی کی زوجہ (مطہرہ) فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی لیٹے ہوئے تھے اور حسین آپ کے پیٹ پر کھیل رہے تھے، اور رسول خدا کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے دیکھ دیکھ کر آپ روتے جاتے تھے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، یا رسول اللہ یہ رونا کس بات پر ہے؟ آپ نے فرمایا اے ام سلمہ! یہ مٹی ہے جو جبریل (علیہ السلام) سرزمین کربلاء سے میرے پاس لائے ہیں۔ اسے تم اپنے پاس شیشی میں رکھ لو۔ یہ جب تازہ تازہ خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا میرا بیٹا حسین قتل کر دیا گیا ہے۔

(حضرت ام المومنین سیدہ) ام سلمہ (صلوات اللہ علیہ) نبی کی زوجہ (مطہرہ) فرماتی ہیں کہ میں نے وہ مٹی ایک شیشی میں ڈال کر اپنے گھر میں رکھ لی جب حسین عراق کو چل دیئے تو ام سلمہ روزانہ وہ شیشی دیکھا کرتیں تھیں۔ جب حسین کے شہید ہونے کا دن آگیا۔ اور وہ شیشی کے پاس آئیں تو دیکھا کہ وہ مٹی خالص خون بن گئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے جان لیا کہ حسین شہید کر دیئے گئے۔

اس پر آپ (سیدہ) نے فرمایا بخدا نہ وحی غلط تھی نہ رسول اللہ نے غلط بات کہی۔

(حضرت ام المومنین سیدہ) ام سلمہ (صلوات اللہ علیہ) نبی کی زوجہ (مطہرہ) فرماتی ہیں کہ جب رات آئی اور میں سو گئی تو رسول اللہ کو دیکھا کہ آپ کا سر اور داڑھی خاک آلود ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میں آپ پر قربان یہ خاک کیسی ہے جو میں آپ کے سر اور داڑھی میں دیکھ رہی ہوں۔ رسول اللہ نے فرمایا اے ام سلمہ میں ابھی اپنے بیٹے حسین کے دفن سے آرہا ہوں۔ ام المومنین فرماتی ہیں میں گھبرا کر خوف کے مارے بیدار ہو گئی اور پھر مدینہ میں بڑی دل دوز آوازیں سنیں۔ میں نے اپنی لونڈی سے کہا جاؤ جا کر ذرا دیکھو یہ شور کیسا ہے؟ وہ لونڈی مدینہ میں پھرتی رہی تا آنکہ اس نے ایک جنیہ کو یہ شعر پڑھتے سنا۔

(1) اے میری آنکھ خوب آنسو بہا۔ کیونکہ شہیدوں پر رونے والا میرے بعد کون ہو گا۔

(2) یعنی ان بڑے لوگوں پر جنھیں حادثات اس شخص کے پاس لے جا رہے ہیں جو حکومت پر غرور کی حماقت میں مبتلا ہے۔ (یعنی امیر المومنین یزید)

لونڈی کہتی ہے کہ اس کے جواب میں ایک دوسری جنیہ نے یوں نوحہ کیا۔

(1) رسول اللہ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا تھا، اس لئے اس کی رخساروں پر بجلیاں سی کوندتی ہیں۔

(2) اس کے ماں باپ قریش کے سب سے اونچے گھرانے کے تھے اور اس کے نانا۔

(3) ایسے شخص پر بدترین مخلوق اور خبیث ترین گروہ نے نیزے تانے۔

(4) ان کا ناس جائے انھوں نے اسے ظلماً قتل کر دیا تھا اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ٹھکانہ بنالیا۔

راوی کہتا ہے کہ لونڈی جب (ام المومنین سیدہ) ام سلمہ کے پاس آئی اور جو سنا تھا وہ بیان کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے اور چلائیں ہائے حسین۔ سب لوگ دوڑ دوڑ کر آپ کی طرف پہنچے اور عرض کیا ام المومنین کیا بات ہوئی۔ آپ نے فرمایا میرا بیٹا حسین قتل کر دیا گیا۔ لوگوں نے کہا آپ تو مدینہ میں ہیں اور حسین کوفہ میں۔ آپ کو یہ اطلاع کیسے ملی؟ آپ نے فرمایا مجھے رسول اللہ نے کربلا کی مٹی دی تھی اور فرمایا تھا جب یہ خالص خون ہو جائے تو جان لینا کہ میرا بیٹا حسین قتل کر دیا گیا۔ بخدا رسول اللہ نے غلط نہیں کہا تھا اور نہ مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ وہ شیشی اور مٹی۔ لوگوں نے دیکھا تو واقعی ویسی ہی تھی جیسی (ام المومنین سیدہ) ام سلمہ نے فرمایا تھا۔ اس پر لوگوں نے اپنے گریبان چاک کر لئے، اپنے منہ پیٹے، سروں پر خاک ڈالی اور رسول اللہ کی قبر کی طرف دوڑے کہ آپ کی خدمت میں آپ کے فرزند حسین کے صدمے پر تعزیت پیش کریں۔

مقتولین کے سروں اور قیدیوں کی روانگی شام کو

ابو مخنف کہتا ہے کہ وہ لوگ (یعنی کوفی) قیدیوں اور سروں کو لے کر حصاصہ کے مشرق سے ہوتے ہوئے تکریت پہنچے اور وہاں کے عامل کو خط لکھا ہم سے آکر ملو ہمارے ساتھ خارجی کا سر ہے۔ عامل نے جب یہ خط پڑھا تو حکم دیا کہ جھنڈے لہرائے جائیں اور نفیریاں بجائی جائیں اور شہر سجایا جائے۔ پھر ہر طرف اور ہر جگہ کہ [132] لوگ آئے۔ اور والی انھیں لے کر ان لوگوں کی پیشوائی کے لئے نکلا۔ ان سے جو بھی پوچھتا ان سے کہتے خارجی کا سر ہے۔ جس نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا اور ابن زیاد نے اسے قتل کر دیا۔

اس پر ایک نصرانی نے کہا لوگوں میں کوفہ میں تھا جب یہ سر لایا گیا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں بلکہ حسین کا سر ہے۔ لوگوں نے جب یہ بات سنی تو انھوں نے آپ کی تعظیم کے لئے قرنا پھونکے اور کہا ہم اس قوم سے ہیں جنھوں نے اپنے نبی کے نواسے کو قتل کر دیا۔ ان لوگوں نے (یعنی کوفیوں نے) جب یہ سنا تو شہر میں داخل نہیں ہوئے اور خشکی کا راستہ لیا۔ پھر اعمیٰ پہنچے، پھر دیر عروہ، پھر صلیتا۔

---

[132] ملاحظہ ہو تعلیقہ ام المومنین سیدہ ام سلمٰہ۔ صفحہ 279 پر۔

جنوں کی عورتوں کے بین

پھر وادی نخلہ۔ یہاں انھوں نے پڑاؤ کیا۔ وہاں انھوں نے جنوں کی عورتوں کو حسین پر روتے سنا۔ ان کے بول یہ تھے۔ اے جنو کی عورتو! ہاشمی خواتین کی مدد کو آؤ۔ یعنی احمد مصطفیٰ کی بیٹیوں کی۔ دلدوز انداز میں روؤ۔ جوش کے ساتھ بین کرو ماہ سیما فاطمی خواتین پر سیاہ پوش ہو جاؤ، جو مصیبت زدہ لوگوں کی پوشاک ہوتیں ہیں۔ اپنے گال پیٹو، خالص دیناروں کی کھنک کی طرح، حسین کا ماتم کرو، یہ مصیبت سب مصیبتوں سے زیادہ عظیم ہے۔ روؤ، بین کرو۔ احمدی خواتین کے مصائب پر۔

راوی کہتا ہے پھر وہ لوگ وادی نخلہ میں ہوتے ہوئے ارمینیا پہنچے اور چلتے چلتے لینا پہنچ گئے۔ وہ بستی خوب آباد تھی۔ وہاں سر حسین کی زیارت کے لئے بوڑھے اور جوان سب نکل آئے۔ وہ لوگ آپ کے نانا اور آپ کے والد پر درود پڑھتے تھے اور ساتھ ساتھ ان قاتلوں پر لعنت کرتے تھے۔ اور کہتے جاتے تھے۔ او انبیاء کی اولاد کے قاتلو، ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ کحیل کی راہ پر چل پڑے اور جھینا پہنچ گئے۔ وہاں سے انھوں نے موصل کے عامل کو خط لکھا، ہمارے استقبال کو آؤ۔ ہمارے ساتھ حسین کا سر ہے۔ اس نے جب یہ خط پڑھا تو حکم دیا کہ جھنڈے لہرائے جائیں اور شہر سجایا جائے۔ ہر طرف اور ہر جگہ کے لوگ آ گئے اور انھیں ساتھ لے کر والی نے چھ میل آگے بڑھ کر فوج کا استقبال کیا۔ کسی نے پوچھا بات کیا ہے۔ انھوں نے کہا عراق میں ایک خارجی نے بغاوت کی تھی اسے عبید اللہ ابن زیاد نے قتل کر دیا اور اس کا سر یزید کے پاس بھیجا ہے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا لوگو یہ تو حسین کا سر ہے۔ لوگوں نے جب یہ تحقیق کر لی تو اوس اور خزرج کے چالیس ہزار[133] سوار جمع ہوئے اور قسم کھائی کہ ان لوگوں قتل کر کے حسین کا سر چھین لیں گے اور اپنے ہاں دفن کریں گے تا کہ قیامت کے دن تک یہ کام موجب فخر رہے۔ (کوفی) فوج نے جب یہ سنا تو شہر میں داخل نہیں ہوئے اور قل باعفر کا راستہ لیا۔ پھر کوہ سنجار سے ہوتے ہوئے نصیبین پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے قیام کیا اور سر کی اور قیدیوں کی نمائش کی۔ جب زینب نے یہ دیکھا تو رو پڑیں اور یہ شعر پڑھے۔

(1) تم ہم سے دشمنی کے سبب زمین پر ہماری نمائش کرتے ہو، حالانکہ ہمارے باپ وہ تھے جن پر خدائے جلیل نے وحی بھیجی۔

(2) تم نے رب عرش اور اس کے نبی کے ساتھ کفر کیا۔ جیسے تمھارے پاس کسی وقت کوئی رسول آیا ہی نہ ہو۔

(3) اے بدترین امت خدائے عرش تم پر لعنت کرے اور تمھاری قسمت میں قیامت کے دن آگ کے شعلوں میں واویلا کرنا ہی رہے۔

ابو مخنف کہتا ہے پھر وہ لوگ چلتے چلتے عن الورد پہنچے اور دعرات کے قریب پہنچ کر وہاں کے عامل کو خط لکھا ہمارے ساتھ حسین کا سر ہے ہم سے آکر ملو اس نے جب یہ خط پڑھا تو حکم دیا کہ نفیریاں بجائی جائیں پھر لوگوں کے ساتھ ان لوگوں کے استقبال کے لئے نکلا اور سر کی تشہیر کی پھر باب اربعین میں داخل ہو کر اس کے برج پر ظہر سے عصر تک لٹکائے رکھا۔ وہاں کے باشندوں میں کوئی تو روتا تھا اور کوئی ہنستا تھا۔ راوی کہتا

---

[133] ملک شام میں چالیس ہزار انصاری کہاں سے آ گئے تھے۔ انصار کی کل آبادی اس وقت اتنی نہ تھی۔

تھا کہ جس برج پر حسین کا سر نصب کیا گیا تھا اس کے نیچے قیامت تک جو بھی نکلے گا اس کی حاجت پوری ہو گی۔ پھر راوی کہتا ہے وہ لوگ (یعنی کوفی) رات بھر نشے میں دھت پڑے رہے۔ صبح کو جب انھوں نے کوچ کیا تو علی بن الحسین رو پڑے اور یہ شعر کہے۔

(1) کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان اندھیروں میں کوئی ایسا سمجھدار بھی ہے جو زمانے کی ڈالی ہوئی مصیبت پر مناجات کرے۔

(2) میں جو امام کا بیٹا ہوں، یہ کیا ہو گیا ہے کہ اعلاج (بے ننگ و نام ٹولی) کے ہاتھوں میرا حق ضائع کیا جا رہا ہے۔[134]

راوی کہتا ہے پھر وہ لوگ قنسرین پہنچے۔ وہ بستی خوب آباد تھی۔ وہاں کے لوگوں کو جب یہ اطلاع ہوئی تو انھوں نے شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ ان لوگوں نے لعنت کے ساتھ ساتھ سنگ باری بھی کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ او فاسقو! اور فرزند انبیاں کے قاتلو، بخدا تم ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکو گے تا آنکہ ہم میں سے ایک ایک آدمی قتل نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ لوگ (یعنی کوفی) وہاں سے چل دیئے۔ راوی کہتا ہے کہ امّ کلثوم رو پڑیں اور یہ شعر کہے۔

(1) کب تم ہمیں ننگی کاٹھیوں پر لئے پھرو گے گویا کہ ہم اس شہر میں رومیوں کی (گرفتار شدہ) لڑکیاں ہوں۔

(2) تمھارا ناس جائے کیا میرے نانا رسول اللہ نہیں ہیں۔ وہی جنھوں نے تمھیں راہ ہدایت دکھائی۔

(3) اے بری امت خدا تمھاری فصلوں کو پانی نہ دے اور اس عوض وہ عذاب دے جو تمہاری بستیوں پر قائم رہے۔

راوی کہتا ہے پھر وہ لوگ معرۃ النعمان پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے اس کا استقبال کیا، ان پر اپنے دروازے کھول دیئے اور کھانے پینے کی چیزیں پیش کیں۔ باقی دن انھوں نے (یعنی کوفیوں نے) وہیں گزارا پھر چل پڑے تا آنکہ شیرز پہنچے۔ وہاں ایک معمر شخص تھا اس نے کہا لوگوں یہ حسین کا سر ہے۔ لہذا ان لوگوں نے (یعنی شہر والوں نے) قسمیں کھائیں کہ انھیں اپنے شہر سے گزرنے نہ دیں گے۔ انھوں نے (یعنی کوفیوں نے) جب یہ دیکھا تو اندر نہیں گئے بلکہ کفر طاب کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں ایک چھوٹا قلعہ تھا۔ اور وہاں کے لوگوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اب خولی آگے بڑھا اور ان سے کہا کیا تم ہمارے اطاعت گزار نہیں ہو؟ (کم از کم) ہمیں پانی تو پلا دو۔ انھوں نے کہا بخدا ہم تمھیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیں گے۔ کیونکہ تم وہ ہو جنھوں نے حسین اور ان کے ساتھیوں کو پانی نہیں دیا تھا[135]۔ اس لئے وہ لوگ (یعنی کوفی) وہاں سے روانہ ہو گئے اور سیبور پہنچے، اس پر علی بن الحسین نے یہ شعر کہے۔

(1) بے ننگ و نام لوگ (اعلاج) سردار بن بیٹھے۔ لیکن عرب اس پر راضی نہیں ہونگے کہ امت کے سر پر سفلے مسلط رہیں[136]۔

---

[134] اعلاج جمع علج کی ہے۔ جو ان عجمی لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا جو جنگی قیدیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے قبضے میں آ جائیں۔ اب کیا کسی کی سمجھ میں یہ آ سکتا ہے کہ جناب علی بن الحسین اپنے بنو الاعمام (بنی امیہ) کو جن سے گونا گوں رشتے تھے، اعلاج کہہ سکیں۔ اور نہ اس کا کوئی امکان تھا کہ وہ اپنے والد ماجد کو سبائی تصور کے مطابق امام جانیں۔ اور وہ بھی اس وقت جب ان کی موجودگی میں حضرت حسین اپنے ہی موقف سے رجوع کر کے امیر المومنین سے بیعت کر لینے کی پیش کش کر چکے تھے۔ یہ اشعار ہی نہیں بلکہ تمام اشعار جو اس رسالے میں منقبت، تفاخر یا رجز کی حیثیت سے دیئے گئے ہیں وہ سب کے سب اس کذاب راوی یا اس کے ہمنواؤں کے اپنے کہے ہوئے ہیں۔ حضرت حسین اور آپ کی اولاد کا ان تصورات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ صرف اس بغض کا مظاہرہ ہے جو سبائیوں کو اموی سادات سے خصوصاً جمہور صحابہ کرام اور خلفاء سے عموماً ہے۔

[135] گویا پانی نہ دینے کا واقعہ ان لوگوں کے کفر طالب پہنچنے سے پہلے ہی تار برقی کے ذریعہ وہاں کے لوگوں کے علم میں آ چکا تھا۔ بحالیکہ کربلا سے براہ راست ان مقامات کا کاروانی رستہ بھی نہ تھا۔

[136] کوئی پوچھے کہ عرب ان "اعلان" کی حکومت پر راضی رہے یا نہیں اور جب حضرت حسین کے پوتے زید نے خروج کیا تو عربوں نے اور تمام امت نے اموی امیر المومنین کا ساتھ دیا کہ زید کا؟

(2) ہائے یہ لوگ! دیکھو تو زمانہ کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہوگئی کہ اس سے زیادہ عجیب بات اور کچھ نہیں۔

(3) آلِ رسول تو ننگی کاٹھیوں پر سوار ہوں اور آلِ مروان کے نیچے پر تکلف نفیس (گدے) ہوں۔[137]

راوی کہتا ہے کہ شہر میں ایک معمر شخص تھا جو (حضرت امیر المومنین سیدنا) عثمان (صلوات اللہ علیہ) کی شہادت (عظمیٰ) کے وقت وہاں مدینہ میں موجود تھا[138]۔ اس نے اہل سیبور کے بوڑھے اور جوانوں کو جمع کیا اور کہا لوگو یہ حسین کا سر ہے جنھیں ان ملعونوں نے قتل کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا بخدا یہ ہمارے شہر میں سے نہیں گزر سکتے۔ سن رسیدہ نے کہا اللہ کو فتنہ پسند نہیں۔ یہ سر سارے شہروں سے ہوتا ہوا آیا ہے تو کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو تم بھی اسے گزر جانے دو لیکن جوانوں نے کہا بخدا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا چنانچہ وہ پل پر جمع ہوئے اور اسے توڑ دیا۔ پھر ہتھیار بند کر مقابلے کے لئے نکلے۔ خولی نے کہا ہم سے تعرض مت کرو مگر انھوں نے اس پر اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور اتنی سخت جنگ کی کہ خولی کے سواروں میں سے چھ سو سواروں کو مار گرایا۔ اور ان جوانوں میں سے صرف پانچ کام آئے۔ اس پر ام کلثوم نے پوچھا یہ کونسا شہر ہے؟ لوگوں نے کہا سیبور آپ نے فرمایا اللہ ان پانی ہمیشہ شیریں رکھے اور ان کی مشکلیں آسان کرتا رہے اور ظالموں کا اقتدار ان پر سے اٹھتا رہے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ اگر ساری دنیا ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو تو ان لوگوں کو عدل و انصاف ہی ملے گا۔ پھر وہ لوگ (یعنی کوفی) روانہ ہوئے اور حما پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے ان پر دروازے بند کر لئے اور آڑیں کھڑی کر دیں اور کہا بخدا تم لوگ ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تا آنکہ ہمارا ایک ایک آدمی مارا نہ جائے۔ ان لوگوں نے جب یہ سنا تو وہاں کے والی کو اطلاع دی کہ ہمارے ساتھ حسین کا سر ہے۔ وہاں کا امیر خالد بن نشیط تھا۔ اس نے جب یہ خط پڑھا تو جھنڈے لہرانے اور شہر سجانے کا حکم دیا۔ اور جب ہر طرف اور ہر جگہ لوگ جمع ہو گئے۔ انھیں ساتھ لیا اور تین میل بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اور وہاں سر کی نمائش کی پھر روانہ ہوئے تا آنکہ حمص تک پہنچ گئے اور دروازے میں بھی داخل ہو گئے۔ لیکن لوگوں نے دروازے میں ہجوم کر کے اتنے پتھر برسائے کہ ان کے چھبیس سوار مر گئے۔ پھر ان پر شہر والوں نے دروازے بند کر دیئے اور کہا اے قوم کیا ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی اختیار کر لی؟

پھر وہ لوگ (یعنی اہل حمص) باہر نکلے اور ایک راہب کے کینسے کے پاس پڑاؤ کیا۔ وہیں خالد بن نشیط کا گھر تھا۔ ان لوگوں نے قسمیں کھائیں کہ خود خولی کو قتل کریں گے اور اس سے سر چھین لیں گے تاکہ قیامت تک یہ کارنامہ ان کے لئے باعث افتخار رہے۔ ان کو (یعنی کوفیوں کو) جب اس کی اطلاع ہوئی تو ڈر کے مارے وہاں سے چل دیئے اور بعلبک پہنچے۔ وہاں کے حاکم کو خط لکھا کہ ہمارے پاس حسین کا سر ہے۔ اس نے

---

[137] ملاحظہ ہو اس راوی کی عقل کہ اموی خلافت سے عداوت نے اسے کیا اندھا کر دیا ہے۔ زمانہ ہے امیر المومنین یزید کا اور حسد کا مظاہرہ کر رہا ہے آلِ مروان سے جن کی خلافت امیر المومنین یزید کی وفات کے سات برس بعد قائم ہوئی۔

[138] یہاں یہ نہیں بتایا کہ یہ معمر شخص سیدنا عثمان امیر المومنین کی شہادت کے وقت مدینہ میں کس حیثیت سے موجود تھا۔ یعنی آپ کا محب تھا یا مخالف۔ اگر یہ اس وقت باغیوں میں تھا تو کیفر کردار پہنچنے سے کیسے بچ گیا۔ اور محبوں میں تھا تو عین اس وقت کس تقریب میں مدینہ پہنچا تھا۔ اور یہ لغو کذب بیانی ملاحظہ ہو کہ سیبور کی بستی کے جوانوں نے جن کی تعداد نہیں بتائی گئ چھ سو فوجی سواروں کو گاجر مولی کی طرح قتل کر دیا اور ان کے صرف پانچ جوان کام آئے۔ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کے اٹھارہ سروں کی نمائش کرانے کے لئے کیا ہزاروں فوجیوں کے مارے جانے کے بعد بھی سفر جاری رہا۔ یہ لغو بیانیاں ہی واضح کرتی ہیں کہ نہ مقتولین کے سر کاٹے گئے تھے اور نہ ان کی وسیع مملکت کے دور دراز شہروں میں نمائش کرائی گئ جن کو مہینوں کا سفر کر کے دمشق پہنچایا گیا۔

لونڈیوں کو دف بجانے کا حکم دیا۔ جھنڈے لہرائے گئے اور قرنا پھونکے گئے۔ اس پر ان لوگوں نے (یعنی کوفیوں نے) خوشبوئیں لگائیں، نشہ کیا، شرابیں پیں اور رات بھر دھت پڑے رہے۔ ام کلثوم نے پوچھا اس شہر کو کیا کہا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بعلبک۔ آپ نے فرمایا خدا ان کے (شہر کی) شادابی برباد کرے، ان کا پانی شیریں نہ رہے اور ان پر سے ظالموں کا تسلط نہ اٹھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اگر ساری دنیا عدل وانصاف سے معمور ہو تو انھیں سوائے ظلم وستم کے کچھ نہ ملے گا۔ ان لوگوں نے (یعنی کوفیوں نے) رات وہیں گزاری اور صبح کو روانہ ہو گئے۔ اب جو رات آئی تو وہاں کا ایک راہب کا صومعہ تھا۔ زین العابدین نے یہ شعر کہے۔

(1) یہ ایسا زمانہ ہے کہ شرفاء کے لئے اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور نہ ان کے مصائب میں تخفیف ہوتی ہے۔

(2) کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس کا (یعنی زمانے کا) الٹ پھیر کب تک ہمیں متاثر کرتا رہے گا۔ اور کب تک ہم اس (زمانے کی اس لاٹ پھیر) کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے۔

(3) ہمیں وہ ننگی کاٹھیوں پر لئے جارہے ہیں اور عیش کوش شخص اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر محفوظ ہے۔

(4) اے بری امت تیرا ناس جائے۔ تم لوگوں نے رسول اللہ کی نافرمانی کی اور ان کی سی نیک عملی کی راہ تم پر تنگ ہو گئی۔

سر حسین کی کرامت سے عیسائی راہب کا مسلمان ہو جانا

راوی کہتا ہے جب رات ہو گئی تو انھوں نے صعومہ کے ایک طرف وہ سر رکھ دیا۔ آخر شب کی بات ہے کہ راہب نے بادل کی سی گرج اور تسبیح و تقدیس کی سی گونج سنی اور اس نے دیکھا کہ نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اب اس نے جو اپنا سر باہر نکال کر دیکھا تو اس کی نگاہ سر حسین پر پڑی۔ اس سے نور کی شعاعیں نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں۔ اور اس نے دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا اور فرشتوں کے پرے کے پرے نیچے اترے۔ وہ کہتے جاتے تھے۔ اے فرزند رسول! آپ پر سلام ہو۔ اے ابو عبد اللہ آپ پر سلام ہو۔ یہ دیکھ کر راہب کو بڑا قلق ہوا۔ جب صبح ہوئی اور ان لوگوں نے کوچ کا ارادہ کیا تو راہب باہر نکلا اور بلند آواز سے پوچھا۔ قوم کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے کہا خولی بن یزید۔ راہب نے کہا تمھارے پاس کیا ہے؟ انھوں نے کہا ایک خارجی کا سر ہے جس نے عراق میں بغاوت کی تھی عبید اللہ ابن زیاد نے اسے قتل کر دیا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ انھوں نے کہا حسین بن علی بن ابی طالب ان کی ماں فاطمہ زہرا ہیں اور ان کے نانا محمد مصطفیٰ۔ راہب نے کہا تمھارے ہاتھ ٹوٹیں اور اس کے بھی جس کی تم اطاعت کر رہے ہو۔ یہ روایت سچی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب یہ شخص قتل ہو گا تو آسمان سے خون برسے گا اور ایسا صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی نبی قتل ہو یا نبی کا وصی۔ پھر اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ گھنٹہ بھر کے لئے تم یہ سر مجھے دے دو۔ پھر میں واپس کر دوں گا۔ خولی نے کہا اسے تو میں صرف یزید کے سامنے ہی کھول سکتا ہوں تاکہ اس سے انعام لوں۔ راہب نے کہا تم کیا انعام چاہتے ہو؟ اس نے کہا تھیلی جس میں دس ہزار درہم ہوں۔ راہب نے کہا یہ تھیلی میں دیتا ہوں، خولی نے کہا لاؤ دو۔ راہب لے آیا اور اسنے دے دی۔ ان لوگوں نے اسے سر دیا جو ایک نیزے پر نصب تھا۔ راہب نے وہ سر لے لیا۔ اسے وہ بوسے دیتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا اے ابو عبد اللہ بخدا مجھ پر یہ بات سخت ہے کہ میں آپ پر اپنی جان نہ قربان کر سکا۔ لیکن ابو عبد اللہ جب جب اپنے نانا رسول اللہ سے ملاقات کریں تو میری بات کی توثیق کر دیجئے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے پیغمبر ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ کے ولی ہیں۔ پھر وہ سر انھیں دے دیا۔ وہ لوگ آپس میں درہموں کی تقسیم کرنے لگے کہ ان کے ہاتھ ایک ٹھیکری لگی جس پر لکھا ہوا تھا "وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون" (جن لوگوں نے ظلم کیا وہ عنقریب جان لیں گے کہ کس ٹھکانے کی طرف ان کو جانا ہے) اس پر خولی نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس بات کو چھپائے رکھنا تاکہ لوگوں میں رسوائی نہ ہو۔ سہل کہتا ہے اچانک ایک غیبی آواز آئی۔

(1) جس امت نے حسین کو قتل کیا، اسے قیامت کے دن کیا ان کے نانا کی شفاعت کی امید ہے۔

(2) انھوں نے اللہ کو غضب ناک کیا اس کی مخالفت کی اور روز جزاء کا کچھ خوف نہ کیا۔

(3) ہاں اللہ زیاد کی اولاد پر لعنت کرے اور انھیں عذاب دے کر جہنم میں ان کا ٹھکانہ کرے۔

راوی کہتا ہے جب ان لوگوں نے یہ سنا تو ان کی سٹی گم ہو گئی اور رفتار تیز کر کے جلدی جلدی دمشق پہنچ گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں بازار سونے پڑیں ہیں اور لوگوں کا یہ عالم ہے کہ جیسے مبہوت ہو۔ ایک آدمی یزید کے پاس گیا اور اس کہا اے خلیفہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، اس نے کہا کاہے سے ؟ کہا حسین کے سر سے۔ اس پر اس حرام زادے نے کہا خدا تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے، پھر حکم دیا اسے قید کر دیا جائے۔ پھر اس کے بعد اعلان کیا لوگ 120 جھنڈے لہراتے ہوئے نکلیں اور سر حسین کا استقبال کریں۔ چنانچہ یہ جھنڈے اس طرح نکالے گئے کہ ان کے نیچے لوگ تکبیر و تہلیل کر رہے تھے۔ اچانک غیبی آواز آئی۔

(1) اے محمد کے نواسے یہ آپ کا سر ایسی حالت میں لا رہے ہیں کہ ہر طرف سے آپ کے خون میں لتھڑا ہوا ہے۔

(2) اس دن سے زیادہ حسرتناک اور کون سا دن ہو گا کہ موت نے اسے قتل کے ذریعے زیر زمین پہنچا دیا۔

(3) گویا اے محمد کے نواسے انھوں نے جان بوجھ کر اعلانیہ خود محمد کو شہید کر دیا ہے۔

(4) یہ لوگ اس بات پر تکبیر کہہ رہے ہیں کہ آپ شہید کر دئے گئے حالانکہ اس طرح خود انھوں نے تکبیر و تہلیل کو قتل کیا ہے۔

سہل کہتا ہے کہ لوگ باب خیزران میں سے ہو کر شہر میں داخل ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ اندر گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اٹھارہ سر لائے جا رہے ہیں اور قیدی اونٹوں پر بغیر پالان کے ہیں[139]۔ حسین کا سر شمر کے ہاتھ میں ہے اور وہ کہہ رہا ہے میں ایک طویل نیزے کا مالک ہوں، میں سچے دین والے کا قاتل ہوں۔ میں نے سب وصیوں[140] کے سردار کے بیٹے کو قتل کیا ہے اور اس کا سر لے کر امیر المومنین کے پاس آیا ہوں۔

ام کلثوم نے فرمایا او لعین بن لعین تو نے جھوٹ بولا اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ تیرا ناس جائے تو اس شخص کے قتل پر ناز کرتا ہے کہ جسے جبریل و میکائیل جھولے میں لوریاں سناتے تھے اور جس کا نام عرش رب العالمین کے کنگرے پر لکھا ہوا ہے، جس کے نانا کے ذریعے اللہ نے رسولوں کا سلسلہ ختم کر دیا اور جس کے باپ کے ذریعے مشرکوں کو ہلاک کیا۔ کہاں ہے کوئی میرے نانا محمد مصطفیٰ کی طرح، میرے باپ علی مرتضیٰ کی طرح اور میری ماں فاطمہ زہرا کی طرح۔

اس پر خولی نے کہا تم سا دلیر ہونا بھی مشکل ہے۔ ہو بھی تو ایک دلیر شخص کی بیٹی۔ راوی کہتا ہے پھر اس کے بعد حر بن یزید ریاحی کا سر آیا۔ اور اس کے بعد عباس کا جسے قشعم جعفی اٹھائے ہوئے تھا۔ اس کے بعد عون کا سر آیا جسے سنان بن انس لا رہا تھا پھر باقی سر ان کے پیچھے آئے۔

سہل کہتا ہے پھر ایک لڑکی آئی جو ایک دبلے اونٹ پر بغیر زین پوش اور پالان کے تھی اور اس کے چہرے پر ملگجے رنگ کا ریشمی برقعہ تھا اور وہ زور زور سے کہہ رہی تھی ہائے محمد، ہائے نانا، ہائے علی، ہائے ابا، ہائے حسن، ہائے حسین، ہائے عقیل،، ہائے عباس، ہائے طولانی سفر، ہائے یہ

---

[139] اس کذاب راوی کے اپنے بیان کے مطابق یہ سہل سارے راستے ساتھ رہا ہے۔ لیکن دمشق پہنچنے سے پہلے اسے پتہ نہ چلا کہ کتنے سر ہیں اور قیدیوں کو اونٹوں پر کس طرح لایا جا رہا ہے۔

[140] گویا شمر کے نزدیک بھی حضرت علی رسول اللہ کے وصی تھے سب وصیوں کے سردار تھے یعنی وہ حضرت حسین کو بھی وصی باور کرتا تھا۔ گویا عقیدتاً شیعہ تھا۔ رشتے میں حضرت حسین کی والدہ عباس کا بھتیجا تھا حضرت علی کے فوجی دستے کا کمانڈر تھا صفین میں شامیوں سے لڑا تھا اور قتل حسین پر یوں فخر کرتا تھا۔

منحوس دن۔ میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے ایسا ڈانٹا کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ جب افاقہ ہوا تو میں ان کے قریب گیا اور پوچھا محترمہ آپ مجھے ڈانٹتی کیوں ہیں؟ انھوں نے کہا کیا تمھیں خدا اور اس کے رسول سے حیا نہیں آتی کہ تم حرم رسول کی طرف آنکھ اٹھاتے ہو۔ میں نے عرض کیا بخدا میں نے آپ کی طرف بری نیت سے نہیں دیکھا۔ فرمایا تم کون ہو؟ میں نے کہا میں سہل بن سعد سہ روزی ہوں۔ آپ کا خادم اور عقیدت مند۔ پھر میں علی بن الحسین کے حضور پہنچا اور عرض کیا میرے آقا آپ کی کچھ خواہش ہے۔ آپ نے فرمایا تمھارے پاس کچھ درہم ہیں؟ میں نے عرض کی جی ہاں ایک ہزار دینار اور ایک ہزار درہم ہیں۔ فرمایا "ان میں سے کچھ اس شخص کو دے دو جو سر لئے جارہا ہے اور اس سے کہو کہ عورتوں سے دور لے جائے تاکہ لوگ عورتوں کو دیکھنے کی بجائے اس کو دیکھنے میں مشغول رہیں۔" سہل کہتا ہے میں نے ایسا ہی کیا اور پھر آپ کو جا کر بتادیا کہ میرے آقا آپ کے حکم کی تعمیل کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا قیامت کے دن تمھارا حشر ہمارے ساتھ کرے۔ پھر علی بن الحسین نے یہ شعر پڑھے۔

(1) میں دمشق میں اس ذلت کے ساتھ لایا جارہا ہوں جیسے کوئی حبشی غلام ہوں جس کی مدد کو کوئی نہ آئے۔

(2) انسانوں کی ہر بستی میں میرے ہی نانا اللہ کے رسول ہیں اور میرے ہی بزرگ امیر المومنین ہیں۔

(3) کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور میری یہ کیفیت نہ ہوتی کہ یزید مجھے بستیوں بستیوں قید کی حالت میں دیکھے۔

راوی کہتا ہے میں نے ایک اونچا ہودہ دیکھا جس میں پانچ عورتیں تھیں اور ان میں ایک بڑھیا کھڑی تھی۔ جب وہ حسین کے سر کے مقابل آئی تو جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور حسین کے دانتوں پر مارا۔ میں نے جب یہ دیکھا تو کہا۔ خدایا بحق محمد و آل محمد اسے اور ان سب کو ہلاک کر دے۔ میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ ہودی گر گیا اور وہ مر گئی نیز اس کی ساتھی عورتیں بھی۔ پھر وہ لوگ سر کو یزید بن معاویہ کے پاس لے کر چلے تو باب الساعات کے پاس کچھ دیر کے لئے اسے ٹھہرا لیا۔ اور تین گھنٹے اسے دھوپ میں روکے رکھا۔ مروان بن الحکم وہاں اسے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پوچھا تم لوگوں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے کہا یہ اپنے گھر کے اٹھارہ آدمیوں اور پچاس سے کچھ اوپر ساتھیوں کے ساتھ ہمارے ہاں آئے اور ہم نے ان سب کو قتل کر دیا۔ یہ ان کے سر ہیں اور سواریوں پر قیدی کھڑے ہیں۔ اس پر مروان بن الحکم جھومنے لگا اور یہ شعر پڑھے۔

(1) کیا مبارک ہے ٹھنڈک تمہارے دونوں ہاتھوں میں (یعنی مر جانے کے سبب جسم جو ٹھنڈا ہو گیا) اور تمھارے رخساروں کا گلابی رنگ (یعنی موت کے باوجود)۔

(2) میں نے حسین کے خون سے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا اور بدلہ لے کر سب قرض چکا دیا۔[141]

---

[141] ملاحظہ ہو تعلیقہ امیر المومنین مروان بن الحکمؒ صفحہ 281 پر۔

یزید کے دربار میں

سہل کہتا ہے اندر جانے والوں کے ساتھ میں بھی یہ دیکھنے داخل ہو گیا تھا کہ یزید ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس نے نیزے سے سر اتار لینے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ اس سونے کے طشت میں رکھ کر اوپر سے کپڑا ڈھک دیا جائے۔ اور پھر اس کے سامنے پیش ہو۔ جب اسے اس کے سامنے رکھ دیا گیا تو اس نے ایک کوے کی کائیں کائیں سنی۔ اس پر ئی شعر کہے۔

(1) اے بد فال کوے جو جی میں ہے سو کہہ۔ (اب تیرا رونا بیکار ہے) جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

(2) ہر حکومت اور ہر نعمت کو زوال ہے۔ اور زمانے کی افتاد سب پر پڑتی ہے۔

(3) کاش میرے بزرگ جو بدر کے دن تھے۔ وہ آج دیکھتے کہ تلواریں پڑنے سے خزرج کیسے تلملا رہے ہیں۔

(4) اگر وہ لوگ (یعنی بدری کفار) اسے (یعنی سر حسین کو) دیکھتے تو خوشی سے ان کے چہرے دمکنے لگتے اور پھر کہتے اے یزید تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں۔

(5) میں خندف میں سے نہیں، اگر میں احمد کی اولاد سے ان کے کرتوتوں کا بدلا نہ لے لوں۔

(6) ہاشم (یعنی آل ہاشم) نے حکومت کا کھیل کھیلا حالانکہ نہ اس کے متعلق کوئی روایت منقول ہے نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔

(7) ہم نے علی سے اپنا بدلہ لے لیا اور اس شیر دل سورما (یعنی حضرت حسین کو) قتل کر دیا۔

(8) اور ہم نے اس کے خاندان کے اکبر کو قتل کر کے بدر کا بدلہ لیا تھا اور وہ بدلہ پورا ہو گیا۔[142]

راوی کہتا ہے پھر یزید نے ان لوگوں سے (یعنی کوفیوں سے) پوچھا تم نے حسین کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے کہا یہ اپنے گھر کے اٹھارہ آدمیوں اور پچاس سے کچھ اوپر ساتھیوں اور مددگاروں کے ساتھ آئے تھے۔ ہم نے ان سے کہا یا تو امیر کا حکم تسلیم کر و یا پھر لڑو۔ انھوں نے لڑائی قبول کی اور ہم نے ان میں سے ایک ایک کو قتل کر دیا۔ اور یہ ہیں ان کے سر۔ ان کے لاشے کربلاء میں پڑے ہوئے ہیں۔ دھوپ کی تپش ان پر پڑتی ہے آندھی کے جھکڑ ان پر چلتے ہیں اور گدھ ان پر منڈلاتے ہیں۔ یہ سن کر یزید نے سر جھکا لیا اور کہا میں حسین کے قتل کے بغیر بھی تمھاری اطاعت سے راضی تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کی بیوی (یعنی امیر المومنین یزیدؒ کی) بات عبد اللہ (ابن جعفر) کی صاحبزادی نے سن لی تو اس کے پاس آئی۔ وہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ وہ پردے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور یزید سے پوچھا، آپ کے پاس کوئی ہے تو نہیں؟ اس نے کہا ہیں اور پھر تخلیے کا حکم دیا اور اس سے (یعنی بنت عبد اللہ) سے کہا آ جاؤ۔ وہ آ گئی، جب اس نے حسین کا سر دیکھا تو چیخ پڑی اور کہا یہ آپ کے

---

[142] ملاحظہ ہو تعلیقہ اشعار امیر المومنین یزیدؒ

پاس رکھا کیا ہے؟ اس نے کہا حسین بن علی کا سر۔ راوی کہتا ہے وہ اس پر رو پڑی اور کہا۔ یہ بات فاطمہ پر کتنی سخت ہو گی کہ وہ اپنے بیٹے کا سر آپ کے سامنے رکھا ہوا دیکھیں۔ آپ نے وہ حرکت کی ہے کہ خدا اور رسول کی لعنت کے مستحق ہو گئے۔ بخدا نہ میں آپ کی بیوی رہی اور نہ آپ میرے شوہر رہے۔ اس نے کہا فاطمہ سے تمھارا کیا تعلق؟ اس نے (یعنی بنت عبد اللہ زوجہ امیر المومنین یزیدؒ) نے کہا ہمیں اللہ نے ان کے والد، ان کے خاوند اور ان کے بیٹوں کے ذریعے ہدایت دی اور ہمیں یہ قمیض (خلافت) پہنائی۔ تمھارا ناس جائے۔ اے یزید تم کس منہ سے خدا اور اس کے رسول کے سامنے جاؤ گے[143]۔ اس نے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) نے کہا ہند ان باتوں کو چھوڑو میں نے ان کا قتل پسند نہیں کیا۔ اس پر وہ روتی ہوئی چلی گئی۔ پھر شمر اس کے (یزید کے) پاس آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

(1) میری رکابی سونے یا چاندی سے بھر دیجئے میں نے اس سردار ذی وجاہت کو قتل کیا ہے۔

(2) میں نے بہترین ماں باپ کے فرزند کو قتل کیا ہے جو خاندانی اعتبار سے سب سے افضل تھے۔

(3) وہ حرمین اور ساری دنیا کے سردار تھے اور تمام مخلوق پر انھیں (خدا کی طرف سے) حکمران بنایا گیا تھا۔[144]

(4) میں نے ان کے نیزہ مارا یہاں تک کہ وہ چت ہو گئے پھر میں نے ان کی تلوار کا ہاتھ جس کا انداز عجیب تھا۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) اس کی طرف نگاہ غضب سے دیکھا اور کہا۔ جب تم جانتے تھے کہ وہ ماں باپ کی طرف سے بہترین شخص ہیں تو تم نے انھیں قتل کیوں کیا۔ خدا تمھارے طباق آگ اور ایندھن سے بھرے۔ اس نے کہا میں تو آپ سے انعام مانگ رہا ہوں۔ اس یزید نے اس کے تلوار کی نوک ماری اور کہا میرے پاس تیرے لئے کوئی انعام نہیں اس پر وہ بھاگ گیا۔ پھر یزید نے حسین کے دانتوں پر کچو کے مارے، وہ شراب پیتا جاتا تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

(1) ہم ان بلند مرتبہ لوگوں کی کھوپڑیاں پھاڑ دیتے ہیں جو ہم پر غلبہ پانا چاہیں اگرچہ وہ زیادہ پاکباز ہوں اور زیادہ پامرد ہوں۔

(2) خدا کے نزدیک ہم سے زیادہ معزز ہوں اور تمام امور میں زیادہ افضلو ذی افتخار ہوں۔

(3) ہم نے ان سے دشمنی کی حالانکہ ہماری یہ دراز دستی گمراہی کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ کیونکہ جو حق سے دشمنی رکھے وہ خسارے میں رہتا ہے۔

(3) اگر تم مجھے ملامت کرو تو ملامت تو مجھے آخرت میں ملنی ہے۔ جب قیامت کے دن ہمیں گھیر کر دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

(5) لیکن بہر حال ہم یہ عارضی حکومت حاصل کرنے میں کامیاب تو ہو ہی گئے ہیں۔ اگرچہ انجام میں ہمیں بھڑکتی ہوئی آگ نصیب ہو۔

---

[143] یہاں اس راوی کی عیاری ملاحظہ ہو کہ امیر المومنین یزید کی زوجہ کا ذکر بنت عبداللہ کرکے کیا ہے۔ اگر یہ بات صحیح کہہ دیتا تو سب افسانہ پادر ہوا نہ بن جاتا۔ امیر المومنین یزید کی یہ زوجہ محترمہ تھیں سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب۔ یعنی حضرت حسین کے سگے بہنوئی اور سگے چچا کے بیٹے کی بیٹی۔ پھر یہ خبیث راوی کہتا ہے کہ امیر المومنین نے اپنی بیوی سے کہا۔ تمھارا فاطمہ سے کیا تعلق ہے اور جواب میں وہ بات کہلواتا ہے جو ہر عام مسلمان کہہ دے تاکہ سیدہ ام محمد کا سیدہ فاطمہ سے نسبی تعلق کا اظہار نہ ہو اور لوگ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ان کی موجودگی میں یہ سب باتیں کیسے ہو سکتیں تھیں جو بیان کی گئی ہیں۔

[144] خدا کی طرف سے حکمران بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے انھیں خلافت سے محروم رکھا یا ان کی خلافت کو ملت کے حق میں مفید نہ سمجھا تو وہ سب کافر ہو گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس عقیدے کا اظہار شمر سے کروایا جا رہا ہے اور ساتھ ہی ان پر عنت بھی کی جا رہی ہے۔

یہودی اور عیسائی کا سر حسین دیکھ کر مسلمان ہونا

راوی کہتا ہے پھر اس کے پاس راس الجالوت آیا۔ اس نے جو اس کے سامنے وہ سر دیکھا تو پوچھا اے خلیفہ یہ سر کس کا ہے؟ اس نے کہا حسین کا۔ اس نے پوچھا ان کی ماں کون ہیں؟ اس نے کہا فاطمہ بنت محمد۔ اس نے پوچھا ان کے قتل کا موجب کیا تھا؟ کہا اہل عراق نے انھیں بلایا تھا کہ خلیفہ بنائیں اس لئے میرے عامل عبید اللہ ابن زیاد نے انھیں قتل کر دیا۔ راس الجالوت نے کہا تو پھر خلافت کا مستحق ان سے زیادہ اور کون ہو سکتا تھا وہ رسول اللہ کے نواسے ہیں۔ تم لوگوں نے کیسا کفران نعمت کیا۔ پھر کہا اے یزید جان لو کہ میرے اور داؤد کے درمیان ایک سو تین واسطے ہیں لیکن یہود میری تعظیم کرتے ہیں اور میری اجازت کے بغیر نکاح تک کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ میرے قدموں کے نیچے سے مٹی اٹھاتے ہیں اور اسے بابرکت سمجھتے ہیں اور تمھارا یہ حال ہے کہ کل ہی تمھارے نبی تمھارے درمیان موجود تھے اور آج تم نے ان کے فرزند پر دست درازی کر کے انھیں قتل کر دیا۔ ناس جائے تمھارا اور تمھارے دین کا۔

یزید نے کہا اگر مجھے رسول اللہ کا یہ ارشاد نہ پہنچا ہوتا کہ اگر کسی نے ایک معاہد کو قتل کیا تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے مدعی ہوں گا تو تمھیں اس گستاخی پر قتل کر ڈالتا۔ اس پر راس الجالوت نے کہا اے یزید جس نے معاہد کو قتل کیا اس کے خلاف تو وہ خود مدعی ہوں گے اور اس کے خلاف نہیں ہوں گے جس نے ان کے بیٹے کو قتل کر ڈالا؟ پھر راس الجالوت نے کہا اے ابو عبد اللہ اپنے نانا کے سامنے میری توثیق کیجئے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سن کر یزید نے کہا اب تم اپنے دین سے نکل کر ہمارے دین میں داخل ہو گئے ہو اس طرح اب ہم تم سے بری الذمہ ہیں۔ یہ کہہ کر اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔ ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ نصاریٰ کا ایک پادری وہاں آ گیا وہ بہت معمر تھا۔ اس نے جو حسین کا سر دیکھا تو پوچھا اے خلیفہ یہ سر کس کا ہے اس نے کہا یہ سر حسین بن علی بن ابی طالب کا ہے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت رسول تھیں۔ اس نے کہا کہ ان کے قتل کی کیا وجہ ہوئی؟ کہا انھیں اہل عراق نے خلیفہ بنانے کے لئے بلایا تھا تو میرے عامل عبید اللہ ابن زیاد نے انھیں قتل کر کے ان کا سر میرے پاس بھیج دیا۔ پادری نے کہا سنئے ابھی میں اپنے حجرے میں سو رہا تھا کہ میں نے بڑا سخت زلزلہ محسوس کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نوجوان آسمان سے اترا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا یہ کون ہیں۔ تو اس نے کہا یہ رسول اللہ اور فرشتے ہیں جو ان کے فرزند حسین کی تعزیت کر رہے ہیں۔ پھر اس نے (یعنی پادری نے) کہا تیرا ناس جائے یہ سر فوراً اپنے سامنے سے اٹھوا دے ورنہ خدا تجھے ہلاک کر دے گا۔ اس پر یزید ملعون نے کہا تو اپنے جھوٹے خواب ہمیں سنانے آیا ہے۔ لڑکو اسے پکڑ لو۔ انھوں نے جب اسے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا تو (یزید نے) اسے پیٹنے کا حکم دیا اور انھوں نے اس کے خوب چوٹیں لگائیں۔ اس پر وہ (پادری) چیخ پڑا اے ابو عبد اللہ اپنے نانا کے سامنے میری توثیق کیجئے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یہ سن کر یزید غضبناک ہو گیا اور کہا اس کی جان نکال دو۔ اس نے کہا

یزید تم مجھے مارو یا نہ مارو یہ دیکھ لو کہ رسول اللہ میرے پاس کھڑے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نور کی قمیض ہے اور نور ہی کا تاج ہے۔ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان بس اتنی سی دیر ہے کہ تم دنیا سے نکل آؤ تو میں تمھارے سر پر یہ تاج رکھ دوں اور یہ قمیض پہنا دوں۔ پھر تم جنت میں میرے رفیق ہو گے۔ یہ کہہ کر اس نے جان دیدی۔[145]

سہل کہتا ہے اتنے میں ایک لڑکی یزید کے محل سے نکلی اور اس نے دیکھا کہ وہ (یعنی امیر المومنین) امام کے دانتوں پر کچو کے دے رہا ہے تو اس نے کہا خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے ان دانتوں کو کچو کے دے رہا ہے جنھیں رسول اللہ نے نہ جانے کتنی دفعہ چوما ہو گا۔ اس نے (یعنی امیر المومنین) کہا خدا تیرا سر کاٹے یہ بات کیا کہی۔ اس نے (یعنی لڑکی نے) کہا۔

سن اور یزید میں ابھی کچھ سوتی تھی کچھ جاگتی تھی کہ آسمان کا دروازہ کھلتے دیکھا اور ایک نور کی سیڑھی وہاں سے زمین تک اتاری گئی۔ پھر دیکھتی کیا ہوں کہ دو نوخیز لڑکے سبز لباس پہنے ہوئے اس سیڑھی سے اتر رہے ہیں۔ اس اثناء میں ان کے لئے جنت کا ایک فرش سبز رنگ کا فرش بچھایا گیا۔ اور اس فرش کے نور سے مشرق و مغرب جگمگا اٹھے۔ اب ایک بلند و بالا قد کا آدمی گول سر والا جلدی جلدی آیا اور فرش کے درمیان بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ندا دی اے میرے باپ آدم نیچے اتریئے تو ایک لمبا تڑنگا شخص موتی کے سے رنگ کا نیچے اترا۔ پھر اس نے آواز لگائی اے میرے باپ سام اتریئے اور وہ اتر آئے۔ پھر اس نے آواز لگائی اے میرے باپ ابراہیم اتریئے۔ پھر اس نے اواز لگائی اے میرے بھائی عیسیٰ اتریئے اور وہ اترے۔ پھر میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ کھڑی ہے اور اس نے اپنے بال کھول رکھے ہیں۔ وہ آواز دے رہی تھی اے میری ماں حوا اتریئے۔ اے میری ماں خدیجہ اتریئے۔ اے میری ماں ہاجرہ اتریئے۔ اے میری بہن سارہ اتریئے۔ اور اے میری بہن مریم اتریئے۔ پھر فضاء سے ایک غیبی آواز آئی۔ یہ فاطمہ زہرا بنت محمد مصطفیٰ ہیں۔ علی مرتضیٰ کی بیوی، سید الشہدا کی ماں جو کربلا میں مقتول ہوئے۔ پھر انھوں نے آواز لگائی ابا جان آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی امت نے آپ کے فرزند حسین کے ساتھ کیا کیا۔ اس پر رسول اللہ رو پڑے۔ اور فرمایا۔ اے میرے باپ آدم دیکھ رہے ہیں کہ سرکشوں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا۔ اس پر آدم رو پڑے اور جتنے بھی لوگ وہاں تھے سب رونے لگے اور انھیں روتا دیکھ کر فرشتے بھی رونے لگے۔

پھر میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ سر کے ارد گرد کھڑے ہیں اور ان میں ایک کہنے والا کہہ رہا ہے۔ اس گھر والے کو پکڑو اور اسے آگ میں جلا دو۔ اب جو شخص گھر میں سے نکلا تو اے یزید وہ تو تھا اور تو کہتا جاتا تھا، آگ، آگ، آگ اس بچنے کی کیا صورت ہو۔

یہ سن کر اس نے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) نے اس لڑکی کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ لڑکی بولی لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ (ظالموں پر خدا کی لعنت ہو) پھر اس نے (یعنی امیر المومنین نے) حرم کو بلایا (یعنی حضرت حسین کے گھر والوں کو) اور وہ سب کے سب اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس نے خواتین کی طرف دیکھا اور ایک ایک کی بابت دریافت کیا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ زینب ہیں اور یہ ہیں ام کلثوم۔ تو اس نے کہا اے ام کلثوم۔ تم نے دیکھا کہ خدا نے تمھارے ساتھ کیا کیا۔ انھوں نے کہا اے طلقاء کے بیٹے یہ تیرے گھر کی عورتیں اور لونڈیاں تو پردے کے پیچھے

---

145 تعجب ہے کہ اس یہودی و نصرانی سے رافضی راوی نے پورا کلمہ شہادت نہیں پڑھوایا (اشھد ان علیا ولی اللہ) کہے بغیر ان کا ایمان قبول کر لیا گیا اور رسول اللہ اس کے جسم پر نور کی قمیض پہنانے اور سر پر نور کا تاج رکھنے کے لئے یزیدی دربار میں تشریف لے آئے۔

ہیں لیکن رسول اللہ کی صاحبزادیاں بے پالان کی کاٹھوں پر ہیں اور ہر نیک وبد کی نگاہ ان پر پڑتی ہے، حتیٰ کہ یہود ونصاریٰ انھیں خیرات دیتے ہیں۔ اس پر یزید نے انھیں غضب ناک نگاہوں سے دیکھا تو اس کے ہم نشینوں میں سے کسی نے کہا یہ خاتون ہیں ان کی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ پھر اس نے سر اٹھا کر سکینہ سلام اللہ علیہا کو دیکھا اور کہا اے سکینہ تمھارے باپ نے حکومت کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کیا اور رشتے کا تعلق توڑ دیا۔ تو وہ رونے لگیں اور کہا اے یزید میرے باپ کو قتل کر کے خوش مت ہو۔ وہ اللہ کے بندے تھے اس نے جب انھیں بلایا تو انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور سعادت پائی لیکن تم اے یزید اپنے لئے کچھ جواب سوچ کر رکھو۔ یزید نے کہا چپ رہو تمھارے باپ کا میرے اوپر کوئی حق نہیں تھا۔ انھوں نے میرے ساتھ زیادتی کی تو اللہ نے انھیں عاجز کر دیا اور میری مدد فرمائی۔

راوی کہتا ہے کہ قبیلہ لخم کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے امیر یہ لڑکی مجھے دے دیجئے کہ میری خادمہ ہے اس کی مراد سکینہ سے تھی۔ ان کی پھوپھی ام کلثوم نے انھیں اپنے سینے سے چمٹا لیا اور انھوں نے (یعنی سیدہ سکینہ نے) کہا پھوپھی جان یہ چاہتا ہے کہ انبیاء کی اولاد خادم بنے۔ اس پر ام کلثوم نے کہا خاموش او ذلیل شخص خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے، تیری زبان گنگ کرے اور تیرا ٹھکانہ آگ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ ابھی اس پاک نہاد عورت کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس ملعون نے چیخ ماری اور پھر اس کی زبان بند ہو گئی اور اس کے دونوں ہاتھ گردن سے چپک گئے۔ ام کلثوم نے فرمایا الحمد للہ کہ آخرت سے پہلے ہی خدا نے تجھے دنیا میں یہ عذاب دے دیا۔ یہ ہے سزا ان لوگوں کی جو نبی کی بیٹیوں پر داؤ لگاتے ہیں۔

راوی کہتا ہے۔ پھر یزید علی بن الحسین کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتا ہے یہ کون ہے؟ کہا گیا علی بن الحسین۔ اس نے کہا لوگ تو کہتے ہیں کہ علی بن الحسین قتل ہو گئے۔ تو انھوں نے کہا جی ہاں جو قتل ہوئے وہ بڑے تھے اور میں چھوٹا ہوں۔ اس نے کہا تم وہ ہو کہ تمھارے باپ نے خلیفہ ہونے کا خیال دل میں باندھا تھا۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے ان پر قابو دیا اور تم لوگ میرے سامنے قیدی بن کر آئے ہو کہ نزدیک و دور کے لوگ ہوں آزاد ہوں یا غلام سب تمھیں دیکھتے ہیں۔ اور تمھارا نہ کوئی مددگار ہے نہ ضامن۔ علی بن الحسین نے کہا میرے باپ سے زیادہ خلافت کا مستحق اور کون تھا۔ وہ تمھارے نبی کے نواسے تھے[146]۔ اے یزید تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتب من قبل ان نبراءھا ان ذالک علی اللہ لیسیر لکیلا تا سوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما آتیکم واللہ لا یحب کل مختار فخور" (تمھیں جو بھی مصیبت پہنچے وہ زمین میں ہو یا تمھاری جانوں کے اندر، وہ لکھی ہوئی ہے قبل اس کے کہ ہم اسے بروئے کار لائیں۔ یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے تاکہ تمھیں ہر چیز پر افسوس نہ ہو جو تم نے کھو دی اور تمھیں اس چیز پر فرحت نہ ہو جو تمھیں عطا فرمائی۔ اللہ کسی اترانے والے دون لینے والے کو پسند نہیں کرتا۔) اس پر یزید کو غصہ آ گیا اور کہا لڑکے گویا اس طرح تو ہم پر اعتراض کر رہا ہے۔ ان کی گردن مار دینے کا حکم دے دیا۔ یہ سن کر وہ رونے لگے اور یہ شعر پڑھے۔

(1) اے نانا، اے بہترین رسول میں آپ کو پکارتا ہوں۔ آپ کا محبوب نواسہ قتل ہو گیا اور آپ کی نسل تباہ ہو رہی ہے۔

---

[146] نواسے کے وارث ہونے کی بھی خوب رہی اور اب تک جو وہ خلفاء سے بیعت کرتے چلے آ رہے تھے اس کیا کہا جائے گا اور خود امیر المومنین کی بیعت کی پیشکش کی اس کی کیا توجیہ ہو گی۔

(2) آپ کی اولاد اب ایسے ہو گئی ہے جیسے ذلیل لونڈیاں ہوں۔ لوگوں کے سامنے ان کی مصیبتوں کی تشہیر کی جا رہی ہے۔

(3) وہ سخت سست کہہ کر انھیں مرعوب کرنا چاہتا ہے جو سخت سن کر مرعوب نہیں ہوتے اور نہ کوئی رعب ڈالنے والا شخص انبیاء کو مرعوب کر سکتا ہے۔

(4) حکومت کا آسمانی ترکہ اس حرامی کے بیٹے یزید کے ظلم سے ایک متروک سے بن گئی۔ (یعنی ہم مرحوم ہوئے)[147]۔

(5) نانا جان کاش آپ ہمارا حال دیکھتے ہم پر بولی لگائی جا رہی ہے اور ہمیں ایسے فروخت کیا جاتا ہے جیسے لونڈیاں بکتی ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ عورتیں چیخ پڑیں اور ان کے گرد ہو کر رونے لگیں۔ ام کلثوم نے کہا۔ اے یزید تم نے زمین کو ہمارے خون سے سینچا۔ اب سوائے اس لڑکے[148] کے اور کوئی نہیں بچا اور سب خواتین ان سے (یعنی علی بن الحسین) لپٹ گئیں اور یوں بین کرنے لگیں۔

ہائے مردوں کی ہم میں کمی، ہمارے مردوں میں سے بڑوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ ہماری عورتیں قید کی جاتی ہیں اور ہمارے چھوٹوں پر سے بھی تلوار نہیں اٹھاتا۔ ہائے کوئی فریاد رس نہیں، ہائے کوئی فریاد رس نہیں۔ اے آسمان کے جوڑنے والے اور اے زمین کو پھیلانے والے (تیری دہائی ہے)

یزید کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں عورتوں کے رونے پیٹنے سے لوگوں کے دل نہ پسیج جائیں اور اس طرح ایک فتنہ کھڑا ہو جائے کیونکہ لوگ ٹڈی دل کی طرح ہجوم کئے یہ شرمناک واقعہ دیکھ رہے تھے۔ یزید کے دل میں ایسا خوف اور رعب بیٹھا کہ اس نے انھیں (علی بن الحسین) کو معاف کر دیا۔

جب حالات پر سکون ہوئے تو سکینہ نے فرمایا۔

یزید، یاد رکھو رات میں نے کچھ سوتے کچھ جاگتے نور کا ایک محل دیکھا ہے جس کی کھڑکیاں یاقوت کی تھیں۔ اچانک اس کا دروازہ کھلا اور پانچ بزرگ باہر آئے ان کے آگے ایک نوجوان تھا۔ میں اس کے پاس گئی اور پوچھا جوان یہ محل کس کا ہے؟ اس نے کہا تمھارے باپ حسین کا، میں نے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں، اس نے کہا آدم و نوح و ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ابھی یہ شخص مجھ سے بات کر ہی رہا تھا کہ ایک صاحب ماہ سیما ایسے آئے جیسے ساری دنیا کا غم ان پر ٹوٹ پڑا ہو۔ وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لئے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں اس نے کہا آپ کے نانا رسول اللہ۔ پس میں آپ کے قریب گئی اور عرض کیا نانا جان! بخدا مرد قتل کر دیئے گئے۔ ہمارے بچے ذبح کر دئے گئے اور ہماری خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ آپ مجھ پر جھک گئے، اپنے سینے سے چمٹا لیا اور بہت زور سے روئے۔ یہ دیکھ کر آدم و نوح و ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ آئے اور مجھ سے کہا اے برگزیدہ لوگوں کی بیٹی اپنی زبان قابو میں رکھو۔ تم نے سید نا رسول اللہ کا دل دکھایا ہے۔

---

[147] یعنی اپنے آپ کو نبی کہہ رہے ہیں اور امیر المومنین کو ان کے منہ پر حرامی۔

[148] 23 برس کے صاحب اولاد کو لڑکا کہا جا رہا ہے۔

پھر اس نوجوان نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے محل میں داخل کر دیا۔ وہاں میں نے پانچ خواتین بیٹھی دیکھیں۔ ان میں ایک خاتون بال کھولے اور کالے کپڑے پہنے۔ ان کے ہاتھ میں ایک خون آلود قمیض تھی وہ جب کھڑی ہوتیں تو سب خواتین کھڑی ہو جاتیں اور وہ جب بیٹھتیں تو سب خواتین بیٹھ جاتیں۔ وہ خاتون اپنے سر پر خال ڈال رہی تھیں۔[149]

میں نے اس نوجوان سے پوچھا یہ خواتین کون ہیں تو اس نے کہا۔ یہ حوا و مریم و آسیہ وام موسیٰ اور خدیجہ ہیں۔ اور خون آلود قمیض جن کے ہاتھ میں ہے وہ تمھاری دادی فاطمہ ہیں۔ میں ان کے قریب گئی اور کہا دادی جان بخدا میرے والد قتل ہو گئے۔ اور میں چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئی۔ انھوں نے مجھے اپنے سے چمٹالیا اور کہا بخدا میرے اوپر یہ بات سخت ہے اور زور زور سے رونے لگیں۔ اور کہا اے سکینہ! میرے بیٹے کو غسل کس نے دیا؟ کفن کس نے پہنایا؟ اور اس پر نماز کس نے پڑھی؟ کس نے اسے اول منزل پہنچایا؟ کس نے اس کی لاش اٹھائی؟ کس نے اس کی قبر کھودی؟ کس نے اس کی قبر پر اینٹیں چنیں اور کس نے مٹی ڈالی؟۔ پھر اس کے بعد کس نے تم یتیموں کی کفالت کی اور کون بیواؤں کا کفیل ہوا۔ پھر چیخ پڑیں۔ ہائے بیٹا۔ ہائے میرے دل کے ٹکڑے۔ اس پر ان کی آس پاس بیٹھی ہوئی خواتین بھی بین کرنے لگیں۔ پھر انھوں نے روتے روتے مجھے رخصت کیا۔ یوں میں بیدار ہو گئی اور اس طرح مجھ پر ایک غم کے ساتھ ان کی جدائی کا غم بھی بڑھ گیا۔

راوی کہتا ہے کہ ان کی بات سن کر یزید ہنس پڑا۔ اور ایک شخص کو حکم دیا کہ منبر پر چڑھ کر حسین کو گالیاں دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس پر علی بن الحسین نے اس آدمی سے کہا میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم مجھے بھی منبر پر چڑھنے کی اجازت دو تا کہ میں وہ بات کہوں جس میں خدا اور رسول کی رضا ہے۔ اس نے کہا آؤ چڑھو اور جو تمھارے جی میں آئے کہو۔ راوی کہتا ہے پھر منبر پر چڑھے اور شیریں زبان میں فصاحت و بلاغت کے ساتھ انبیاء کا سا کلام کیا۔ چاروں طرف سے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ فرمایا۔

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا اسے میں اپنے متعلق بتاتا ہوں میں ہوں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے حج کیا اور لبیک کہا، میں اس کا فرزند ہوں جس نے طواف کیا اور سعی کی، میں زمزم و صفا کا بیٹا ہوں۔ میں فاطمۃ الزہرا کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا سر پشت کی جانب سے کاٹا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو مرتے دم تک پیاسا رہا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے لوگوں نے پانی نہیں دیا۔ حالانکہ ساری دنیا کو انھوں نے اس کی اجازت دے رکھی تھی۔ میں محمد مصطفیٰ (ﷺ) کا فرزند ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو کربلا میں پچھاڑ دیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے سب مددگار زیر زمین آرام کر رہے ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے گھر کی خواتین آج قیدی ہیں۔ میں اس کا بیٹا ہو جس کے بچے بے جرم و خطا ذبح کر دیئے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے خیمے میں دشمنوں نے آگ بھڑکائی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو اس طرح زمین پر پڑا رہ گیا کہ اس کے کپڑے اتار لئے گئے۔ میں اس بیٹا ہوں جسے نہ غسل دیا گیا نہ کفن ملا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا سر نیزے پہ بلند کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے گھر کی خواتین کی کربلاء میں بے حرمتی کی گئی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا جسم ایک خطہ زمین میں ہے اور سر دوسری زمین میں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو سوائے دشمن کے کسی اور کو نہیں پاتا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی خواتین کو قیدی بنا کر شام لایا گیا۔ اور میں اس بیٹا ہوں جس کا نہ کوئی مددگار ہے نہ حمایتی۔

---

[149] یعنی عالم ارواح میں بھی سروں پر خاک ڈالی جاتی ہے۔ اور بین کیا جاتا ہے۔ گویا حضرت فاطمہ کو حضرت حسین کی صرف شہادت کی اطلاع ہوئی۔ ان سے ملاقات نہ ہو سکی جو سب صورتحال معلوم ہو جاتی۔

پھر آپ نے فرمایالوگو اللہ نے ہمیں تین فضیلتیں دی ہیں۔

بخدا ہمارے ہاں ہی فرشتوں کا آناجاناہے، رسالت کی کان ہے۔، ہمارے بارے میں آیات نازل ہوئی ہیں، ہمیں نے سب جہانوں کو ہدایت کی طرف رہنمائی کی۔ شجاعت ہم میں ہے کہ ہمیں جنگ کا کوئی خوف نہیں۔ اور جب فصحاء آپس میں فخر کریں تو حسن کلام اور فصاحت کے مالک ہم ہو ہوں گے۔ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی ہمارا حصہ ہے۔ اور جو شخص علم حاصل کرنا چاہے اس کے لئے علم ہمارے پاس ہے۔ تمام مخلوقات میں سے مومنوں کے دلوں میں محبت ہمیں سے ہے۔ زمین و آسمان میں بڑی شان ہماری ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو یہ دنیاپیدانہ ہوتی۔ ہر فخر ہمارے فخر کے سامنے ہیچ ہے۔ ہم سے محبت رکھنے والوں کو (حوض کوثر کا پانی) پلایا جائے گا۔ اور ہم سے دشمنی رکھنے والے لوگ قیامت کے دن شقی گردانے جائیں گے۔[150]

راوی کہتاہے لوگوں نے جب آپ کا یہ کلام سناتوروتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ یزید کو فتنے کا خوف ہو اتو اس نے مؤذن کا حکم دیا کہ ان کی تقریر میں رکاوٹ ڈال دے۔

چنانچہ مؤذن اوپر چڑھااور اس نے کہااللہ اکبر۔ امام نے کہاتم نے ایک بڑے کی بڑائی بیان کی اور ایک عظیم کی عظمت کو ثابت کیااور سچ کہا۔ جب مؤذن نے کہااشھد ان لا الہ الا اللہ تو آپ نے کہامیں بھی ہر گواہی دینے والے کے ساتھ یہی گواہی دیتاہوں اور ہر منکر کے مقابلے میں میرا یہی اقرار ہے۔ پھر مؤذن نے کہااشھد ان محمد رسول اللہ تو علی روپڑے اور کہااے یزید محمد تمھارے نانا تھے یامیرے؟اس نے کہا تمھارے،۔ آپ نے پوچھاپھر ان کے گھر والوں کو تم نے قتل کیوں کیا؟اس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکااور یہ کہہ کر اندر چلاگیا کہ مجھے نماز کی کوئی ضرورت نہیں۔

راوی کہتاہے کہ منہال بن عمر اٹھ کر علی بن الحسین کے پاس آیااور کہااے فرزند رسول آپ کا کیاحال ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اس کا حال کیاپوچھتے ہو جس کا باپ قتل کر دیا گیا، جس کے مددگار نہ ہونے کے برابر ہوں، جو اپنے گھرانے کی خواتین کو قیدی بناہوادیکھے کہ نہ ان کے جسم پر کپڑے ہیں نہ ان کے سر پر چادریں۔ اپنی کفالت کرنے والے حمایتی کو وہ کھوچکے ہیں۔ کیاتم مجھے نہیں دیکھتے کہ میں محض ایک ذلیل قیدی ہوں۔ میرے مددگار اور میری کفالت کرنے والے سب ختم ہو گئے۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو غمگینی کالباس پہنایا گیاہے اور تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں ہے۔ اب جو تم پوچھو تو دیکھ لو کہ میں کس حال میں ہوں۔ دشمن ہماری مصیبتوں پر شاداں ہیں اور ہمیں صبح و شام موت کا انتظار ہے۔

پھر آپ نے کہاعرب کو فخر ہے کہ محمد (ﷺ) ان میں ہیں۔ اور تمام عرب پر قریش کو فخر ہے کہ محمد ان میں ہیں لیکن ہم جو ان کے گھر والے ہیں تو ہم مقتول ہیں مظلوم ہیں، ہم پر مصائب توڑے گئے ہیں۔ ہمیں جنگی قیدیوں کی طرح لایا جارہاہے اور ہمیں بطور نذرانہ و بخشش

---

[150] یہ مسجع کلمات اور بار بار ایک ہی بات دہرانا پھر اپنی مدح میں وہ دون کی لیناکہ فکر سلیم پر بار ہو اسے کذاب راوی نے علی بن الحسین کی طرف سے منسوب کرنے کی جرات کی ہے اور پھر اسے انبیاء کا سا کلام بتایا ہے۔ انبیاء کا کلام اگر ایساہی ہوتا تو کیا تعمیر جہاں میں انھیں کامیابی ہو سکتی تھی۔ پھر قران حکیم کی وہ کونسی آیت ہے جس میں خاص اس خانوادے کا ذکر ہو اور انھیں امور کائنات یا وجہ تخلیق کائنات بتایا گیا ہو یا معدن رسالت کہا گیا ہو۔ قران میں تو یہ ہے کہ "محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں" (سورہ احزاب)

لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔ گویا پست ترین گھرانا ہمارا ہے اور نسب کے اعتبار سے ذلیل ترین ہم ہیں۔ جیسے ہم شرف کی بلندیوں تک نہ پہنچیں ہوں اور بزرگی کی بساط پر جولانی ہمیں نصیب ہی نہ ہوئی ہو۔ حکومت ملی تو یزید اور اس کے لشکر کو اور ادنیٰ غلام ہیں تو آل مصطفیٰ۔

راوی کہتا ہے کہ اس بیان پر چاروں طرف رونا پیٹنا مچ گیا۔ یزید کو فتنے کا خوف ہوا۔ اور جس شخص نے انھیں (یعنی علی بن الحسین) منبر پر چڑھایا تھا، اس سے کہا تیرا ناس جائے تونے میری حکومت کے زوال کا سامان کر دیا[151]۔ اس نے کہا بخدا مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ لڑکا اس انداز میں گفتگو کرے گا۔ یزید نے کہا تمھیں معلوم نہ تھا کہ یہ اہلبیت نبوت ہیں اور رسالت کے معدن۔ اس پر مؤذن نے کہا جب آپ کو یہ بات معلوم تھی تو ان کے باپ کو قتل کیوں کیا۔ اس پر یزید نے اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

راوی کہتا ہے کہ اس صورت حال سے اہل شام ایسے ہوگئے جیسے سوتے بیدار ہوگئے ہوں۔ انھوں نے بازار بند کر دیئے ماتم دوبارہ شروع کر دیا اور اہل عبا کے مصائب بیان کئے اور کہا بخدا ہمیں علم نہ تھا کہ یہ سر حسین ہے۔ ہم سے کہا گیا تھا کہ یہ سر ایک خارجی کا ہے جس نے عراق میں بغاوت کی تھی۔ جب یزید نے سنا تو لوگوں کے لئے قران کے پارے منگوائے اور انھیں مسجد میں تقسیم کر دیا۔ اور لوگ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ پارے ان کے سامنے رکھ دیئے گئے کہ تلاوت میں مشغول ہو کر ذکر حسین سے باز رہے۔ لیکن وہ ان کے ذکر سے باز نہ رکھ سکے۔

راوی کہتا ہے اس پر یزید نے حکم دیا کہ سب کو حاضر کیا جائے اور تقریر کرنے کھڑا ہوا اور بولا۔

اے اہل شام تم کہتے ہو کہ حسین کو میں نے قتل کیا ہے یا ان کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ انھیں قتل ابن مرجانہ نے کیا ہے۔

پھر اس نے لوگوں کو بلایا جو حسین کے قتل کے وقت وہاں موجود تھے۔ جب وہ لوگ آگئے تو کہا بتاؤ کہ حسین کو قتل کس نے کیا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ یزید نے کہا تمھارا ناس جائے، ایک دوسرے کا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ انھوں نے کہا اے یزید انھیں قیس بن ربیع نے قتل کیا تھا۔ یزید نے اس سے پوچھا یہ قتل تونے کیا تھا؟ اس نے کہا ہر گز نہیں۔ میں نے انھیں قتل نہیں کیا۔ کہا تو پھر کس نے قتل کیا۔ قیس نے کہا میں بتاتا ہوں کہ کس نے قتل کیا بشرطیکہ آپ مجھے امان دیں۔

اس نے کہا تجھے امان ہے۔ قیس نے کہا بخدا حسین اور اس کے گھر والوں کو قتل اس نے کیا جس نے جھنڈے سپرد کئے، زمین پر قبضہ کرنے کے لئے مال دیا، اور فوجیں بھیجیں۔ یزید نے کہا وہ کون تھا؟ اس نے کہا بخدا اے یزید وہ تم تھے۔ راوی کہتا ہے اس پر یزید کو غصہ آگیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ پھر اس نے سر کو ایک طشت میں رکھا اور اسے دبیقی رومال سے ڈھک کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ اپنے منہ پر طمانچے مارے جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا بھلا مجھے حسین کے قتل سے کیا واسطہ۔ پھر وہ باہر نکلا اور خواتین کو بلا کر معذرت کی اور کہا آپ لوگوں کو میرے پاس رہنا پسند ہے یا مدینے جانا۔ انھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ کچھ دن حسین کا ماتم کریں اور پھر مدینہ جائیں۔ اس نے ان کے لئے ایک گھر متعین کر دیا اور ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دی۔ چنانچہ ان سب نے حسین کا ماتم کرنا شروع کر دیا اور دمشق میں کوئی قرشی عورت ایسی نہ تھی جو کالے کپڑے نہ

---

[151] یعنی امیر المومنین کی موجودگی میں ایک شخص یہ حیثیت تھا کہ اپنی مرضی سے کسی کو منبر پر چڑھنے کی اجازت دے دے۔ اور پھر اس شخص کے کلام سے خوف زدہ ہو کر اجازت دینے والے سے شکوہ کریں۔

پہنے ہو۔ وہ سب کی سب سات دن تک حسین پر روتی رہیں۔ جب آٹھواں دن ہوا تو اس نے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) نے انھیں اختیار دیا کہ اسی کے پاس رہیں یا مدینہ چلی جائیں۔ ان سب نے مدینہ جانا پسند کیا۔[152]

چنانچہ ان کے لئے محمل تیار کیے گئے اور ان پر ریشمی پالان ڈالے گئے۔ پھر اس نے بہت سامال دیا اور کہا حسین کے بدلے یہ مال لے لو۔ ام کلثوم نے اس سے کہا تمھارا دل کتنا سخت ہے۔ میرے بھائی قتل ہو گئے اور تم ان کے عوض ہمیں مال دیتے ہو۔ بخدا ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ اس پر اس نے (یعنی امیر المومنین) انھیں بہت سامال دیا اور جس جس سے جو کپڑا یا زیور چھینا گیا تھا اس سے زیادہ انھیں دے کر اونٹ منگوائے اور انھیں بٹھا کر بہترین اور حسین ترین پالان ڈالے گئے۔ پھر سالار قافلہ کو بلا کر پانچ سو سوار اساتھ کر دیئے اور مدینہ جانے کا حکم دیا۔

---

[152] عمومی بات تو یہی ہے کہ سب حضرات مدینہ طیبہ واپس ہو گئے تھے۔ لیکن سیدہ زینب کو چونکہ طلاق ہو گئی تھی اس لئے انھوں نے سوتیلی بیٹی سیدہ ام محمد اور اپنے سوتیلے داماد امیر المومنین یزید ہی کے پاس رہنا پسند کیا اور دمشق میں ہی وفات پائی۔ دمشق سے کاروانی راستہ سیدھا مدینہ جاتا ہے۔ دمشق سے کربلا ہو کر جانے کی روایت اختراعی ہے۔

مدینہ کو واپسی

وہ شخص انھیں دمشق سے لے کر چلا تو کبھی ان کے آگے ہو جاتا اور کبھی پیچھے اس طرح اس نے ان کا ساتھ بڑی اچھی طرح دیا، ان کی خیر خواہی کی اور خدمات لائقہ بجالایا۔ راوی کہتاہے کہ پھر ان لوگوں نے اس سے کہا کہ ہمیں کربلا کی طرف لے چلو اور وہ ادھر ہی لے گیا۔ وہاں ان حضرات نے جابر بن عبداللہ انصاری کو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک جماعت تھی اور وہ لوگ حسین کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ یہاں پہنچ کر یہ لوگ بھی اتر پڑے، نئے سرے سے ماتم کیا، گریبان پھاڑ دیا، بال بکھیر دئے، اور غم گینی کے جو احوال ان تک نہاں تھے انھیں ظاہر کر دیا[153]۔ اور کچھ دن وہاں ٹھہرنے کے بعد مدینہ چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو جمعے کا دن تھا۔ علی بن الحسین نے کہا آگے آجاؤ۔ اور ابو عبداللہ کے سانحے کا حال اشعار میں سناؤ۔ بشر کہتے ہیں میں بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگاتا ہوا مدینہ جا پہنچا۔ جب مسجد رسول اللہ کے قریب ہوا تو میں نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھے۔

(1) اے اہل یثرب اب یہاں تمھارا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ کیونکہ حسین قتل ہو گئے اور میرے آنسو پہ آنسو بہہ رہے ہیں۔

(2) ان کا جسم خون میں لتھڑا ہوا کربلاء میں پڑا ہے۔ اور ان کا سر نیزے پر جگہ جگہ گھمایا جارہاہے۔

پھر میں نے آواز دی، اے اہل مدینہ علی بن الحسین اور ان کے بھائی اور ان کی پھوپھیاں تمھاری بستی میں آگئیں ہیں میں ان کی طرف سے تمھارے پاس بھیجا ہوا ہوں۔ کہتاہے کہ مدینہ میں کوئی ایسی پردہ نشین نہ تھی جو گھر سے باہر نہ آگئی ہو۔ ان سب نے سیاہ کپڑے پہن رکھے تھے[154]۔ یہ سب لوگ ہائے وائے کرتے نکلے۔ میں نے جسے بھی دیکھا تو یا کوئی مرد تھا روتا ہوا یا کوئی عورت تھی رونے والی، بین کرنے والی ماتم کناں۔ ان میں ایک لڑکی دیکھی جو روتی جاتی تھی اور کہتی رہی تھی:

(1) ایک سنانے والے نے جب میرے آقا کی موت کی خبر سنائی تو اس بد خبر نے مجھے سخت دکھ اور بے امری میں ڈال دیا۔

(2) اے میری دونوں آنکھوں خوب آنسو بہاؤ اور جھڑی لگادو۔ آنسوؤں پر آنسو بے دریغ بہائے جاؤ۔

---

[153] جی ہاں کیا صحابہ بھی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ چڑھاوے بھی چڑھاتے ہوں، مشکل کشائی کے بھی متوقع ہوں اور قبروں پر عرضیاں بھی ٹانکتے ہوں اور نوحہ ماتم بھی کرتے ہوں۔

[154] یہ سیاہ کپڑے کیا پہلے سے تیار کر رکھے تھے کہ ادھر سوگواروں کا قافلہ آئے گا اور ادھر ہم سیاہ پوش ہو کر ماتم کرنے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس بدبخت کو معلوم نہیں کہ عرب میں سیاہ لباس ماتمی نہیں کہلاتا۔ یہ تو عجمی تصور ہے۔ حضور ﷺ فتح مکہ پر سیاہ عمامہ زیب تن کئے ہوئے تھے تو کس کا ماتم مقصود تھا اور آپ کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا جسے ظل کہتے تھے وہ کس کے ماتم میں لہرایا جاتا تھا؟

اس شخص نے جگہ جگہ مخدرات خانوادہ علوی کو سر پر خاک ڈالتے گریبان چاک کرتے ہائے وائے کرتے دکھایا ہے اور اب یہاں خواتین مدینہ کو بھی اسی حال میں پیش کر رہاہے، گویا تعلیمات قرانیہ اور ارشادات نبویہ سے انھیں کوئی مناسبت نہیں تھی اور سب کے سب آداب اہل ایمان چھوڑ چکے تھے۔ اس قسم کی سب روایتیں خود اسی غالی مولف کے دماغ کی اختراع ہیں۔

(3)اس شخص کی وفات پر جس سے عرش الٰہی چکر کھا گیا اور دین وبزرگی کی ناک کٹ گئی۔

(4)وہ شخص جو خدا کے نبی کا بیٹا ہے اور اس کے ولی کا فرزند۔ اگرچہ وہ ہمارے گھر سے بہت دور جان سے گیا۔

راوی کہتا ہے کہ عبداللہ جعفر کے غلاموں میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے ان کے دونوں بیٹوں کی تعزیت کی اور کہا کہ یہ (مصیبت) حسین کے سبب آئی۔ راوی کہتا ہے کہ ابن جعفر نے اس کے ایک جوتی ماری اور کہا او گندی عورت کے بیٹے تو حسین کے بارے میں یہ کیا کہتا ہے، بخدا اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کا ساتھ دیتا اور ان سے جدا نہ ہوتا۔ تا آنکہ انھی کے ساتھ قتل ہو جاتا۔ پھر آپ نے اپنے ہم نشینوں سے فرمایا مجھ پر یہ بات سخت ہے کہ میں ان کے ساتھ قتل نہ ہوا لیکن خیر میرے دونوں بیٹوں نے تو ان کے لئے جان لڑا دی۔[155]

راوی کہتا ہے کہ ام لقمان نے زینب اور کلثوم اور باقی خواتین کی چیخیں سنی تو بغیر دوپٹے کے نکل پڑیں۔ ان کے ساتھ ان کی بہنیں بھی تھیں اور حضرت علی کی بیٹیاں ام ہانی، رملہ اور اسماء، یہ سب مل کر حسین ماتم کرنے لگیں۔

وہ لوگ (یعنی شام سے آنے والے) مدینہ میں جمعہ کے دن داخل ہوئے تھے۔ اس وقت خطیب خطبہ دے رہا تھا۔ جب ان لوگوں نے حسین کا ذکر کیا اور جو کچھ ان پر گزرا تھا وہ بتایا تو غم واندوہ میں اور اضافہ ہو گیا۔ سب لوگ اس مصیبت سے متاثر تھے۔ کوئی چپکے چپکے رو رہا تھا اور کوئی چیخیں مار رہا تھا۔ تمام اہل مدینہ امنڈ آئے تھے اور وہ دن ایسا لگتا تھا جیسے رسول اللہ کی وفات کا سا دن ہو۔

عقبہ بن عروہ شعبی نے حسین کا مرثیہ یوں کہا ہے۔

(1)میں کربلا میں حسین کی قبر پر گزرا تو میرے آنسو بہہ نکلے۔

(2)میں برابر روتا رہا اور جو صدمہ ہوا اس پر نوحہ کیا۔ میری آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور چیخیں نکلی جاتی تھیں۔

---

[155] حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے موقف پر پہلے ہی عرض مترجم کے تحت صورت حال بیان کی جا چکی ہے کہ نہ آپ کے فرزند علی زینبی جو سیدہ زینب کے بطن سے تھے کربلاء گئے نہ آپ کا وہاں جانے سے باز رہنا کسی معذوری کے سبب تھا بلکہ آپ اس خروج کو احکام شریعہ اور اصول دینیہ کے تحت ناجائز سمجھتے تھے۔ آپ نے انتہائی کوشش کی تھی کہ حضرت حسین اس مہلک اور تباہ کن اقدام سے باز آ جائیں لیکن افسوس آپ کی یہ کوششیں بے کار گئیں اور وہ سبائیوں کی افتراء پردازی کو اہل عراق کا واقعی موقف سمجھ کر وہاں کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کی ہمشیرہ سیدہ زینب بھی وہاں جانے پر بضد ہوئیں اور اپنے خاوند سیدنا عبداللہ کی ممانعت کرنے کی پرواہ نہ کی تو حضرت عبداللہ بن جعفر ان کے اس اقدام پر اس قدر ناراض ہوئے کہ انھیں طلاق دے دی۔ ایسی صورت میں کذاب راوی نے ان کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کی کیا قیمت ہے۔ بے شک آپ کو اپنے اعزہ اور سارے مسلمانوں کی طرح اس حادثہ فاجعہ پر صدمہ ہوا ہوگا خصوصاً اس لئے کہ تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے ہو جانے کے بعد حضرت حسین کے بعض ساتھیوں کی بے راہ روی سے یہ قیمتی جانیں مفت میں ضائع ہو گئیں۔

لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنا موقف نہیں بدلا، اور امیر المومنین یزیدؒ بن معاویہؓ کے ساتھ اپنی ذاتی اور سیاسی یگانگت میں فرق نہیں آنے دیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر حضرت ابن الزبیر کی تحریک سے بے تعلق رہے اور اموی خلافت کے استحکام میں پوری پوری مدد کی مبادیہ سے آپ ہمیشہ بیزار رہے۔

(3)اے میری آنکھ حسین اور اس کے ساتھیوں کے لئے روئے جا، جن کی قبریں ان کے گرد بنی ہوئی ہیں۔

(4)میر اسلام ہو ان اہل قبور پر جو کربلاء میں ہیں۔ میر اجتنا سلام بھی ان تک پہنچے وہ تھوڑا ہی ہو گا۔

(5)میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے جی کو نہ کھانا اچھا لگتا ہے نہ پینا۔ کیونکہ اسے جن کی برکت نصیب تھی اور جو اس کے مددگار تھے وہ سب ناپید ہو گئے۔

(6)ہم حسین کی (قبر کی) زیارت کرتے ہیں جو زمین میں دفن ہونے والوں میں سب سے بہتر تھے۔ تمام مخلوق کے امیر تھے اور اس امیر کے فرزند تھے۔

(7)اے دشمنوں کی ٹولی ان کے قتل پر خوشی مت منا۔ تم سب عنقریب آگ میں جھونکے جاؤ گے۔ جس کے شعلے بھڑکتے رہیں گے۔

(8)ان کی قبر کی زیارت کرنے والو، اس کی زیارت ہمیشہ کرتے رہنا۔ وہاں اس کے پاس مشک وعنبر کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔[156]

راوی کہتا ہے سب مردوں وعورتوں نے پندرہ دن تک حسین کا ماتم کیا اور جب سالار لشکر نے واپسی کا ارادہ کیا تو انھوں نے سب مال اور کپڑے اسے دے دیئے جو یزید نے انھیں دیئے تھے اور کہا ہمارے پاس کچھ اور ہوتا تو ہم وہ بھی تمھیں دے دیتے۔ خدا تمھیں یہ مبارک کرے۔ اس نے کہا میں کچھ قبول نہیں کر سکتا۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس پر میں خود آپ حضرات کا احسان مند ہوں۔ لیکن یہ راہ وسیع ہے۔ اگر آپ اس ناپاک چیز سے بے نیاز ہیں تب البتہ مجھے دے دیجئے۔ چنانچہ انھوں نے سب کچھ اسے دے دیا اور اس نے رخصت ہو کر شام کی راہ لی۔

---

[156] یہ جذبات خالص سبائی ہیں۔ قرن اول کے کسی متبع سنت شخص کے خیالات ایسے واہی نہیں ہو سکتے اور نہ کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ زمین میں دفن ہونے والوں میں حضرت حسین سب سے بہتر ہیں اور نہ انھیں تمام مخلوق کا امیر کہا جا سکتا ہے اور نہ روئے زمین کے امیر کا فرزند اور نہ ان کی یا کسی دوسرے کی قبر کی زیارت کو عبادت کا رنگ دینے کا اس زمانے میں کوئی تصور تھا۔

رسول اللہ کی قبر سے سسکیوں کی آواز

ابو مخنف کہتا ہے کہ ام کلثوم پھر غم میں ڈوبی ہوئی اور روتی ہوئیں رسول اللہ کی مسجد گئیں اور عرض کیا نانا جان! السلام علیک، میں آپ کو آپ کے فرزند حسین کی وفات کی خبر دینے آئی ہوں۔ راوی کہتا ہے اس پر قبر سے گہری سسکیوں کی آواز آئی اور لوگوں کے رونے پیٹنے سے فضا بھر گئی۔

پھر علی بن الحسین اپنے نانا کی قبر پر آئے اپنے رخسار اس سے ملے اور رو رو کر یہ شعر پڑھے۔

(1) اے میرے نانا اور بہترین رسول، میں چپکے چپکے آپ کے مقتول محبوب کے بارے میں بتانے آیا ہوں۔ آپ کی نسل مٹ رہی ہے۔

(2) میں غم و رنج میں ڈوبا اس حال میں سر گوشی کر رہا ہوں کہ میں قیدی ہوں اور میرا کوئی حامی و ناصر نہیں۔

(3) ہمیں ایسے گرفتار کیا گیا جیسے لونڈیاں پکڑی جاتی ہیں اور ہمیں وہ دکھ پہنچا جسے پسلیاں اٹھا نہیں سکتیں۔ (یعنی جو نا قابل برداشت ہے)

یزید کی موت

راوی کہتا ہے یزید بھی حسین کے بعد کچھ دن ہی زندہ رہا[157]۔ ایک دن وہ اپنے لشکر کے ساتھ شکار کے لئے گیا تو ایک ہرنی نظر آئی۔ اس کا پیچھا کرتے وقت اس نے ساتھیوں سے کہا کہ اس کے ساتھ کوئی آگے نہ بڑھے۔ پھر گھوڑے کو زور سے ایڑ لگا تا لگا تا ایسی جگہ پہنچا جہاں کوئی راہ دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہاں اسے ایک اعرابی ملا۔ اس نے کہا کیا تم راستہ بھول گئے ہو کہ میں تمھیں سیدھی راہ دکھاؤں یا بھوکے ہو کہ کھانا کھلاؤں یا پیاسے ہو کہ پانی پلاؤں۔ یزید نے کہا اگر تم میرا مرتبہ جانتے تو اس سے زیادہ اعزاز کرتے، اعرابی نے کہا تم کون ہو اس نے کہا یزید۔ اعرابی بولا میں نہ تجھے خوش آمدید کہتا ہوں اور نہ پذیرائی کرتا ہوں۔ کیسا برا ہے تیرا حلیہ اور کیسی ناپاک ہے تیری شہرت۔ بخدا میں تجھے ایسے ہی قتل کروں گا جیسے تو نے حسین کو قتل کیا تھا۔ پھر اس نے اپنی تلوار سونتی اور اسے بلند کر رہا تھا کہ اس کی چمک سے یزید کا گھوڑا بھڑک اٹھا اور اسے نیچے گرا دیا جس سے اس کی آنتیں پھٹ گئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) پیاس سے مر گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایک کنوئیں پر پہنچا، پیاس کے مارے اس کے آگ لگی ہوئی تھی۔ وہاں کنوئیں پر ایک بہت بڑے جثے کا پرندہ بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے اس نے (یعنی امیر المومنین) نے پانی پینا چاہا تو پرندے نے اسے نگل لیا اور اوپر اڑ گیا۔ پھر اسی تالاب کی طرف لوٹا اور وہاں اسے اگل دیا۔ اس کا جسم پوری طرح صحیح سالم تھا اب جو اس نے پھر پانی چاہا تو پرندے نے اسے اپنی چونچ سے کاٹ ڈالا اور قیامت تک وہ یہی کرتا رہے گا کہ اسے نگلے اور اگل دے[158] (مگر پانی نہ پینے دے) پھر اس کا بدلہ جہنم ہی ہوگا کیونکہ وہی اس کا ٹھکانہ ہے۔ خدا کی اس پر لعنت ہو اور اللہ کی لعنت سبھی ظالموں کے لئے ہے۔[159]

اس کتاب مستطاب (یعنی اصلی عربی نسخے کی) کتابت 18 ذی قعد 1347 ہجری کو پوری ہوئی۔ اس کی طباعت کا خرچہ حاجیوں اور (زیارت گاہوں کو) آباد رکھنے والوں کے بہترین شخص الحاج شیخ محمد صادق نے برداشت کیا اور مطبع حیدریہ نجف اشرف نے اسے شائع کیا۔

---

[157] کچھ دن نہیں بلکہ پورے تین سال دو ماہ۔

[158] ہم نے اس سے بھی زیادہ دلچسپ روایت سنی ہے کہ محمد بن حنفیہؓ (یعنی محمد بن علی بن ابی طالب) کو جب سانحہ کربلاء کی اطلاع ہوئی تو آپ تلوار لے کر یزید کی طرف دوڑے۔ وہ آپ کے سامنے بھاگا آپ اس کے پیچھے ہو لئے۔ اب قیامت تک یہی ہوتا رہے گا کہ آگے آگے یزید اور پیچھے پیچھے محمد حنفیہؓ تاآنکہ آپ بالآخر اسے پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور قتل کر دیں گے۔ یعنی قیامت تک یہ بادہ پیمائی محض یزید کی قسمت میں نہیں ہے بلکہ محمد حنفیہؓ کو بھی اسی مشقت میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ یہ ہیں داستانیں جو بیان کی جاتی ہیں ان کے سامنے تو اقوا جاہلیت کے اساطیر بھی گرد ہیں۔

[159] ملاحظہ ہو تعلیقہ وفات امیر المومنین

تعلیقات

کتاب اردو ترجمہ مقتل حسین

المشہور

بمقتل ابی مخنف

وصیت نامہ امیر المومنین امیر معاویہؓ

تعلیقہ صفحہ 74

جو وصیت نامہ ابو مخنف نے امیر المومنین حضرت معاویہؓ سے منسوب کر کے اس اپنی تالیف میں درج کیا ہے (صفحہ 50-51) وہ من گھڑت ہے۔ امیر یزید کی ولایت عہد کا مسئلہ تو اجماع صحابہ سے طے ہوا تھا اور حسب روایت صحیح بخاری سب نے اس کی ولی عہدی کی بیعت خوش دلی سے کی تھی تو امیر المومنین معاویہ کو اس بارے میں کسی طرف سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا نہ ایسی کسی وصیت کی ضرورت تھی۔ صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 33 کی یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ "میں (ام المومنین سیدہ) حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کی زلفوں سے اس وقت پانی ٹپک رہا تھ (سر دھویا تھا اور موقع کی مناسبت سے جلدی نکل آئیں تھیں) میں نے کہا آپ دیکھ رہیں ہیں لوگوں کا حال کہ اس معاملہ میں میرا کوئی خیال نہ رکھا گیا (یعنی ولایت عہد کے بارے میں) تو انھوں نے فرمایا جاؤ لوگ تمھارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ مجھے ڈر ہے تمھارے بیٹھ رہنے سے کہیں اختلاف پیدا نہ ہو جائے اور اس وقت تک ان کو نہ چھوڑا جب تک وہ چلے نہ گئے"۔

یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ ولایت عہد کا مسئلہ اجماع صحابہ سے طے ہوا تھا۔ سب اکابر مسجد میں جمع تھے، ام المومنین سیدہ حفصہؓ ہی نہیں سب امہات المومنین جو اس وقت زندہ تھیں اس کی تائید میں تھیں، جیسا کے ان کے بیٹوں اور ان کے عزیزوں کو موقف سے واضح ہے۔ ایسی صورت میں حضرت معاویہ کو کسی طرف سے کوئی خطرہ کیوں محسوس ہوتا۔ اس کتاب کے مفتری مولف کو یہ وصیت وضع کرتے وقت یہ خیال نہ رہا کہ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر اس وقت دنیا میں موجود ہی نہ تھے۔ حضرت معاویہ کی وفات سے سات سال پہلے 53 ہجری میں فوت ہو چکے تھے۔ (الاستعیاب جلد 2 صفحہ 393) حضرت امیر معاویہؓ ان مرحوم کا نام اپنی وصیت میں کیوں لیتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کی بیعت کا معاملہ صحیح بخاری سے ابھی بیان ہوا ہے، اور خود ہی اس وضعی وصیت نامے میں بھی ہے کہ حضرت معاویہ کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا تو وہ ان کا نام کیوں لیتے۔ یہ بیعت چونکہ اجتماعی تھی اور کوئی استثناء بخاری ہی روایت میں مذکور نہیں ہوا لہذا یہ سمجھنا غلط نہ ہو گا کہ

حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ بھی اجماع صحابہ کے خلاف نہ تھے۔ امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں جو باغیان مدینہ کی تنبیہ میں کہا تھا اس کا اشارہ ملتا ہے جہاں پیغمبر کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

ابلغ قریشا علی شحط المذار بھا   بنی و بین حسین اللہ والرحمن

میر اپیغام قریش کو پہنچادے ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے   کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ اور رشتے داری کا واسطہ ہے۔

وموقف یفناءالبیت انشدہ   عھد الالھو ما ترعی بہ الزمم

اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے   میں انھیں اللہ کا عہد اور ہر اس چیز کی یاد دلاتا تھا

جو ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتیں ہیں۔

مورخ ڈوزی نے صراحتاً اس کا اظہار ان الفاظ میں کر دیا ہے۔

He (i.e.Husain) had taken oath, of fealty to Uazid in Muawiya's life time and could not make good or .title to the Kaliphate

(Page. 47, Spanish Islam)

یعنی انھوں نے (حضرت حسینؓ نے) (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں ہی یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی اور اپنے حق و دعوے خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔ (صفحہ 47 "اسپینش اسلام)۔ پھر اس کا بھی کوئی امکان نہیں تھا کہ عراق کے والیوں کو جلد جلد تبدیل کرنے کی حضرت معاویہ وصیت کرتے۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ نے عراق کے والی پے بہ پے بدلے جس کا ہولناک نتیجہ آیا۔ اس سے حضرت معاویہ غافل کیسے ہو سکتے تھے اسی وجہ سے انھوں نے چن چن کر بڑے منتظم اور اولوالعزم حضرات کو وہاں کا والی بنایا اور انھیں جلد تبدیل کرنے سے احتراز کیا تو اپنے اس صحیح اور موثر طرز عمل کی مخالفت کیوں کرتے۔ غرض یہ ہے کہ ابو مخنف کا وضع کردہ یہ وصیت نامہ محض وضعی ہے اور بعد کے جن مؤلفین نے اس قسم کی وصیت کا ذکر کیا ہے اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں کیونکہ سب اسی مولف ابو مخنف کی روایت پر مبنی ہے جسے ائمہ اسماء الرجال متفقہ طور سے غیر ثقہ و کذاب کہتے ہیں۔

فرمان امیر المومنین یزید

(تعلیقہ 83)

حاشیہ صفحہ 53 کی عبارت سے جب عیاناً ثابت ہو گیا کہ امیر المومنین یزید کی طرف منسوب فرمان محض اختراعی ہے تو اس کے ذیل میں بیان کردہ یہ سب افسانہ بھی خود بخود باطل اور بے اصل ہو گیا۔ اس کی تفصیلات خود شاہد ہیں کہ اسے محض اسلاف کرام پر طعن اور ان کی حیثیت عرفی پر حرف لانے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

کیا کوئی سلیم العقل اور صاحب ایمان شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت حسین اول تو امیر ولید سے عام بیعت کے وقت بیعت کر لینے کا وعدہ کریں اور یہاں تک کہہ دیں کہ صبح کے اجتماع میں پہلا بیعت کرنے والا شخص میں ہوں گا۔ اور پھر چپکے سے رات کو فرار ہو جائیں۔ حضرت ابن الزبیر وعدہ کریں کہ وہ امیر کے پاس آرہے ہیں لیکن دھوکہ دے کر مکہ کی راہ لیں۔ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی کیا باور کر سکتا ہے کہ امیر ولید ان دونوں کے خفیہ عزائم جان لینے کے باوجود چپکے بیٹھے رہیں۔ اور انھیں روک لینے کی کوئی موثر کاروائی نہ کریں۔ نیز سوال ہے کہ مکہ بھی امیر المومنین یزید کی تولیت میں تھا۔ اگر یہ دونوں صاحب فرار ہو کر اور حکومت کو دھوکہ دے کر حریفانہ سیاسی عزائم کے تحت مکہ معظمہ گئے تھے والی مکہ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیسے کیا کہ وہ عزت و احترام اور آزادی کے ساتھ وہاں تقریباً چار ماہ آ آ کر ان سے ملیں۔ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے آخر رجب میں وفات پائی تھی کسی کو یہ علم نہ تھا کہ امت پر سانحہ عظمیٰ اسی مہینے میں گزرے گا۔ رجب میں عمرہ کیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ یہ دونوں بزرگ اسی غرض سے مکہ معظمہ آچکے ہوں اور اس سانحہ کی اطلاع انھیں مکہ میں ملی ہو۔ رہا ان پر بیعت پیش کرنے کا مسئلہ اور ان کا انکار کرنا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر کسی خاص گرفت کی ضرورت ہو۔ سنت خلفاء یہی ہے اگر کچھ لوگ بیعت سے منحرف ہوں تو ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ جتھا بنا کر باقاعدہ حکومت کے خلاف صف آراء ہونا چاہتے ہیں کہ ان پر بیعت سے رکنے سے ان کے سیاسی اور شہری حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ امام شافعی نے کتاب الام میں بیان کیا ہے۔ (جلد 4 صفحہ 217۔ طبع مصر)

ترجمہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ علی مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے مسجد کے گوشے سے تحکیم کی آواز سنی (یعنی خوارج کا نعرہ الحکم الا اللہ۔ حکم سوائے اللہ کے کسی کا نہیں)۔ تو فرمایا علی نے حق بات ہے مگر مقصد بتایا گیا ہے باطل۔ ہم پر تمھارے تین حق ہیں۔ ہم تمھیں اس سے نہیں روکیں گے کہ اللہ کی مسجدوں میں آکر تم اس کا نام یاد کرو۔ اور جب تک تم ہمارے ساتھ ہو اس وقت تک تمھارا وظیفہ بھی نہیں روکیں گے اور کہ ہم تم سے جنگ میں پہل نہیں کریں گے۔ جن لوگوں نے بیعت کر کے توڑ دی جب ان کے ساتھ یہ معاملہ تھا تو سرے سے بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ یہی معاملہ ہو تا جو والی مکہ نے منشائے امیر المومنین یزیدؒ کے مطابق ان دو حضرات سے روا رکھا اور یہی سنت صدیقی ہے۔ انھوں نے حضرت سعد بن عبادہ سے کچھ تعرض نہ کیا اور نہ حضرت علی سے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چھ مہینے تک بیعت سے رکے رہے۔

استحقاق خلافت

تعلیقہ صفحہ 100

حضرت حسین نے مکتوب بھیجا بھی ہو گا۔ تو یقیناً اس کا مضمون یہ نہ ہو گا کہ خلافت کا سب سے زیادہ حق ہمیں تھا اور ہم نے محض فتنے کے خوف سے دوسروں کی حکومت برداشت کرلی۔ کتاب و سنت کا علم رکھنے والا کوئی بھی ایسی نہیں کہہ سکتا۔ استحقاق ثابت ہوتا ہے یا تو کتاب و سنت سے یا وراثت کے اصول پر شخصی اہلیت و صلاحیت کے سبب رائے عامہ کی حمایت سے۔ یہاں ایک بھی صورت نہ تھی۔ کتاب اس سلسلے میں قطعی خاموش ہے۔ اللہ نے امت سے حکومت کا وعدہ کیا اور مقاصد حکومت بتائے لیکن نظام سیاسی کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں اس نے کوئی ہدایت نہیں دی کیونکہ اس کا مدار معاشرے کے ارتقائی احوال پر ہوتا ہے اور اس میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہیئت ترکیبی ہی کے بارے میں اس نے کچھ نہیں بتایا تو کسی شخص یا خاندان کے بارے میں میں کوئی حکم کیوں دیتا اسی طرح سبائی روایات سے قطع نظر خود رسول اللہ نے بھی اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی۔ اور اس پر صحابہ کرام و جمہور امت کا اجماع چلا آرہا ہے۔ تو پھر قانوناً و شرعاً کوئی شخص یا خاندان اپنے استحقاق کی بات کس طرح کر سکتا ہے۔ استحقاق کی دوسری دلیل ہوتی ہے وراثت کی بنا پر تو ظاہر ہے کہ چچا کی موجودگی میں چچا کا بیٹا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ دامادی سے وراثت ثابت ہوتی ہے۔

اس بارے میں نص صریح ہے محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔ یہاں "لکن" کے بعد یہ نہیں کہ آپ فلاں کے خسر ہیں یا فلاں کے نانا۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں یعنی نظام اسلامی کے بارے میں محمد بن عبد اللہ ہاشمی انتساب سے نہیں ہوتا اس کی حیثیت بنتی ہے محمد رسول اللہ خاتم النبیین کی دعوت کی آبیاری سے۔ یعنی آپ کے بارے میں جب بھی بات ہو گی تو آپ کے منصب نبوت سے متعلق ہو گی۔ جو شخص آپ کے دین کی جتنی زیادہ خدمت کرے گا اور آپ کی امت کے لئے اس کا وجود نفع بخش ہو گا اتنا ہی وہ آپ سے قریب ہے اگرچہ نسباً بعید ہو اور جس شخص کے اقدامات سے امت کو جتنا نقصان پہنچے گا اور دعوت میں اضمحلال آئے گا، اتنا ہی وہ آپ سے بعید ہے اگرچہ نسباً کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ اس بات پر بھی شروع سے لے کر آج تک اجماع چلا آرہا ہے اور یہ اجماع نص صریح پر مبنی ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

استحقاق تیسری طرح ثابت ہوتا ہے شخصی فضیلت و اہلیت اور مناسبت کی بناء پر، رائے عامہ کی حمایت سے تو تاریخ شاہد ہے کہ یہ حمایت حضرت علیؓ کی اولاد کو کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ پہلی دوسری اور تیسری خلافت کے بعد جب ہنگامی حالات میں خود حضرت علی ہی کو خلافت ملی تو اس حال میں کہ نصف سے زیادہ امت آپ کے خلاف تھی اور آخر وقت تک آپ کی خلافت کی آئینی حیثیت معرض بحث رہی۔ پھر حضرت حسن نے قوت رکھنے کے باوجود خلافت سے دستبردار ہو کر خود ہی ثابت کر دیا کہ استحقاق کی تیسری دلیل بھی آپ کے کام نہ آئی۔

تاریخ شاہد ہے کہ آل علی میں سے ڈھائی سو برس میں پینسٹھ کے قریب آدمیوں نے حصول خلافت کے لئے خروج کیا لیکن ان میں سے کسی کو بھی اتنے حمایتی میسر نہ آسکے کہ حکومت قائمہ کا تختہ الٹا جاسکے۔ ہمیشہ نتیجہ وقتی اور محدود اختلال کے علاوہ کچھ نہ نکلا۔ امت نے ہمیشہ خلافت قائمہ کا ساتھ دیا۔ تا آنکہ ہمارے زمانے میں سب سے بڑا خروج شریف حسین کا تھا۔ اس کا جو نتیجہ امت کو بھگتنا پڑ رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے عرب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور اسرائیل کا جاں گداز ناسور پنجے پھیلا رہا ہے۔

حضرت حسین یہ بھی نہیں لکھ سکتے تھے کہ فتنہ کے خوف سے انھوں نے اپنا دعوائے استحقاق چھوڑ دیا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ بے تعلق ہو کر چپکے بیٹھ جاتے اور اس بات کی پروانہ کرتے کہ امت کی سیاست کا کیا رخ ہے۔ لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ حضرت علی اور ان کی اولاد اپنے اپنے وقت میں سب حکومت قائمہ کی مدد و معاون رہی سوائے چند گنے چنے نفوس کے۔ خود حضرت حسین کا عمل شاہد ہے کہ عہد ثانی میں آپ خراسان کے جہاد میں شریک ہوئے جس کی کمان امیر سعید بن العاص امویؓ کے ہاتھ میں تھی اور پھر امیر المومنین معاویہؓ کے زمانے میں غزوہ قسطنطنیہ میں بھی شریک ہوئے جس کی کمان امیر یزید کے ہاتھ میں تھی۔ جس حکومت سے آدمی بے تعلق ہو اس کے لئے جان ومال کی بازی نہیں لگایا کرتا۔ پھر حادثہ کربلاء کے باوجود آل علی بلکہ تمام بنو ہاشم اموی خلافت کے طرفدار رہے اور اس کے مخالفوں کی مخالفت کی۔ اور اس بارے میں جرات کے ساتھ حضرت ابن الزبیر تک کا مقابلہ کیا۔ تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اپنا استحقاق انھوں نے محض فتنے کے خوف سے چھوڑ دیا۔ حضرت حسین کے جذبات اپنے نسب کی بنا پر کچھ بھی ہوں۔ انھیں تو چھ مہینے کی لگاتار ترغیب کے بعد قسم قسم کے سبز باغ دکھا کر کھڑا کیا گیا بالآخر کوفیوں ہی غداری کو دیکھ کر اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور اس طرح عدم استحقاق پر خود ہی مہر کر دی۔

تعلیقہ صفحہ 141

امیر ابن سعد رسول اللہ کے ماموں کے بیٹے ہیں۔ حضرت سعدؓ حضرت حمزہؓ سید الشہداء کے سگے ماموں تھے اور سیدہ آمنہ کے چچا کے بیٹے۔ حضور انھیں سگے ماموں ہی کی طرح جانتے تھے اور صحابہ کرام انھیں خال رسول اللہ کہا کرتے تھے۔ امیر ان رشتوں کی موجودگی میں حضرت حسین سے لڑنے اور ان کا سر کاٹ کر لانے کے لئے بھلا کیسے اور کیوں تیار ہو جاتے۔

رہا رے کی حکومت کا لالچ تو یہ کذب محض ہے۔ کسی جگہ کی حکومت دینے کا وعدہ امیر ابن زیاد کیسے کر سکتے تھے انھیں یہ اختیار ہی کب تھا۔ اس منصب پر اگر فائز کرتے تو خود امیر المومنین یزید کرتے۔ کوفہ کی امارت امیر ابن زیاد کو ایک خاص مقصد کے لئے دی گئی تھی کہ اہل کوفہ کو بغاوت سے دور رکھیں اور جن لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے اختلال پیدا کرنے کی صورت کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا ان پر قابو پالیں۔ جب امیر وہاں آئے تو خود ابو مخنف کے قول کے مطابق انھیں ملا کہ شہر میں کچھ اختلال نہیں۔ ایسی صورت میں انھیں کیا خطرہ ہو سکتا تھا کہ حضرت حسین کے پہنچنے سے کوئی زبردست انقلاب آ جائے گا۔ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ حضرت حسین جب پہنچیں تو وہ ایسا انتظام کریں کہ اختلال کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ چونکہ امیر عمر بن سعد حضرت حسین کے قریبی رشتے کی بنا پر یہ حیثیت رکھتے تھے کہ خوش اسلوبی سے یہ فتنہ فرو کر دیں اس لئے یہ مہم ان کے سپرد کی گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنا فرض ادا کیا اور حضرت حسین کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ خروج سے باز آئیں اور امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت کر کے جماعت میں داخل ہو جائیں۔ تمام اہل تاریخ متفق ہیں کہ جب حضرت حسین عراق پہنچے اور آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سبائیوں نے آپ کو کوفہ کے بارے میں غلط اطلاعات دی تھیں۔ اور سبز باغ دکھائے تھے۔ جن کی کوئی حقیقت نہ تھی تو آپ نے کوفہ پہنچنے کا قصد ترک کر دیا اور حکومت کے نمائندوں سے یہ کہا کہ آپ کو واپس جانے دیا جائے۔ یا سرحدوں کی طرف نکل جانے کی اجازت دی جائے تاکہ آپ وہیں مسکن گزین ہو جائیں اور کفار کے خلاف جہاد کریں۔ یہ بھی منظور نہ ہو آپ کو امیر المومنین کے پاس دمشق جانے دیا جائے۔ پھر عمر بن سعد نے آپ کی آخری شرط پر امیر عبید اللہ کو موافق کر لیا اور وہ ان کے تدبر اور امن کوشی سے خوش ہوئے۔ خود شیعہ الخیال طبری نے اسی ابو مخنف کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ (جلد 2 صفحہ 235)۔ انھما کانا التقیامرار ثلاثۃ اواربعا حسین وعمر بن سعد "(حسین اور عمر بن سعد، دونوں نے تین یا چار ملاقاتیں کیں)۔ اور پھر امیر عبید اللہ کو تینوں شرطیں بتا کر آخری شرط پر راضی کر لینے کی اطلاع دی۔ اور لکھا ہے "فلن اللہ قد اطفاء النائرۃ وجمع الکلمۃ واصلح امر الامتہ "(اللہ نے آتش اختلاف کو بجھا دیا (امت کا) کلمہ متحد کر دیا اور امت کے معاملات درست کر دیئے)۔ امیر عبید اللہ نے ان کی اس کامیابی کو سراہا اور کہا" ہذا کتاب رجل ناصح لامیرہ ومشفق علی قومہ نعم قد قبلت "(یہ مراسلہ ایسے شخص کا ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق۔ ہاں میں یہ شرط منظور کرتا ہوں)۔ حضرت حسین کا شرطیں پیش کرنا حکام صوبہ کا قبول کرنا وضعی باتیں ہیں ان پر گفتگو اپنے محل پر آگے آتی ہے۔ حضرت حسین نے

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر اور وہاں جانے کا قصد ترک کر کے دمشق کی راہ لی تھی کہ کربلا پہنچ کر اچانک یہ حادثہ پیش آ گیا۔ حضرت حسین کی ان تینوں شرطوں کا بیان ایک اور غالی مگر فاضل شیعہ شریف المرتضیٰ نے اپنی کتاب الشافی میں کیا ہے۔(صفحہ 471 طبع ایران)

"وقد روی انہ علیہ السلام قال لعمرو بن سعد اختار وا منی اما الرجوع الی لمکان الذی اقبلت منہ او ان اضع یدی علی ید یزید فھو ابن عمی لیری فی رایہ واما ان یسیر وبی الی ثغر من ثغور المسلمین" (اور یہ بات دراصل روایت کی گئی ہے کہ حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد سے فرمایا۔ میرے لئے یہ اختیار کیجئے کہ یا تو میں وہیں واپس چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں۔ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں پھر وہ میرے بارے میں اپنی جو رائے قائم کریں یا مسلمانوں کی سرحدوں میں سے کسی سرحد کی طرف یہ لوگ مجھے جانے دیں)۔

ایک تیسرے غالی شیعہ مصنف الامامۃ والسیاسۃ نے یہی لکھا ہے (جلد 2 صفحہ 6 طبع مصر)۔

"یا عمر واختر منی ثلاث خصال اما تترکنی ارجع کما جئت فان ابیت ھذاہ فاخری سیر فی الی الترک اقاتلھم حتی اموت او سیر نی الی یزید فاضع یدی فی یدہ فیحکم بما یرید فارسل عمر والی ابن زیاد بذلک فھم ان یسیر الی یزید" (اے عمر و میرے بارے میں تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کیجئے۔ یا تو مجھے چھوڑ دیجئے کہ جیسے آیا ہوں ویسے ہی واپس چلا جاؤں۔ اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو دوسری بات یہ ہے کہ مجھے ترکوں کے مقابلے پر بھیج دیجئے کہ ان سے لڑتا رہوں تا آنکہ مجھے موت آ جائے۔ یا پھر یہ کہ مجھے یزید کے پاس جانے دیجئے کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں اور پھر وہ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ عمرو نے ابن زیاد کو اطلاع دے دی تو انھوں نے انھیں (یعنی حسین کو) یزیدؒ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ (ان دونوں مصنفین نے عمر بن سعد کا نام عمرو لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

مقتل الحسین کے موجودہ ایڈیشن کے شائع کرنے والوں یہ شرطیں پیش کرنے اور حسین کے امیر المومنین کی بیعت پر راضی ہو جانے کا سارا واقعہ ہی اس کتاب سے حذف کر کے میدان کارزار کا نقشہ جما دیا ہے۔ اگر صحیح صورت بیان کی جاتی تو سننے والے اس لغو طولانی داستان کا تمام تاثر کھو بیٹھتے۔

ام المومنین سلمہؓ

تعلیقہ صفحہ 228

ام المومنین سیدہ ام سلمٰہ صلوات اللہ علیہ کو وضعی روایت کے مطابق جب یہ بات پہلے سے معلوم تھی اور حضور اکرم ﷺ کو دکھادیا گیا تھا کہ فتح ایران کے بعد سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے حکم سے سیدنا سعد بن ابی وقاص ایک شہر بسائیں گے، جس کا نام کوفہ ہوگا اور اس کے قریب ایک جگہ کربلاء ہوگی جہاں حضرت حسین شہید کئے جائیں گے تو جس وقت حضرت حسین نے وہاں جانے کا قصد کیا تھا اس وقت آپ نے انھیں کیوں متنبہ نہیں کیا تھا کہ آپ ناکام رہیں گے اور انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ ان کے جانے پر شیشی کو روزانہ دیکھنے کے معنی تو یہ ہوئے کہ جان بوجھ کر آپ نے حضرت حسین کو قتل ہو جانے دیا بعد میں سر پر دو ہتڑ مارنے اور ہائے وائے کرنے سے تو بہتر تھا کہ صحیح وقت پر انھیں وہاں جانے سے روک دیتیں۔ حضرت حسین نے اوروں کا مشورہ تو قبول نہیں کیا مگر ام المومنین کا مشورہ کبھی نہ ٹالتے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب افسانہ افترائی ہے۔ نہ ام المومنین اس وقت دنیا میں موجود تھیں اور نہ حضور ﷺ نے انھیں کربلاء کی مٹی محفوظ رکھنے کے لئے دی تھی۔ اس کذاب راوی نے جہاں اور بہت سے جھوٹ بولے ہیں اور خلاف واقعہ باتیں بیان کیں ہیں وہاں حضور اکرم اور ام المومنین سلام اللہ علیہا پر یہ جھوٹ بھی بولا ہے۔ تمام علماء سیر اس بات پر متفق ہیں کہ ام المومنین کی نماز جنازہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے پڑھائی تھی۔ جن کی وفات 59 ہجری میں ہوئی تو اس کا امکان کب تھا کہ محرم 61 ہجری میں سیدہ ام المومنین ام سلمٰہ زندہ ہوں۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ام المومنین سلمٰہ بھی ان امہات المومنین میں سے ہیں جو اس وقت زندہ تھیں جب ولایت عہد کا مسئلہ طے ہوا، اور انھوں نے امیر یزید کی ولایت عہد کی تائید کی تھی۔ صحابہ کرام اور امہات المومنین کے اسی اجماعی فیصلے کے تحت آپ کے فرزند اور حضور ﷺ کے ربیب محمد بن ابی سلمٰہ اور عمر بن ابی سلمٰہ نے امیر المومنین یزید سے دونوں بیعتیں کیں تھیں اور ان پر مستقیم رہے۔ ایسی صورت میں اگر بالفرض آپ محرم 61 ہجری میں زندہ بھی ہوتیں تب بھی پوری قوت سے حضرت حسین کو بتاتیں کہ اجماعی فیصلہ رد کرکے خروج کا ارتکاب نہ کریں کیونکہ کتاب و سنت میں اس پر سخت وعیدیں ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ام المومنین ام سلمٰہ کی بابت یہ سب افسانہ ہیچ محض اور قطعاً بے اصل سبائی روایتوں سے متاثر ہو کر جن علماء الرجال نے سیدہ ام المومنین ام سلمٰہ کی وفات 61 ہجری بتائی ہے انھوں نے اس کا خیال نہیں کیا کہ جب وہ خود دیکھ چکے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے پڑھائی جن کی وفات 59 ہجری کی ہے تو آپ 61 ہجری میں زندہ کس طرح ہوتیں۔ سیدہ ام سلمٰہ کے فرمان کے مطابق جو موقف ان کے فرزند کا تھا وہی سیدہ زینب بنت ابی سلمٰہ کا تھا ان کے دو فرزند حرہ ہنگامے میں کام آئے۔ ایک وہ جو ہنگامے میں شریک ہو گئے تھے ایک وہ جو اس ہنگامے سے بے تعلق رہے۔ یہ دونوں لاشیں جب سیدہ زینب کے سامنے لائی گئیں تو آپ نے فرمایا۔ مجھے اس کی تو فکر نہیں کیونکہ اس نے تلوار نہیں اٹھائی تھی مگر فکر اس کی ہے کہ جس نے تلوار اٹھائی ہے۔ (الاصابہ فی تمیز الاصابہ)

گویا آپ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف خروج اتنی بڑی معصیت تھی کہ اپنے فرزند کے ماخوذ ہونے کا خطرہ آپ نے محسوس کرلیا۔ جب ام المومنین اور ان کی اولاد کا یہ موقف تھا اور یہ سب بچے حضور ﷺ کے گھر میں پلے بڑھے تو کیسے ممکن ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتیں تو حضرت حسین کو خروج وبغاوت سے باز رہنے کا حکم نہ دیتیں اور یہ مستبعد ہے کہ آپ ان کے حکم سے سرتابی کرتے کیونکہ نص قرآنی کے تحت وہ آپ کے سامنے جھکنے پر مجبور تھے۔

حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہا

تعلیقہ صفحہ 241

حضرت مروان بن الحکم اموی صغار صحابہ اور کبار تابعین میں سے ہیں پھر بھی انھیں یہ شرف حاصل ہے کہ سیدنا سہیل بن سعد الساعدیؓ جیسے صحابی نے ان سے روایت کی اور تابعین میں سے کبار فقہاء نے مثلاً سعید بن المسیب، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود بن ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن مخزومی عروہ بن الزبیر، عراک بن المالک غفاری عبد اللہ بن شداد بن الہاد وغیرہ نے۔ حتیٰ کہ عبد الرزاق نے بھی ان کی روایت لی ہے جو حدیث میں امام اہل یمن ہیں اور ان میں شیعیت تھی۔ پھر علی بن الحسین نے ان سے جو روایت کی وہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔(جلد 1 صفحہ 272-273 طبع مصر) علاوہ ازیں موطاء شریف، صحیح بخاری اور سنن نسائی وغیرہ صحاح کی عظیم ترین کتابوں میں حضرت مروانؓ کے ارشادات، فتاویٰ اور قانونی فیصلے مندرج ہیں۔ اور فقہاء اسلام کے ہاں انھیں نظائر شرعیہ کی حیثیت دی جاتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں "اخرج اھل الصاح عدۃ احادیث عن مروان ولہ قول مع اھل النقیا" (اہل صحاح نے مروان سے متعدد احادیث لیں ہیں اور اہل فتویٰ میں ان کا قول بطور سند مقبول ہے) تاریخ خمیس میں ہے۔ وکان مروان فقیھا عالماً ادیباً (مروان فقیہہ اور عالم اور ادیب تھے)۔ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے ان کی صفت بیان کی ہے "القاری کتاب اللہ، الفقیہ دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ" (اللہ کی کتاب کے قاری، اللہ کے دین کی سمجھ رکھنے والے اور حدود الٰہی قائم کرنے میں سخت) البدایہ والنھایتہ جلد 8 صفحہ 257۔ امام ابو بکر العربی فرماتے ہیں (العواصمہ من القواصم صفحہ 89-90) "مروان رجل عدل من کبار الامۃ عند الصحابۃ بعین وفقھاء المسلمین" (صحابہ وتابعین اور فقہاء مسلمین کے نزدیک حضرت مروانؓ اس امت کی عظیم اور ثقہ شخصیتوں میں ہیں)۔ خانوادہ علوی سے آپ کے سیاسی اور ذاتی تعلقات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) جنگ جمل کے بعد آپ نے اور آپ کے صاحبزادوں نے سیدنا علیؓ سے بیعت کرلی تھی اور مدینہ واپس ہوگئے تھے۔ جنگ صفین میں انھوں نے سیدنا معاویہؓ کا ساتھ نہیں دیا اور اکابر صحابہ کی طرح غیر جانب دار رہے۔

(2) ان کے فرزند امیر المومنین عبد الملک کے عقد میں، امیر المومنین سیدنا علیؓ کی ایک دختر تھیں جن سے اولاد ہوئی۔ (البدایتہ والنھایتہ۔ جلد 9 صفحہ 69)۔

(3) ان کے دوسرے فرزند معاویہ بن مروانؓ بھی امیر المومنین کے سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ ان کی زوجہ سیدہ رملہ بنت علی تھیں۔

(4) جب حضرت حسین نے سب کا مشورہ ٹھکرا کر کوفہ کا سفر اختیار کر ہی لیا تو حضرت مروانؓ نے امیر عبید اللہ بن زیاد کو یہ خط بھیجا تھا جسے ناسخ التواریخ کے شیعہ مصنف نے بھی نقل کیا ہے۔ (کتاب دوم جلد 6 صفحہ 165۔ طبع ایران)

اما بعد فان الحسین بن علی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آخر الدھر"

(امابعد! حسین بن علی تمھاری طرف چل پڑے ہیں۔ یاد رکھو حسین فاطمہ کے بیٹے ہیں اور فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی ہیں، خدا کی قسم خدا انھیں سلامت رکھے، ہمیں حسین سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں۔ خبر دار ایسا نہ ہو کہ تم نفس ہیجان میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھو جس کا مداوا نہ ہو سکے اور عوام اسے بھلا نہ سکیں اور قیامت تک اس کا تذکرہ ہوتا رہے)۔

ایک طرف حضرت حسین کے ساتھ حضرت مروان کی محبت کا یہ حال تھا جو ایک شیعہ مصنف کو بھی تسلیم ہے اور دوسری طرف یہ خرافات و مفتریات ہیں جو اس شخص مجہول نے اپنی اس لغو کتاب میں ان کے متعلق لکھی ہیں۔

(5) حضرت امام شافعی نے الام میں حضرت علی بن الحسین سے ان کی محبت اور ان کے دل میں ان کی عظمت کا حال اس طرح لکھا ہے (جلد 4 صفحہ 216)

"روی عن جعفر بن محمد بن ابیہ عن جدہ علی بن الحسین رضی اللہ۔۔۔۔۔ ولا یذ قف علی جریح"

(جعفر بن محمد سے ان کے والد کے حوالے سے روی ہے اور انھوں نے ان کے دادا (یعنی اپنے والد) علی بن الحسین کے حوالے سے بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں میں مروان بن الحکم کے پاس گیا تو انھوں نے کہا میں نے آپ کے جد سے زیادہ کریم شخص غالب آنے کے باوجود نہیں دیکھا۔ ہم لوگ جمل کے دن پسپا ہو گئے تھے تو ان کے منادی نے باعلان کہا کہ کسی فرار ہونے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اور نہ کسی زخمی کو قتل کیا جائے)۔ غالباً اسی کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہو کر حضرت مروان اور ان کے فرزندوں نے حضرت علی سے بیعت کر لی تھی یا انھیں ان کے موقف کی حقانیت کا احساس ہو گیا ہو گا۔

(5) حضرت علی بن الحسین سے ان کے ذاتی تعلقات یگانگت بہت گہرے تھے۔ چنانچہ جب اہل مدینہ نے حرہ کے موقعہ پر بغاوت کی اور تمام اموی سادات کو شہر بدر کر دیا تو علی بن الحسین ان کے گھر کی خواتین اور بچوں کو اپنے ساتھ اپنی جاگیر ینبع پر لے گئے تھے اور جب حضرت مروان شام پہنچ گئے تو انھوں نے ان خواتین کو اپنے فرزند کے ساتھ شام بھیج دیا تھا۔ حضرت مروان حجاز سے شام اس وقت گئے ہیں جب حادثہ کربلاء کو تین سال گزر چکے تھے یعنی واقعہ حرہ کے بعد مگر اس کذاب راوی نے امیر یزید کے دربار میں انھیں موجود بتایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت علی بن الحسین اور دیگر اعزہ حسین کو اس حال میں دیکھ کر فرط مسرت سے اچھل پڑے اور بے ساختہ شعر بھی کہے۔ ایسی صریح کذب بیانی کی بہت سی مثالیں اس کتاب میں ہیں۔

(7) حضرت مروان سے ایک مرتبہ حضرت علی زین العابدین نے چھ ہزار درہم قرض لئے تھے اور ادا نہ کر سکے تو امیر المومنین مروان نے اپنے فرزند ارجمند امیر المومنین عبد الملک کو وصیت کی تھی کہ یہ رقم ان سے نہ لی جائے۔

(8) تاریخ شاہد ہے اور علم الانساب کی تفصیلات گواہ ہیں کہ حضرت علی کی بیٹیاں، پوتیاں حضرت مروان کے بیٹوں اور پوتیوں سے بیاہی گئیں۔

اب ایک طرف یہ حقائق ہیں اور دوسری طرف اس بدبخت راوی کی وہ خرافات ہیں جو اس نے حضرت مروان جیسے جلیل القدر شخص کی طرف اپنی کتاب میں منسوب کی ہیں۔ بات یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں سبایۂ کو اپنی پے بہ پے ناکامیوں کی بناء پر اموی سادات سے ایسا بغض وحسد پیدا ہو گیا ہے کہ قسم قسم کی روایتیں وضع کر کے ان کے خلاف دل کے پھپھولے پھوڑتے رہتے ہیں۔

امیر المومنین سیدنا عثمان صلوات اللہ علیہ کو شہید کر کے انھوں نے یہ خیال کیا تھا کہ دین اسلام کو تباہ اور امت مسلمہ کو ختم کر دینگے مگر نتیجہ الٹا نکلا۔ اللہ نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کو امت کا پشتی بان بنا کر کھڑا کیا اور تمام امت کے قلوب ان کی طرف جھک گئے۔ اور یہ ان کی حکمت عملی کا نتیجہ تھا کہ کتاب و سنت کا تحفظ ممکن ہو سکا۔ پھر سبائیہ نے حضرت حسین کو خلافت کے حصول کے لئے کھڑا کیا مگر حضرت موصوف نے عراق کی صحیح صورتحال اور امت کا رجحان دیکھ کر اپنے موقف سے رجوع فرمالیا تھا اور امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر تیار ہونے کا اعلان کر کے کوفہ جانے کا قصد ترک کرتے ہوئے دمشق کا راستہ اختیار کیا تھا جس پر کربلاء کا مقام آتا ہے۔

سبائیہ نے پھر امیر المومنین ہشام کے زمانے میں جناب زید کو کھڑا کیا اور عین موقعہ پر انھیں دغا دے گئے یوں یہ تحریک بھی ناکام رہی۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ نے امت مسلمہ کو خلافت دینے کا جو وعدہ کیا تھا اور کامیابیوں کی بشارتیں دیں تھیں ان سب کو منصہ شہود پر لانے کی صلاحیت اس نے اموی سادات کو ہی ودیعت کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے عملاً ان کی صلاحیتوں اور کاروبار مملکت چلانے کی قابلیت دیکھ کر شروع ہی سے حکومت نبویہ کے اہم مناصب عطا فرمائے تھے۔ مکہ فتح کرتے ہی ایک نوجوان اموی کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور دیگر اموی سادات کو دوسرے اہم مقامات کا، پھر خلافت صدیقی و فاروقی میں ان کے ایسے جوہر کھلے کہ امت کے قلوب انھی کی طرف جھکتے چلے گئے۔ حضرت فاروق اعظم کے بعد جب اہل مدینہ اور امراء عساکر سے استصواب کیا گیا تو ہر طرف سے سیدنا عثمان ہی کے حق میں اواز اٹھتی تھی۔ پھر ان کی شہادت کے بعد کے احوال ایسے رہے کہ امیر المومنین سیدنا علی کی خلافت پر امت اک اجماع نہ ہو سکا۔ اور حالت یہ ہو گئی کہ علاقے کے علاقے سیدنا معاویہ کے ساتھ ملتے چلے گئے تا آنکہ حضرت علی کی شہادت کے بعد تمام امت نے امیر المومنین کی خلافت پر اجماع کر لیا اور ان کی زندگی میں ہی جمہور صحابہ واہلبیت نبویہ اور بنوہاشم نے امیر یزید کی ولایت عہد کا مسئلہ اپنے اجماع سے طے کر دیا۔ جب امیر المومنین یزید کی وفات کے بعد امت کا اجماع ہوا تو امیر المومنین عبد الملک پر۔ یوں ان کے اور ان کی اولاد کے ہاتھوں اللہ رب العزت کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے اس مت سے کئے تھے۔ اموی امامت کے نتیجے میں جہاں کتاب و سنت کا تحفظ اس پیمانے پر ہو گیا کہ تحریف و تبدیل کی کوئی گنجائش نہ رہی وہاں دوسری طرف مشرق و مغرب میں اسلام کا پھریرا بھی اموی سادات نے لہرا دیا۔ روئے زمین کا جتنا رقبہ اموی خلفاء دارالسلام بنا چکے تھے اسے بعد کے مسلمان سنبھال بھی نہ سکے چہ جائیکہ اس میں معتد بہ اضافہ کرتے۔ یہ ہے اپنی پے بہ پے ناکامیوں کے سبب سبائیہ کا غم وغصہ اور بغض وحسد اور اسی طرح ان عظیم ترین محسنین امت پر سب وشتم اور افتراء کے ذریعے یہ اپنے جذبات دنیا کی تسکین کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ جس کا نمونہ یہ کتاب ہے۔

اشعار امیر المومنین یزیدؒ

تعلیقہ صفحہ 241-242

جس افتراء پرداز نے یہ اشعار (مندرج صفحہ 168-169) امیر المومنین سے منسوب کئے ہیں اس نے عقل و سمجھ سے کام نہیں لیا اور کرامت امیر المومنین کی ہے کہ اس نے چھٹا شعر بھی ان اشعار میں شامل کر دیا جو دراصل قریش کے نامور شاعر عبد اللہ بن الزبعری بن قیس سہمی کا ہے جو انھوں نے بحالت کفر غزوہ احد کے بعد کہے تھے۔

حضرت علی کا سگا بہنوئی ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی شوہر ام ہانی بنت ابی طالب جو رسول اللہ کا شدید مخالف تھا وہ اور یہ عبد اللہ بن زبعری فتح مکہ کے دن بھاگ کر عیسائیوں کے پاس نجران چلے گئے تھے۔ ہبیرہ تو اپنے کفر پر قائم رہا اور وہیں ہلاک ہو گیا۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن الزبعری کو اللہ نے ہدایت دی وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے اور خلوص و استقامت کے ساتھ زندگی بسر کی۔

غزوہ بدر میں جو قریشی قتل ہوئے تھے جن میں ابو طالب کا بیٹا طالب بھی شامل تھا۔ نیز دوسرے بڑے بڑے کفار کے قتل سے قریش کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ اب یہ قریشی سب کے سب غم و ملال لیکن عزم کے ساتھ اپنی اس شکست کا بدلہ لینے کی تیاری کر رہے تھے جس کا موقع انھیں احد میں بعض مسلم مجاہدین کی غلطی سے مل گیا۔ ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں اکثریت انصار کی تھی۔

کامیابی پر خوش ہو کر ابن الزبعری نے اپنی حالت کفر میں یہ شعر کہے تھے جن میں دو یہ ہیں۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا　　　　جزع الخزرج من وقع الاسل

(کاش میرے بزرگ جو بدر میں تھے اپنی آنکھوں سے خزرج (یعنی انصار) پر ہماری شمشیر زنی کے سبب گھبراہٹ کا منظر دیکھتے)

قتلنا النصف من ساداتھم　　　　وعدلنا میل بدر فاعتدل

(ہم نے ان کے بڑے بڑے آدمیوں میں سے آدھے قتل کر دیئے اور بدر کے دن ان کا پلہ جو بھاری ہو گیا تھا اسے ہم نے برابر کر دیا)

ابو مخنف کے بیان کردہ اشعار میں ابن الزبعری کے شعر پر کسی شخص نے طبع آزمائی کی ہے اور یہ شعر امیر المومنین یزید کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ ناسخ التواریخ کا غالی شیعہ مولف بھی اس انتساب کی تردید کرتا ہے اس کے الفاظ ہیں "وازاں مصرع کہ گوید جزع الخزرج معلوم تواں داشت کہ ازابن لزبعریٰ ست" (جلد 3 صفحہ 132، طبع جدید ایران)۔

پھر سوچنا چاہیے کہ کربلا میں خزرجیوں یعنی انصاریوں کے کون سے سردار مارے گئے تھے یا حضرت حسین کو بھی اسی طرح خزرجی سمجھا جائے جیسے اس جاہل نے رسول اللہ کو ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی بنا دیا ہے۔

رہابدر کا بدلہ لینا تو کس سے لیا اور کس کے لئے۔ حضرت حسین کے چچا طالب اس غزوے میں مارا گیا۔ اور ان کے دوسرے چچا عقیلؓ گرفتار ہوئے اور ان کے والد کے چچا حضرت عباس بھی۔ اور ان قاتلوں اور گرفتار کرنے والوں میں امیر المومنین یزید کے والد سیدنا معاویہ کے ماموں حضرت حذیفہ رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ اور خود ان کے عم بزرگوار حضرت یزید بن ابی سفیان بھی۔

یعنی حضرت ابوسفیان کا بیٹا حنظلہ بدر میں مارا گیا تو اپنے بھائی یا اپنے ماموں کے ہاتھ سے۔ اگر بالفرض محال ایسا ہوتا کہ بدر میں جتنے اموی اور عشبمی (بنوامیہ) مارے گئے تھے وہ سب ہاشمیوں ہی کے ہاتھ مارے گئے ہوتے تب تو ایک بات بھی تھی۔ لیکن سبائیہ کو چونکہ اموی سادات سے عداوت کے اظہار میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کو چاہتے ہیں بکواس کر دیتے ہیں۔ اب یہ بھی غور طلب ہے کہ حادثہ کربلا میں مقتولین کے سر اسی طرح کاٹے گئے ہوتے اور ان کی نمائش کی گئی ہوتی اور امیر المومنین نے ان ملحدانہ و کافرانہ اشعار کے ذریعے فرحت و انبساط کا مظاہرہ کیا ہوتا تو کیا صحابہ کرام و جمہور امت کا یہ عالم رہتا کہ مسلمانوں کی ہر بستی پر سکون رہی اور کہیں کوئی احتجاجی تحریک نہ اٹھی۔ پھر چار برس بعد 64 ہجری کے آخر میں ابن الزبیر کے داعیوں نے امیر المومنین یزید کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکانے کی کوشش کی تو اکابر صحابہ تمام بنوہاشم اور انصار کا سب سے بڑا گھرانہ بنو عبد الاشہل اور اہل مدینہ کی اکثریت نے اس ہنگامے سے بے تعلقی برتی اور بنو عبد الاشہل ہی نے سرکاری فوج کو اپنے محلے میں سے گزار کر قبضہ کروا دیا۔ حضرت ابن عمرؓ، حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (ابن الحنفیہ) اور رسول اللہ کی ربیبہ سیدہ زینب بنت ابی سلمٰہ کے موقف اور زید بن ارقم انصاری کے جذبات و موافقت اپنی اپنی جگہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امیر المومنین یزید کے خلاف خروج کو وہ کیسا غلط و ناجائز اقدام جانتے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اہل مدینہ کی بغاوت میں حادثہ کربلاء کا کوئی ذکر نہ تھا بلکہ صرف امیر المومنین یزید پر شراب پینے اور بعض نمازیں ترک کر دینے کا بہتان باندھا گیا تھا اور اس کی پر جوش تردید حضرت حسین کے بھائی حضرت محمد بن علی بن ابی طالب نے اپنے چشم دید حالات کی بنا پر کی تھی جیسا کہ اپنے موقع پر بیان ہو چکا ہے۔

تعلیقہ صفحہ 266

نواح دمشق کے صحت بخش و پر فضا مقام حوارین میں امیر المومنین یزیدؒ بوجہ مرض نقرس انتقال کر گئے۔ جو کچھ عرصہ سے عارض تھا (الانساب الاشراف بلاذری جلد 4 صفحہ 64)۔ تبدیل آب وہوا کی وجہ سے وہیں مقیم تھے وہیں 14 ربیع الاول 64 ہجری مطابق 11 نومبر 683 عیسوی کو رہگزائے عالم جاودانی ہوئے۔ بوقت وفات عمر 42 سال تھی کیونکہ بروایت اصح 22 ہجری میں تولد ہوئے تھے (البدائیہ والنھایتہ۔ جلد 7 صفحہ 145) تقریباً نصف حصہ عمر عزیز کا بالفاظ دیگر پچیس چھبیس برس کے سن سے یہ نوجوان مجاہد غلبہ دین حق کی خاطر دشمن اسلام قوت رومی عیسائی شہنشاہیت کے خلاف معارک عظیمہ میں بر سرپیکار رہے تھے۔ ہفتوں اور مہینوں ساحلی اور دلدلی مقامات پر بعض اوقات پاپیادہ چلنا ہوتا آخر زمانہ میں مضافات دمشق میں زراعت کی ترقی اور باشندوں کی آب رسانی کی غرض سے جبل قاسیوں سے خود داغ بیل ڈال کر اپنی ذاتی نگرانی میں نہر جاری کروائی جو ان کے نام نہر یزید سے آج تک موسوم ومشہور ہے۔ ایک شیعہ مورخ امیر علی اپنی ہسٹری آف۔۔۔ صفحہ 153 میں لکھتے ہیں:

"دمشق میں آب رسانی کا انتظام ایسا ہے کہ مشرق ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جاسکا۔ اور بنی امیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ آج کے دن تک بھی کم حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر فوراہ پانی کا موجود ہے جو بلاشک خاندان بنو امیہ[160] کے سلاطین کا رہین منت ہے۔"

سالہا سال اس طرح کے رفاہ عامہ کے کاموں میں محنت شاقہ کے اثرات سے یہ مرض نقرس جسے تاریخ عینی میں مرض ذات الجنب بتایا ہے لاحق ہوا اور یہی مرض موت ہوا۔ بلاذری کہتے ہیں۔

"مات یزید بحوارین وصلی علیہ (بنہ معاویۃ)۔۔۔۔۔ ودفن یزید بدمشق فی مقبرۃ الباب الصغیر ومات بحوارین فحمل علی ایدی الرجال الیھا وفیھا دفن ابوہ معاویۃ" (النساب لاشرف جلد 4 صفحہ 60)

یزید کی وفات حوارین میں ہوئی، نماز جنازہ ان کے فرزند معاویہ (ثانی) نے پڑھائی۔ تدفین یزید کی دمشق کے مقبرے باب الصغیر میں ہوئی انتقال ان کا حوارین میں ہوا تھا جہاں سے جنازہ ان کا لوگ اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر یہاں لائے تھے اور یہیں ان کے والد حضرت معاویہ مدفون ہیں۔

[160] شیعہ مورخ نے بانی نہر کے اسم گرامی کا اخفا کرکے سلاطین بنی امیہ کہا ہے۔ یزید دشمنی میں تو ان کے ہم مذہب نہر یزید کے پانی سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ پہاڑوں کی پتھریلی زمین کو کاٹ کر اس نہر کو اپنی ذاتی نگرانی میں جاری کرانا آج تک جاری ایک شاہکار ہے۔ اسی لئے امیر المومنین کا لقب المہندس (نہر وو کاریز کے ماہر سے) معاصرین نے نوازا تھا۔

یہ محبت اور عقیدت لوگوں کی امیر یزید کے ذات مستجمع صفات سے ان کے مر جانے کے بعد بھی ایسی ہی رہی کہ اتنی دور سے جسد پاک کو ان کے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر لائے اور ان کے والد ماجد حضرت معاویہ کے پہلو میں دفن کیا۔ مرحوم کے اوصاف محمودہ وخصائل حمیدہ ہی کی بنا پر تو تھی۔۔ حضرت امام احمد بن حنبل کا مرتبہ علم وفضل تقویٰ طہارت اور حق گوئی میں جتنا بلند ہے دنیا جانتی ہے انھوں نے اپنی کتاب الزھد میں زہاد صحابہ و تابعین کے زمرے میں سب سے پہلے ان مرحوم کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کے خطبے سے ایک فقرہ بطور دلیل بھی پیش کیا ہے۔

قاضی ابو بکر ابن العربی متوفی 43 ہجری شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالی نے اپنی تالیف العواصم من القواصم (صفحہ 232) میں امام صاحب موصوف کی کتاب الزھد کی عبارت نقل کرتے ہوئے صحیح کہا ہے کہ ان مورخین کو اپنی کذب بیانی پر شرم نہیں آتی کہ ایسے پاکباز و دیندار و مجاہد خلیفہ پر شراب نوشی وغیرہ کے بے بنیاد اتہام لگاتے ہیں۔ امیر المومنین کی سادہ زندگی علم وکرم اور حسن المعاشرت کے بارے میں تاریخ الاسلام ذہبی تاریخ عینی اور ابن کثیر محدث ومفسر ومورخ کی کتاب البدایہ والنھایہ میں یہ بیان ہے کہ

"وقد کان یزید فیہ خصائل محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ الشعر والشجاعت وحسن الرائے فی الملک وکان ذاجمال وحسن المعاشرت" (البدائیہ والنھائیہ جلد 8 صفحہ 22)

(اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم وفصاحت وشعر گوئی اور شجاعت کی تھیں۔ معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ خوب سیرت اور خوش سیرت تھے۔)

حجۃ الاسلام امام غزالی نے امیر المومنین یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ان کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے اپنے فتوے میں لکھا تھا۔

ویزید صحیح الاسلام وما صح قتل حسین ولا امرہ ولا رضی بہ ومھما لایصح ذلک منہ لایجوزان ان یظن ذلک بہ فان اساءۃ الظن بالمسلما ایضاً حرام۔ اما الترحم علیہ فجائز بل ھو مستحب دفیات الاعیان"

(یزید صحیح العقیدہ مسلمان تھے اور یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے حسین کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اس سے راضی ہوئے، پس جب قتل ان سے پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا تو پھر ان کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ ان پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔)

امام غزالی کے شاگرد قاضی ابی بکر ابن العربی کتاب العواصم من القواصم میں امام احمد بن حنبل کی تالیف کتاب الزھد میں امیر المومنین یزید کا ذکر بزمرہ زہاد تابعین کہے جانے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"وھذا یدل علی عظیم منزلۃ عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھادس الصحابۃ والتابعین" صفحہ 233

(اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان کے (امام احمد بن حنبل) کے نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ) کی عظیم منزلت تھی حتیٰ کہ ان کو جملہ صحابہ زہاد و صحابہ و تابعین کے زمرے میں شامل کیا ہے)۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا امیر المومنین یزید کو ان کی صفات حمیدہ کی بنا پر زمرہ زہاد تابعین میں شمار کرنا اور دوسرے محدثین و مورخین کے اقوال مدح وثنا کے ساتھ ان کے ہمعصر اور قریب العہد رومی و عیسائی مورخ نے بھی مرحوم کی نہ صرف سادہ معاشرت کا ذکر کیا ہے کہ اپنی رعایا کے ہر طبقے کے وہ بہت محبوب تھے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نہ یہ ذکر کرتے ہوئے کہ مرحوم کو رعایا کی خوشحالی کی تدبیر اور زراعت کی ترقی سے کیسی دلچسپی تھی لکھا ہے کہ سیرت یزیدؒ کے پیش افتاد تصویر کشی کے قطعاً خلاف (رومن) مولف اپنی تالیف میں تصویر کشی ان کی، ان الفاظ میں کرتا ہے۔

ترجمہ: یزید حد درجہ متواضع و حلیم تھے خود بینی و تکبر سے مبراء تھے۔ اپنی زیر دست رعایا کے محبوب تھے۔ تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے معمولی شہری کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔

دل ہاؤزن مورخ کا قول ہے کہ کسی بھی خلیفہ کی مدح وثنا اس طور سے نہیں ہوئی یہ الفاظ تو جو (یزید کے بارے میں کہے گئے ہیں) دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔ غیر مسلم قدیم مورخوں کے اقوال تو امیر المومنین یزید کے ہر دل عزیزی کے بارے میں ہیں۔ موجودہ زمانے کے عظیم مورخ پروفیسر آرنلڈ ٹوئن بی (Prof. Arnold Toynbee) نے اپنی شہرہ تالیف میں قدیم رومی مورخ کے حوالے سے لکھا ہے کہ۔

In a chronicle which reflects the views of the conquered provincials it is recorded of Ummyyad Caliph Yazid I that he was delightful character and enjoyed extreme personal popularity among all the subject peoples of his dominions, because he never thirsted for any of pomp which is universally regarded by princes as the prerogative of their high state, but made himself accessible to everybody and lived like a commoner.

(A STUDY OF HISTORY Vol. 4 Page 226)

ترجمہ: گزشتہ فقائع کی ایک کتاب میں جہاں مفتوح و محکوم اہلیان کنیسہ کے خیالات کی عکاسی کی گئی ہے اموی خلیفہ یزید اول کے بارے میں یہ قول ضبط تحریر میں لایا گیا ہے:-

شخصیت ان کی (یزید اول کی) ایک دلکش شخصیت تھی، اپنی سلطنت و عملداری کی سب ہی رعایا اور محکوم اقوام میں وہ بے انتہا ہر دلعزیز تھے اور وجہ بھی اس کی یہ تھی کہ یزید کبھی اس شان و شوکت اور کروفر کے خواہاں نہ ہوئے جو بالعموم بادشاہ اور شہزادے اپنے عالی منصب کا استحقاق سمجھتے ہیں مگر برخلاف اس کے یزید نے اپنی زندگی ایک معمولی فرد کی طرح ایسی سادہ رکھی تھی کہ ہر کس و ناکس کی پہنچ ان تک با آسانی ہوتی تھی اور وہ ایک عام شخص کی طرح سادگی سے رہتے تھے۔

ساتھ ہی یہ فقرہ بھی تحریر ہے کہ یزید کے فرزند و جانشین معاویہ ثانی کی توصیف میں بھی یہی بات کہی جاتی ہے کہ وہ بھی اپنے والد ماجد کی یزید کی طرح حلیم و کریم تھے۔

ابو مخنف نے امیر المومنین جیسے نیک ذات و نیک صفات خلیفہ کی زندگی اور موت کے بارے میں جو لغو بیانیاں کی ہیں خاص طور پر ان کی موت کی جو تصویر کشی کی ہے اس تردید میں مسلم و غیر مسلم مورخین کے یہ چند اقوال احقاق حق کی غرض سے پیش کئے گئے ہیں جن سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان معاصرین کے دلوں میں ان کی کیسی کچھ محبت تھی اور ان کی ذات سے کیسی کچھ عقیدت۔ ابو بکر بن فطہ شاعر ہی نے ان کی میت کے حوارین سے اٹھتے وقت جو قطعہ کہا تھا۔ اس میں ان کو خیر الناس اجمعینا یعنی ہم سب لوگوں میں سے اچھا کہا ہے۔

یا ایھا المیتت بحوارینا اصبحت خیر الناس اجمعینا

اے وہ جن کا انتقال حوارین میں ہوا تم ہم سب آدمیوں سے بہتر اور برتر تھے

اگر ان کی موت واقعی گھوڑے سے گرنے سے ہوتی تو ایک مردانہ زندگی بسر کرنے والے شہسوار اور مجاہد کے لئے کونسی بات عار کی ہوتی مگر وہ مرض نقرس کی وجہ سے آخری عمر میں سوار اسپ سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ یہ ابو مخنف کا تصور افتراء محض ہے کہ شکار میں تنہا تھے اور ایک اعرابی سے ان کا یہ مکالمہ ہوا۔ رہا اس عظیم الحبشہ جانور کی مہمل کہانی کہ قیامت تک وہ ان کو نگلتا اگلتا رہے گا تو ایسی خرافات سبائیہ دماغ گھڑتے اور ان کے متعبین ہی اسے قبول کرتے ہیں۔

لعنۃ اللہ علی الکاذبین المفترین

ایک دلدوز مگر سادہ واقعہ

تعلیقہ

کوفہ کے اس قدیم شیعہ مولف ابومخنف نے حضرت حسین کے حادثے کی تفصیلات اکثر و بیشتر دیومالائی انداز اور افسانوی طرز پر مرتب کر کے ایک طویل جنگ نامہ کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ جس کسی کو بھی صدر اسلام اور خیر القرن کے تاریخی واقعات سے واقفیت ہو گی ابو مخنف کی بیان کردہ اس داستان کو پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہو گا کہ جنگ بندی اور معرکہ آرائیوں کے یہ سارے قصے ابومخنف اور اس کے راویوں کے اپنے من گھڑت مبالغات ہیں جو ایک دلدوز مگر سادہ واقعے کو حد درجہ مسخ کر کے اشتعال و ہیجان کی غرض سے پیش کئے گئے ہیں اور عقلاً و نقلاً ہیچ محض ہیں۔

پس منظر

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کبار صحابہ میں سے ہیں اور شریک بیعت الرضواں۔ وہ ایک عرصے تک کوفہ کے والی رہے تھے اور اس علاقے میں سبائی ریشہ دوانیوں کے حالات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین صلوات وسلامہ علیہ کی مظلومانہ شہادت کے نتیجے میں جو افسوسناک واقعات پیش آئے اور اندوہ ناک خون ریزیاں ہوئیں ان کی تمام تفصیلات کے وہ عینی شاہد تھے ان کا شمار اس زمانہ کے دھات عرب یعنی اپنے زمانے کے غیر معمولی ہوشمند اور صاحب فہم و فراست اشخاص میں ہوتا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ کے بے مثال تدبر و حکمت عملی اور حلیمانہ و کریمانہ طرز حکمرانی سے فتنہ دبا ہوا ہے مگر ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے پھر ابھر آنے کا اور سیاسی اقتدار کی کشمکش کی خانہ جنگیاں شروع ہو جانے کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ اس لئے حضرت مغیرہ نے تحریک کی کہ امیر المومنین اپنی زندگی میں ہی جانشین نامزد کر کے اس فتنے کا سدباب کر جائیں اور اس کے لئے انھوں نے امیر یزیدؒ ان کے لائق فرزند کا نام اس بنا پر ہی پیش کیا کہ حضرت معاویہ کا طریق حکمرانی بدستور قائم رہے اور اس میں کوئی بنیادی تبدیلی آنے نہ پائے کیونکہ اس نظام کی موزونیت اور افادیت پر صحابہ کرام کا اجماع تھا۔

حضرت مغیرہ کی یہ تحریک ہر اعتبار سے موزوں تھی۔ ایک تو اس لئے کہ تمام عرب اموی خلافت کا حامی تھا جیسا کہ ابن خلدون نے بھی مقدمہ تاریخ میں بالصراحت بیان کیا ہے کہ قبیلہ مضر یعنی قوم عرب کی عصبیت اس وقت قریش میں محدود ہو کر رہ گئی تھی اور قریش کی طرفداری اور حمایت بنی امیہ کو حاصل تھی۔ امیر یزید کی اہلیت و صلاحیت کا جہاں تک تعلق ہے اپنے معاصر مدعیان خلافت کے اوصاف و خصوصیات میں وہ برابر کے سہیم و شریک تھے البتہ ایک لابدی خصوصیت امیر یزید میں ایسی تھی جس سے دوسرے یکسر محروم تھے اور وہ تھی اس وقت کی عسکری قوت جس کے قائد کی حیثیت میں انھوں نے دشمنان اسلام قوتوں سے متعدد معرکے اور جہاد کئے تھے اور کامیاب رہے

تھے۔ شیخ الہند مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک موقع پر اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا یزید کو متعدد معارک وجہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض وبلادہائے ایشیائے کوچک فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ممالک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغے اور آپس تخالف سے خالی نہیں (مکتوبات جلد 1 صفحہ 242) الغرض امیر یزید کی قائدانہ صلاحیتیں سب کے نزدیک مسلم تھیں۔ ان صلاحیتوں کا مظاہرہ غزوہ قسطنطنیہ میں اس شان سے ہوا تھا کہ امیر یزید کا لقب ہی فتی العرب پڑ گیا تھا (عرب کے سورما) یعنی اکابر وداجلہ صحابہ ان کی طرف سے پوری طرح مطمئن اور پر امید تھے ان کی خواہش تھی کہ تعمیر جہاں اور فروغ دعوت کے لئے نوجوانوں کو آگے بڑھنا چاہیے۔ اور جس تیس بتیس سالہ نوجوان پر نگاہیں اٹھتی تھیں وہ امیر یزید رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آئندہ واقعات کی روداد ہمارے اس تجزئے کا عملی ثبوت ہے۔

بہرحال حضرت مغیرہ کی تجویز پر امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے اس شرط پر غور کرنے کا وعدہ کیا کہ عالم اسلام کے نمائندے اس کی تائید کریں۔ چونکہ اختلاف کا خطرہ صرف عراق کے بعض ان طبقوں کی طرف سے تھا جو دمشق کی بجائے کوفہ کو اسی دارلسلطنت قرار دینے کی آرزو رکھتے تھے جس طرح حضرت علی کے ایام میں چند سال یہ دارلسلطنت تھا۔ اس لئے حضرت مغیرہ نے کوفہ سے اور امیر زیاد نے بصرہ سے عربی الاصل قبائل کے وفد دمشق بھیجے اور جنھوں نے اس تحریک کی حمایت کی۔ باقی بلاد اسلامیہ سے بھی نمائندہ وفود آئے اور ایک عام اجلاس میں پوری بحث وتمحیص کے بعد آخری فیصلہ اس تحریک کی حمایت میں ہوا۔ ارباب سیر تاریخ نے جھوٹے سچے انداز میں سب موافق و مخالف تقریریں نقل کیں ہیں اور نتیجہ سب نے یہی دکھایا ہے کہ یہ تجویز کثرت رائے سے منظور کرلی گئی تھی۔ عالم اسلام کے ہر ہر علاقے میں بلاکسی اختلاف کے یہ بیعت کی گئی اور توکید بیعت کے لئے وفود امیر یزید کے پاس آئے۔ "فاتسنقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد و فدت الوفود من سائر الاقالیم الی یزید" (البدائیہ والنھایہ جلد 8 صفحہ 80)۔

اب امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے یہ مسئلہ اہل مدینہ کے سامنے رکھا اور انھیں عرب کی رائے عامہ سے آگاہ کیا۔ مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کا یہ اجتماع اتنا مہتم بالشان تھا کہ اس سے پہلے ایسا شوریٰ کبھی نہ ہوا تھا۔ اس اجتماع میں اصحاب بدر سے لے کر اصحاب بیعت الرضواں ہی نہیں بلکہ حضرت کعب بن عمرو بھی موجود تھے جو اسلام کی اولین بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ ان اصحاب کی تعداد دو چار پانچ دس نہیں ہے بلکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کئی سو تھے۔ اس وقت متعدد امہات المومنین زندہ تھیں۔ ان سب نے اس تجویز کی تائید کی، جیسا کہ ان کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں کے عمل سے ظاہر ہے۔ اس بارے میں حجت قاطعہ صحیح بخاری کا یہ بیان ہے۔ (جلد 3 صفحہ 33 باب غزوہ خندق طبع مصر) کہ جب مسجد شریف میں یہ اجتماع ہوا تو سیدنا ابن عمرؓ اپنی ہمشیرہ ام المومنین سیدہ حفصہ صلوات اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ولایت عہد کے سلسلے میں میرا کچھ خیال نہیں کیا گیا۔ ام المومنین سیدہ حفصہ نے سمجھایا کہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے اور یہ کہ انکے بیٹھے رہنے سے افتراق کا خطرہ ہے چنانچہ اصرار کرکے آپ کو اجلاس میں بھیجا۔ آپ کا یہ ارشاد تھا "الحق فانھم ینتظرونک واخشی ان یکون فی احتباسک عنھم فرقۃ" (جاؤ وہ تمھارے منتظر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ تمھارے بیٹھ رہنے سے کہیں اختلاف کی صورت نہ پیدا ہوجائے)۔ یہ کیسی کھلی ہوئی دلیل ہے اور حجت قاطعہ کہ اجلہ وکبار صحابہ بلکہ صغار بھی سب اس تجویز کے حق میں تھے کہ امیر یزید کو ولی عہد خلافت مقرر کردیا جائے تاکہ امت کے اجماع میں اختلال واقع نہ ہو اور خلافت نبوت کا جو منہاج احوال حاضرہ کے تحت مقرر ہوچکا وہ بدستور قائم رہے۔

جب مدینہ طیبہ میں جمہور کبار و صغار صحابہ نے یہ بیعت کرلی تو پھر بقیہ عالم اسلام میں یہ بیعت لی گئی۔ 56 ہجری سے 60 ہجری تک تمام امت جانتی تھی کہ اجماعی فیصلے کے مطابق ہونے والے خلیفہ امیر یزید ہیں۔

صحیح بخاری کے اس بیان میں سیدنا ابن عمرؓ کے وقتی توقف کے علاوہ اور کسی کے بارے میں اشارہ تک نہیں کہ کسی اور طرف سے احتجاج بھی ہوا تھا اور ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ بیعت سب نے کی تھی اور اس طرح شرعاً و عرفاً کسی کے لئے یہ جائز نہیں رہا کہ اس اجماع کے خلاف کوئی موقف اختیار کرے بعض لوگ خصوصاً مساجد کے خطیب جو امیر یزید کی ولایت عہد کو بغیر شوریٰ کے بیان کرتے ہیں یا تو حقائق تاریخیہ سے ناواقفیت کی بناپر یا شیعہ پر اپیگنڈے کے اثرات سے متاثر ہو کر یہ غلط بیانیاں کرتے ہیں۔

بہر حال جو لوگ قران حکیم کو اللہ کا کلام جانتے ہیں اور اس میں وہ پڑھتے ہیں کہ کس طرح اللہ نے امہات المومنین کو امت کی معلمات کا منصب عطا فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ تمام امت کی مائیں ہیں جن کے احکام کی تعمیل واجب ہے۔ پھر وہ مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب پڑھتے ہیں اور ان کا یہ کام جانتے ہیں کہ ان کی راہ سے ہٹ کر ان کے خلاف جو بھی کوئی راہ اختیار کرے گا وہ راہ باطل ہو گی، وہ سب مجبور ہیں کہ بالحق فیصلہ وہ اصحاب رسول اللہ کا جانیں اور اس فیصلے کی خلاف ورزی کو مہلک فتنہ کہیں۔ پھر جو لوگ وحی کے منکر ہیں یا وحی سے ہٹ کر صرف علم السیاستہ کے اصول و قواعد کی روشنی میں واقعات کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں تو انھیں بھی یہ سوچنا چاہیے کہ جن لوگوں ایک تحریک کو کامیاب بنانے اور ایک دعوت کو فروغ دینے کے لئے جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا، اور ساری دنیا سے جنگ مول لے کر اس تحریک کی آبیاری کی، ان سے زیادہ کوئی شخص اس دعوت کا وفادار نہیں ہو سکتا، تو یہ حضرات یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جس اقدام کو اپنے اجماع امت کے حق میں مفید اور لازم و موزوں سمجھیں اسی کو حق ماننا پڑے گا اور اس کی خلاف ورزی کو دعوت سے بے وفائی قرار دیا جائے گا۔ یہ تصور کیسا لغو اور مضحکہ خیز ہے کہ جن لوگوں کی قربانیوں سے اس دین کو فروغ ہوا اور جنھوں نے قریہ بقریہ تعلیمات پھیلائیں، انھیں تو ہیچ سمجھ لیا جائے اور جن کا کوئی حصہ عہد رسالت میں نہ دین کے لئے قربانی دینے میں ہے اور نہ اس کی نشر و اشاعت میں اور نہ "والذین معہ" کے زمرے وہ شامل تھے۔ انھیں تو محور حق قرار دیا جائے اور وہ بھی اس صورت میں کہ حضرت حسین نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور امیر المومنین یزید کی بیعت میں داخل ہونے کو تیار ہو گئے اور ابن الزبیرؓ نے امیر المومنین کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ محض خفیہ خفیہ رائے عامہ اپنے حق میں استوار کرنے کی کوشش کرتے رہے، واقعات شاہد ہیں کہ ان کی کوشش ایسی کامیاب نہ ہو سکی کہ متفق علیہ نظام سیاسی میں کوئی انقلاب لا سکیں۔ اب ہم ان دونوں صاحبوں کے حقیقی موقف پر روشنی ڈالنے سے پہلے صحیح صورتحال پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ناکام سیاست

ایک طبقے نے کوشش کی ہے اور شخصیت پرستی کے تحت بکثرت لوگ ان کے پراپگینڈے سے متاثر ہو کر یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر کے اقدامات امت کی فلاح و بہبود کے لئے تھے، دین کی بنیاد پر وہ چاہتے تھے کہ سیاسی نظام میں تبدیلی لائیں کیونکہ ان کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت قواعد شرعیہ کے تحت ناجائز تھی۔ پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ قواعد شرعیہ کا علم ان حضرات کو تھا جنھوں نے رسول اللہ سے دین بلاواسطہ سیکھا تھا، آپ کی معیت میں یہ دین قائم کیا تھا اور آپ کے بعد اس دین کی حفاظت کے لئے ساری دنیا سے جنگ مول لی تھی یا قواعد شرعیہ یہ دونوں صاحبان جانتے تھے۔ جنھیں نہ تو رسول اللہ سے بلاواسطہ دین سیکھنے کا شرف حاصل ہوا اور نہ انھوں نے دوسروں کی طرح یا ان سے بڑھ کر اس دین کے لئے عہد نبوت کے غزوات اور جہادوں میں یا دین کی نشر و اشاعت میں کوئی حصہ لیا۔ ابن الزبیر نے بے شک رسول اللہ کے بعد بعض جہادوں میں عملاً حصہ لیا تھا، اسی طرح حسین بھی صرف دو جہادوں میں شریک تھے ایک عہد عثمانی میں امیر سعید بن العاص امویؓ کی کمان میں اور دوسرے سیدنا امیر المومنین معاویہؓ کے زمانے میں جہاد قسطنطنیہ میں، جس کے کماندار امیر یزید تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ مگر قائد الجیش کی حیثیت ان حضرات کو حاصل نہ تھی۔ ماسوائے اس کے کہ حضرت حسینؓ کو کاروبار مملکت چلانے کا کوئی عمی تجربہ نہ تھا۔ ان کی ڈھلتی جوانی تک کسی خلیفہ نے انھیں کوئی منصب نہ دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانبانی سے انھیں کیا مناسبت ہے۔ اہم واقعہ یہ ہے کہ سیدنا امیر المومنین علیؓ نے اپنی حکومت کے مناصب اپنے قریب ترین عزیزوں کو دیئے لیکن ان اعزہ میں حضرت حسین کا نام کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ جمل و صفین میں بھی انھوں نے کوئی معرکہ آرائی نہیں کی حالانکہ وہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت محمد (ابن الحنفیہؒ) کے ہاتھ میں ایک دستے کی کمان تھی۔ گویا حضرت حسین کو نہ نظم و نسق کا کوئی عملی تجربہ تھا اور نہ جنگ میں قائدانہ حصہ لینے کا۔ بر خلاف ان کے امیر یزیدؒ سالہا سال تک ولی عہد المسلمین کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرتے چلے آ رہے تھے۔ اور دشمن اسلام کی قوتوں کے خلاف معرکہ آرائیوں میں نمایاں حصہ لیتے تھے غزوہ قسطنطنیہ میں جس شان سے انھوں نے کمان کی وہ الم نشرح ہے۔

پھر سوال اٹھتا ہے کہ بالفرض سیاست میں ناتجربہ کاری کے باوجود یہ دونوں صاحبان اگر دین کی بنیاد پر امیر المومنین یزید کے خلاف تھے اور ان کا تقرر ان کے نزدیک ناجائز تھا یعنی بقول ایک برخود غم غلط اور بزعم خویش مجدد وقت کے ان کے تقرر سے دین اسلام کی گاڑی پٹری سے اتر گئی تھی تو ان دونوں صاحبوں میں باہمی تعاون کیوں نہیں تھا۔ اور دونوں نے مل کر گاڑی کو دوبارہ پٹڑی پر لانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ایک دوسرے کے حریف کیوں تھے۔ گویا موجودہ اصطلاح میں اگر یہ دونوں حزب اختلاف رہنما تھے اور جمہور صحابہ و جماعت المسلمین کا فیصلہ ان کے نزدیک باطل تھا اور قواعد دینیہ کے خلاف تو ان میں پورا اتحاد ہونا چاہیے تھا یا کم از کم اتنا ہو تا کہ وقتی طور پر اپنے اختلافات پس پشت ڈال کر حکومت متسلط کے خلاف مشترک محاذ بناتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ دونوں ایک طرف تو حکومت کے خلاف رہے اور دوسری طرف آپس میں رقابت کا مظاہرہ کیا۔ اب جو لوگ علم السیاست سے کچھ بھی مناسبت رکھتے ہیں انھیں سوچنا چاہیے کہ حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر کو کس طرح ساری امت کے مقابلے میں تعمیر و ارتقاء کا داعی قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ وہ خود کسی متفق علیہ نصب العین پر متحد نہیں ہو سکے۔ اور یہ عالم کیوں رہا کہ جب حضرت حسین کھڑے ہوئے تو کسی ایک صحابی نے بھی قولاً و عملاً ان کا ساتھ نہ دیا۔

درآنحالیکہ اس وقت تین سو سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ ومکہ اور دوسرے مقامات پر حی و قائم موجود تھے۔

صاحب اتمام الوفانی سیرۃ الخلفاء کہتے ہیں۔

"وقد کان فی ذلک العصر من کثیر الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرہ والکوفۃ ومصر وکلھم لم یخرج علی یزید لا وحدہ ولا مع الحسین "(14)

اور اس زمانہ (60 ہجری) میں صحابہ (رسول اللہ) کی کثیر تعداد حجاز وشام وبصرہ وکوفہ ومصر میں موجود تھی ان میں سے کوئی ایک فرد بھی نہ از خود یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حسین کے ساتھ ہو کر۔

حضرت ابو سعید خدریؓ صحابی فرماتے ہیں۔

"غلبنی الحسین علی الخروج وقلت اتقا اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک "(البدایۃ والنھایۃ۔ جلد 8 صفحہ 163)

حسین نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور ڈالا تو میں نے کہا اپنے دل میں خدا کا خوف کرو اور اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام کے خلاف خروج نہ کرو۔

حضرت حسین کے چچا اور بہنوئی اور ان کے بھائیوں نے ان کو خروج سے روکنے کی کوششیں کیں طرح دیگر متعدد صحابہ کرام حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت ابو واقد تیسیؓ حضرت جابر بن عبد اللہؓ حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الرحمن، حضرت المسور بن محزمہؓ کے اقوال حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روکنے کے لئے متعدد کتب تاریخ وسیر میں مرقوم ہیں۔ خود اہل عراق جن کے بھروسے پر انھوں نے یہ اقدام کیا تھا وہ بھی ان کی ہمنوائی پر تیار نہیں ہوئے اور پھر یہ کیوں نظر آتا ہے کہ حادثہ کربلاء کے باوجود امت کے نظم ونسق میں کوئی اختلال واقع نہیں ہوا امیر المومنین یزید کے آخر عہد یعنی حادثہ کربلاء کے تین سال بعد تک یہ امت ایسی ہی رہی جیسے کوئی واقعہ ہی نہ ہوا ہو۔ یہاں ہم صرف حضرت حسین کے موقف اور اس کے نتائج سے بحث کرتے ہیں۔

موقف حسینی

سبائیہ کی حرکتوں سے امیر المومنین سیدنا علیؓ کی خلافت کی ناکامی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس صورت حال کا صحیح تجزیہ کر کے حضرت حسنؓ فلاح امت کے لئے سیدنا امیر المومنین معاویہؓ سے صلح کر کے بیعت کر لینا، وہ بات تھی جو یقیناً حضرت حسین کو ناگوار ہوئی جیسا کہ ابو مخنف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے اور یہ امر طبعی تھا۔ شاید اسی لئے آپ نے امیر المومنین یزیدؒ سے بیعت کرنے میں توقف کیا تھا۔ ممکن ہے حضرت ابن الزبیر کے طرز عمل سے آپ متاثر ہوئے ہوں۔ اس کتاب کے مولف نے بھی اظہار اس بات کا کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی سے اہل عراق نے آپ کو خروج پر آمادہ کرنے کی کوششیں شروع کیں۔

سبائی روایات جو ابومخنف نے لکھی ہیں، ان پر پچھلے اوراق میں تنقیح کی جاچکی ہے۔ کہ نہ سیدنا معاویہؓ نے ان چار حضرات سے خصوصی بیعت لینے کا حکم دیا تھا اور نہ انکار کی صورت میں ان کا سر کاٹ لینے کا۔ اور نہ یہ روایت کسی درجے میں قابل قبول ہے کہ حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر صبح کو بیعت کرنے کا وعدہ گورنر مدینہ سے کر کے رات ہی کو مدینہ سے فرار ہو گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے سیاسی موقف سے تو اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن ان کے کردار کی رفعت اور شخصی عظمت اس تصور کی اجازت نہیں دیتی کہ انھوں نے جھوٹا وعدہ کیا اور امیر مدینہ کو دھوکہ دے کر وہاں سے مکہ کو جو امیر المومنین ہی عملداری میں تھا فرار ہو گئے۔ یہ تمام خرافات کی تردید کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ آپ جتنے عرصے تقریباً چار مہینے شعبان، رمضان، شوال ذیعقد، مکہ معظمہ میں رہے، آپ پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ پوری آزادی و احترام کے ساتھ وہاں قیام پذیر تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ کا ایسا حکم آیا ہوتا کہ آپ بیعت نہ کریں تو سر کاٹ کر دارالخلافہ بھیج دیا جائے تو انکا قیام مکہ میں اس طرح ممکن نہ تھا۔ جس طرح تاریخ سے پوری طرح ثابت ہے، وہاں لوگوں کو بھی ان کے پاس آنے جانے سے نہیں روکا جاتا تھا، حتیٰ کہ عراقیوں کو بھی نہیں۔ یہ کیسی کھلی دلیل ہے کہ امیر المومنین یزید کی جس طرح سیاسی تربیت ہوئی تھی اور جس حلم و کرم کی صفات سے قدرت نے ان کو نوازا تھا اس کا بھی یہی تقاضا تھا کہ جو لوگ بیعت سے توقف کریں انھیں اس وقت تک نہ چھیڑا جائے جب تک ایک جتھ بنا کر حکومت کے مقابلے پر عملاً کھڑے نہ ہو جائیں، اور یہی سنت خلفاء ہے۔

سیاست ماضیہ اور حضرت حسین کی نفسیاتی کیفیت کے پیش نظر حکومت نے یہی وطیرہ اختیار کیا کہ آپ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ البتہ بیدار مغز والی کی حیثیت سے امیر مکہ اس کی نگرانی ضرور کرتے تھے کہ کون لوگ ان کے پاس آتے جاتے ہیں اور بارگاہ خلافت کو تمام احوال سے مطلع بھی رکھا جاتا ہے۔

امیر المومنین یزیدؒ اپنے منصبی اختیارات سے کام لیتے تو کم سے کم بات یہ ہوتی کہ حضرت حسین کی نگرانی کی جاتی یا آپ کو دارالخلافہ بلا لیتے۔ مگر انھوں نے منصبی حیثیت سے نہیں بلکہ عزیزانہ ایک مراسلہ تمام بنو ہاشم کے بزرگ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو لکھا (البدایۃ والنھایۃ۔ جلد 8 صفحہ 164۔ نیز دیگر کتب، ناسخ التواریخ وغیرہ)۔

"احسبہ قد جاءہ رجال من اھل المشرق فمنوہ الخلافۃ وعندک حبر و تجربۃ فاکان قد فعل فقد قطع راسخ القرابۃ وانت کبیر اھل بیتک والمنظور الیہ فا کفعہ عن السعی فی الفرقۃ"

مجھے یہ باور آگیا کہ ان کے (یعنی حضرت حسین کے) پاس لوگ مشرق (یعنی کوفہ) سے آئے تاکہ انھیں خلافت کی امید دلائیں۔ آپ کو حالات کا علم ہے اور تجربہ۔ اگر انھوں نے ایسا کیا ہے تو قرابت کا مضبوط رشتہ [161] توڑ دیا۔ آپ اپنے خاندان کے بزرگ ہیں اور ان کے محترم۔ آپ انھیں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے روکئے۔

---

[161] حضرت حسین ایک رشتے سے امیر المومنین یزید کے بہنوئی تھے ان کی حقیقی پھوپھیری بہن سیدہ آمنہ بنت میمونہ دختر حضرت ابو سفیان حضرت حسین کی زوجہ تھیں۔ (بعض نے ان کا نام لیلیٰ لکھا ہے)۔ جن کے بطن سے ان کے فرزند علی اکبر تھے۔ دوسرے رشتے سے

حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا۔

"انی لاارجوان لایکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادعہ النصیحۃ فی کل مایجتمع الالفۃ وتطفی بہ النائرہ"

میں امید رکھتاہوں کہ حسین ایسا کوئی خروج نہیں کریں گے جو آپ کے لئے ناگواری کا سبب ہو۔ اور میں بھی انھیں ایسی نصیحت کرنے سے باز نہیں رہوں گا جس سے باہمی الفت قائم رہے اور فتنے کی آگ بجھ جائے۔

شرعاًمرفق علیہ امام کی بیعت سے انکار ایک درجے میں خروج ہی ہے لیکن حضرت ابن عباس کو اطمینان تھا کہ بیعت سے احتراز کے علاوہ اور کوئی عملی قدم حضرت حسین نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن افسوس کہ بزرگوں اور خوردوں، عزیزوں اور دوستوں بلکہ غیر لوگوں کی رائے اور اصرار کو نظر انداز کرکے حضرت حسین نے سبائیوں کی مواعید ونصرت پر بھروسہ کیا اور ان کے وفود وخطوط کو مبنی بر حقیقت سمجھ کر یہ باور کرلیا کہ تمام عراق آپ کی خلافت پر متحد ہے اور امیر المومنین یزید کی بیعت وہاں توڑی جاچکی ہے۔

اہل فکر کو یہ غور کرناچاہیے کہ حضرت حسین کے مخالفانہ اقدام کے باوجود حکومت نے کوئی سخت قدم نہیں اٹھایاحتیٰ کہ عراقیوں سے جو آپ کو وہاں لے جانے کے لئے آئے تھے کوئی تعرض نہیں کیا ورنہ خروج پر آمادہ کرنے کے جرم میں وہ سزایاب ہوسکتے تھے۔ لیکن ہوااس کے خلاف۔ امیر مکہ نے مہر شدہ فرمان اپنے بھائی کے ہاتھ حضرت حسین کے بہنوئی اور چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر کے دونوں بیٹوں کے ساتھ حضرت حسین کو دوران سفر بھیجا کہ آپ واپس آجائیں اور جیسے احترام کے ساتھ اب تک مکہ میں رہتے تھے اسی طرح رہیں آپ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیاجائے گا۔ (طبری جلد2 صفحہ 219)۔ حضرت حسین نے امیر مکہ اور امیر المومنین کی ملاطفت اور عزیزانہ برتاؤ کی کچھ قدر نہ کی اور ان پر بھروسہ کیا جن کی غداریوں کے آپ عینی شاہد تھے۔ پھر بھی جب راستے میں آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کے ایجنٹ مسلم بن عقیل بغاوت کے جرم میں قتل کردئے گئے ہیں اور عراق میں کسی قسم کا اختلال نہیں تو کوفہ جانے کا قصد ترک کرکے واپس ہوناچاہا لیکن پھر وہی سبائی آڑے آئے جو آپ کو لینے کوفہ سے آئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی حیثیت مسلم کی سی نہیں آپ کے پہنچتے ہی صورت حال بدل جائے گی۔ اثنائے راہ میں اور بھی کئی خبریں آپ کو ایسی ملیں آپ نے واپس ہوناچاہامگر سبائی مصر رہے۔ آپ نے ہر دفعہ بات مان لی اور سفر جاری رکھا۔ جب نواح کوفہ کے قریب پہنچے تو حقیقت سامنے آئی۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ عراق پوری طرح امیر المومنین کی بیعت پر قائم ہے۔ کسی قسم کا کوئی اختلال نہیں۔ نہ تو وہ لوگ کہیں آپ کو نظر آئے جن کے نام سے آپ کو خط بھیجے گئے تھے اور نہ کوئی کوفی شیعہ ہی

خود امیر المومنین ان کے بھتیج داماد تھے۔ حضرت حسین کے بہنوئی اور چچیرے بھائی حضرت عبداللہ جعفر طیار کی دختر سیدہ ام محمد امیر المومنین یزید کے حبالہ عقد میں تھیں۔ تیسرے رشتے سے حضرت حسین امیر المومنین کے خالو ہوتے تھے۔ حضرت حسین کی زوجہ رباب والدہ سکینہ اور امیر المومنین کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسلاً دو حقیقی بھائیوں کی اولاد تھیں اور چوتھے رشتے سے امیر المومنین یزید، ام المومنین سیدہ ام حبیبہ کے بھتیجے ہونے سے حضرت حسین کے ماموں ہوتے تھے۔ قرابت قریبیہ کے ان ہی رشتوں کا اشارہ کرتے ہوئے ہی امیر المومنین نے اپنی تحریر میں قطع راسخ القرابۃ کا ذکر کیا ہے۔

پیشوائی کے لئے آیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر آپ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے فرمایا میں تمھارا بلایا آیا ہوں اب اگر تم لوگوں کو میرا آنا پسند نہیں تو مجھے واپس جانے دو۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ پر آپ کے سامنے پہلی مرتبہ حکومت سے بیعت کا مطالبہ رکھا گیا۔ آپ کی شخصیت کا خیال کر کے جتنی طرح آپ کو دی گئی اس سے زیادہ کی توقع کیونکر ممکن ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت یہ ملاطفت نہیں کر سکتی جو امیر المومنین یزید کی حکومت نے کیا نہ مکہ کے چار مہینے قیام میں اور نہ دوران سفر کسی قسم کا کوئی تعرض کیا گیا۔

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ جن لوگوں کے خطوں کے تھیلے آپ نے عمال حکومت کے سامنے ڈال دیئے اور اس طرح ان کے باغی ہونے کا دستاویزی ثبوت پیش کر دیا، اس کا تقاضا تھا کہ حکومت کی طرف سے ان لوگوں کے خلاف سخت اقدام کیا جائے۔ شرعاً و عرفاً یہ سب واجب القتل تھے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ سب خط جعلی تھے اور حکومت مطمئن تھی کہ جن لوگوں کی طرف سے خط منسوب کئے گئے تھے وہ اس سازش میں ملوث نہیں تھے۔ بلکہ یہ سبائیوں کی ایک جماعت کا خفیہ منصوبہ تھا کہ حضرت حسین کو اس طرح بلا کر قتل کر دیا جائے تاکہ شورش بپا کر کے حکومت کا تختہ الٹنے کا سامان پیدا ہو۔ لیکن ہوا بالکل الٹ۔

امیر عمر بن سعدؒ حضرت حسینؓ کے قریبی رشتے دار تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کی کوششوں سے امیر عبید اللہ نے یہ آخری شرط مان لی جو حضرت حسین نے پیش کی تھی کہ آپ دمشق جا کر اپنے چچا کے بیٹے (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں۔ ارباب حکومت کے لئے اس سے زیادہ اطمینان بخش صورت اور کیا ہو سکتی تھی کہ اتنا بڑا فتنہ ایسے پرامن تعمیری انداز میں فرو ہو گیا۔ اور حضرت حسین دمشق کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضرت حسین کی شہادت کا حادثہ کربلاء میں ہوا۔ اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب آپ کوفہ جانے کی راہ چھوڑ کر دمشق کی راہ اختیار کر لیں۔ مکہ سے آنے والا کوئی شخص کربلا ہو کر کوفہ نہی جاتا بلکہ وہ کربلاء اس وقت پہنچتا تھا جب کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی راہ اختیار کر کے ساٹھ ستر میل کا فاصلہ طے کر لے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ منسلکہ کتاب ہذا)۔

آپ کی شہادت کے سلسلے میں چند باتیں کہی جاتی ہیں۔

(1) آپ نے جب امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی تھی اور دمشق کی راہ پکڑ لی تھی تو امیر ابن زیاد نے عمر بن سعد آپ کے رشتے دار کو بھیجا کہ انھیں دمشق جانے کی اجازت اس وقت دی جائے گی جب اول وہ گورنر ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کریں، یہ سن کر حضرت حسین نے فرمایا کہ اس سے تو موت بہتر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرح جنگ چھڑی۔ اس سلسلے میں امیر ابن زیاد کو مطعون کرنے کے لئے بڑی دلچسپ باتیں کہی گئی ہیں کہ کہاں رسول اللہ کے فرزند اور کہاں ابن مرجانہ۔ آپ کے لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنی حیثیت سے گر کر ابن زیاد سے بیعت کر لیں۔ لیکن یہ عجیب طرز استدلال ہے۔ کیا حضرت حسین نہیں جانتے تھے کہ کسی عامل و گورنر صوبہ کے ہاتھ پر بیعت خود اس سے نہیں ہوتی بلکہ امیر المومنین سے ہوتی ہے۔ اور امیر المومنین کی ذات سے بھی نہیں بلکہ یہ عہد آئین مملکت سے وفاداری کا ہوتا ہے جہاں اشخاص کی حیثیت ثانوی ہے۔ علی سنۃ اللہ وسنۃ رسول اللہ (اللہ اور اس کے رسول کی سنت) کے معنی و قواعد احکام شریعت اور متفق علیہ سیاسی نظام سے وابستگی کے علاوہ اور کیا ہیں۔ امیر ابن زیاد نے اگر یہ مطالبہ کیا ہوتا تو حضرت حسین ضرور اس کی پذیرائی کرتے کیونکہ ابن زیاد سے بیعت کے معنی اس کے علاوہ اور کیا ہوتے کہ انھوں نے امیر المومنین یزیدؒ کا سربراہ مملکت اور امام امت ہونا تسلیم کر لیا۔ آخر ان بڑی بڑی

شخصیتوں نے اپنے اپنے علاقے کے والیوں سے بیعت کی تھی یا نہیں۔ یہ بیعت تو تمام عالم اسلام میں لی جاچکی تھی۔ امیر ابن زیاد کے سامنے امیر المومنین کا طرز عمل تھا کہ کس طرح وہ حضرت حسین کو طرح دیتے چلے آرہے تھے اور امیر کا یہ فریضہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ امور مملکت کے تصفیئے میں امن وعافیت مد نظر رکھیں۔

امیر المومنین یزید نے جب اپنی بیعت سے احتراز برداشت کرلیا اور کوشش کی کہ کسی قسم کی فتنہ انگیزی نہ ہونے پائے تو امیر زیاد یہ شوشہ کیوں چھوڑتے کہ اول ان سے بیعت کی جائے۔ وہ تو یہ اطلاع ملنے پر مسرور تھے کہ حسین امیر المومنین یزید سے بیعت کرنے کے لئے دمشق جارہے ہیں، ابو مخنف کی روایت میں ان کا یہ قول مسلم ہے کہ ابن سعد نے جب آخری تصفیئے کی انھیں اطلاع دی تو انھوں نے کہا "ھذا کتاب رجل ناصح لامیرہ دمشق علی قومہ نعم قد قبلت" (یہ مراسلہ ایسے شخص کا ہے جو اپنے امیر کو صحیح مشورہ دینے والا ہے اور اپنی قوم کا صحیح جذبے سے بہی خواہ ہے۔ ہاں میں نے یہ شرط قبول کرلی) یعنی یہ کہ حضرت حسین دمشق تشریف لے جاکر امیر المومنین سے بیعت کرلیں۔ لہذا یہ تصور کسی درجے میں قبول نہیں کیا جاسکتا کہ کربلاء میں لڑائی اس سبب سے ہوئی تھی کہ امیر ابن زیاد نے اپنے ہاتھ پر بیعت کا مطالبہ کیا تھا اور حسین نے اس کے مقابلے پر موت کو ترجیح دی تھی۔ حالانکہ کوفیوں کی غداری سے کوفہ جانے کا عزم ترک کرکے آپ سیدھے دمشق جارہے تھے۔

(2) دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ جب حضرت حسین دمشق روانہ ہوگئے تو حکومت کا جو دستہ آپ کی مشایعت وحفاظت کے لئے ساتھ تھا اس نے مطالبہ کیا چونکہ آپ پر امن مقصد سے جارہے ہیں لہذا زائد ہتھیار حکومت کے سپرد کردیجئے تاکہ حکومت مطمئن رہے۔ جنگ اس پر چھڑی۔ یہ بات بھی دل کو نہیں لگتی کیونکہ جب آپ دمشق کو روانہ ہو ہی گئے تھے تو زائد ہتھیار دے دینے پر آپ کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔

(3) تیسری بات کہی گئی اور صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جدال وقتال کا یہ حادثہ ان ہی ساٹھ پینسٹھ کوفی سبائیوں کے یکایک حملے سے کربلاء میں پیش آگیا تھا جو حضرت حسین کو کوفہ لانے کے لئے مکہ گئے تھے اور ساتھ آرہے تھے یہی حضرت حسین کے عزم سفر دمشق کے سخت مخالف تھے۔ کیونکہ اپنے مقصد کی ناکامی کے علاوہ باغیانہ سرگرمیوں کی پاداش میں اب اپنی جانوں کا خوف انھیں بھی دامن گیر تھا۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق جاتے ہیں تو مستوجب تعزیر، کوفہ اور دمشق کی بجائے کسی اور طرف نکل چلنے کی تجویزیں کرنے لگے۔ محاصرہ بھی انھی کوفیوں کا کیا گیا تھا۔ نہ کہ حسینی قافلے کا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس کو غلط فہمی ہوئی[162] طبری میں ابو مخنف کی ہی روایت سے مسلم بن عقیل کی وصیت کا تفصیلاً بیان ہے (جلد 2 صفحہ 211)۔ جسے کتاب کے اس ایڈیشن میں مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اپنی

---

[162] مقالہ نویس کا یہ کہنا تو مطابق واقعہ ہے کہ شیعان کوفہ میں سے ایک متنفس بھی حسین کی مدد کو کھڑا نہیں ہوا لیکن یہ کہنا اس کا صحیح نہیں کہ حسین اور ان کے مٹھی بھر جاں نثار متبعین نے غیر مآل اندیشی سے اپنے بدرجہا زیادہ طاقتور فوجی دستے پر حملہ کردیا جو ہتھیار رکھوانے پر مجبور کررہا تھا۔ محاصرہ تو کوفیوں ہی کا کیا گیا تھا۔ مقالہ نویس کی پوری عبارت یہ ہے، اس کا ایک گستاخانہ لفظ حذف کردیا گیا ہے۔

No one stirred among the Alid partisans in Kufa. Husaain and his handful devoted followers …. attracted the very superior force sent to disarm them and forced them to lay down their arms.

گرفتاری سے قبل مسلم نے حکومت کے کارندے ابن اشعث کو حضرت حسین کے پاس اثنائے سفر یہ پیغام پہنچادینے کی وصیت کرتے ہوئے کہا تھا۔

میری بے تابی جو تم آج کل دیکھ رہے ہو وہ حسین کی وجہ سے ہے جو آج کل مع اپنے بیوی بچوں اور چند عزیزوں کے یہاں آنے کو روانہ ہو چکے ہوں گے، میری طرف سے انھیں یہ پیغام پہنچادو۔

مسلم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ گرفتار ہو چکے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ آپ یہاں آئیں اور قتل ہو جائیں۔ آپ اپنے اہل عیال کو لے کر (مکہ ہی کو) پلٹ جایئے۔ کوفیوں کے دھوکے میں نہ آیئے۔ یہی وہ لوگ تو ہیں جن سے چھٹکارا پانے کے لئے آپ کے والد مر جانے یا قتل ہو جانے کی تمنار کھتے تھے۔ "فانھم اصحاب ابیک الذی کان یتمنی فراقھم بالموت اوالقتل" اہل کوفہ آپ سے بھی جھوٹ بولے اور مجھ سے بھی جھوٹ بولے۔ (طبری جلد2 صفحہ 211 بروایت ابو مخنف)

پھر بجرام بغاوت قتل ہونے سے قبل مسلم نے امیر عمر بن سعد سے. بتعلق قرابت یہی وصیت کی تھی امیر عبید اللہ ابن زیاد نے مسلم کی وصیت حضرت حسین کو پہنچادینے کی ہدایت کے ساتھ خود بھی صراحتاً کہہ دیا تھا اگر حسین ہماری طرف آنے کا ارادہ نہ کریں گے تو ہمیں بھی ان سے کچھ مطلب نہ ہو گا۔ "واما حسین فانہ الم یرد فالم تردہ" (طبری جلد2 صفحہ 212) اسی سے صاف ظاہر ہے کہ ابن زیاد خود بھی نہیں چاہتے تھے کہ حسین کوفہ آئیں۔ حضرت حسین نے مسلم کے واقعہ کی خبر سنتے ہی ساف کہہ دیا تھا "وقد خذلتنا شیعتنا" (طبری جلد2 صفحہ 226 برایت ابو مخنف) یعنی ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی چنانچہ یہ جان لینے کے بعد کہ سارا کوفہ اب امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر متفق ہے اور اب کوئی بھی یاور ناصر آپ کا کوفہ کی ساری بستی میں موجود نہیں اپنے سیاسی موقف سے رجوع کر لیا اور طلب خلافت کے عزم و ارادے سے دستبر دار ہو گئے جو اہل کوفہ ہی کے مواعید نصرت کی بنا پر کیا تھا اسی بات کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے یوں بیان کیا ہے۔

"لما بلغہ ما فعل یابن عمہ مسلم بن عقیل ترک طلب الامر" (منہاج السنۃ جلد2 صفحہ 228)

جب ان کو (حضرت حسین) اس واقعہ کی خبر مل گئی جو ان کے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کے ساتھ پیش آیا تھا تو انھوں نے طلب خلافت کا خیال ترک کر دیا۔ مگر آپکے ساتھی، پینسٹھ کوفی جو آپ کو کوفہ لانے کے لئے مکہ گئے تھے اب بھی یہ کہہ کر اصرار کرتے رہے کہ مسلم کی بات تو اور ہے آپ کی شان اور ہے ذرا کوفہ چلئے تو سہی سارا کوفہ استقبال کے لئے آموجود ہو گا۔ اسی درمیان کوفہ سے چند اور اشخاص اثنائے سفر آکر ان سے مل گئے، اب ان سب نے حکومت کے مقابلے کے لئے یہ نئی تجویز پیش کی کہ آجاؤ سلمیٰ پہاڑ پر جا کر ڈیرے ڈالیں، دس دن کے اندر اندر بیس ہزار سوار اور پیادے بنی طے کے آموجود ہوں گے اور جب تک ان میں کا ایک شخص بھی زندہ رہے گا آپ کو ضرر نہ پہنچے گا۔ (طبری جلد2 صفحہ 225 بروایت ابو مخنف)۔ حضرت حسین اور ان کے ہمسفر عزیزوں نے تو ان باتوں کا مطلق اثر نہ لیا البتہ سرکاری پیغامبر نے جو مسلم کا پیغام پہنچانے آیا تھا بسرعت تمام واپس جا کر حکام کو کوفی جماعت کے نئے پلان سے آگاہ کر دیا۔ ابن سعد گھوڑ سوار سپاہیوں کا دستہ بحکم گورنر لے کر راتوں رات اگلے پڑاؤ پر جا پہنچے اور پہنچتے ہی کوفیوں کو محاصرے میں لے کر ہتھیار رکھوانا چاہے، ان خبیثوں نے صبح سویرے کے اندھیارے میں کہ سردیوں کے دن تھے۔ 10 محرم 10 اکتوبر کی تاریخ تھی اسی طرح شبخون مار دیا جس طرح اس سے پہلے

طالبان خون قصاص حضرت عثمانؓ پر شبخون مار کر جنگ جمل چھیڑ دی تھی، یہ حملہ اس شدت سے اور ایسے وقت کیا گیا کہ اکثر قافلے والے بے خبر اور غیر مسلحہ تھے باآسانی زد میں آ گئے۔ امیر عمر بن سعد ان خبیثوں کا ہنگامہ روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن غدار کوفیوں کا بھی ایسا قلع قمع کر دیا کہ کوئی ایک ملعون بھی بچ کر نہ جاسکا۔ حضرت حسین اور ان کے بعض اعزہ کے یوں مظلوم قتل ہو جانے سے ابن سعد غم واندوہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار رونے لگے۔ ابو مخنف نے ہی راوی کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے "فکانی انظر الی دموع عمرو (عمر بن سعد) وھی تسیل علی خدیہ ولحیتہ" (طبری جلد 2 صفحہ 259) یعنی راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ عمر بن سعد کو ان کے آنسو (بسبب گریہ) نکل کر ان کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے۔

پچھلے اوراق میں مقتولین کی لاشوں کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دینے کا ذکر آ چکا ہے، جو لوگ کوفیوں کے حملے سے بچ رہے، حضرت حسین کے بیٹوں، بھتیجوں ان کے اہل خانہ اور دوسری خواتین کو پردہ دار محملوں میں سوار کر کے حفاظتی دستے کی معیت میں دمشق بھیج دیا گیا۔ شیعہ مورخ کا ہی قول ہے کہ

"وامر عمر بن سعد یحمل نساء الحسین واخوتہ وجواریہ وحشمہ فی المحافل المستوریہ علی الاباد" (اخبار الطوال دینوری صفحہ 270)۔

اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسین کی بیبیوں، ان کی بہنوں، کنیزوں اور اہل خاندان کو پردہدار محملوں میں اونٹ پر لے جایا جائے۔

یہ ہے اس دلدوز حادثہ کی مختصر روداد جسے ایک طویل رزمیہ افسانہ بنانے کے لئے ابو مخنف کو من گھڑت روایتوں کے علاوہ لغو اور متضاد باتیں کہنے میں بھی کچھ تامل نہیں ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حرّ کی وضع کہانی

اس بات کا اظہار تو مقتل ابو مخنف کی متعدد روایتوں کے حوالے اور اندراج سے تاریخ طبری میں کیا گیا ہے کہ گورنر کوفہ کی دلی خواہش تھی کہ حضرت حسین کسی طرح کوفہ نہ آئیں اسی وجہ سے انھوں نے (1) مسلم بن عقیل کے حسب وصیت کا پیغام حضرت حسین کو اثنائے راہ پہنچا دینے میں مطلق تامل و تساہل نہ کیا کہ کوفہ میں آپ کا (حسین کا) کوئی یار و ناصر رہے نہیں، آپ ہرگز کوفہ نہ آئیں کہیں آپ کا یہی حال نہ ہو جو کوفیوں کی غداری سے میرا (مسلم کا) ہوا ہے۔ آپ اپنے اہل عیال کے ساتھ مکہ لوٹ جائیں۔ (2) مزید برآں گورنر کوفہ امیر عبید اللہ نے بھی بالاعلان کہہ دیا تھا کہ حسین اگر ہماری طرف آنے کا ارادہ نہ کریں گے تو ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں ہو گا۔ (3) علاوہ ازیں گورنر کوفہ کو امیر المومنین کا واضح حکم تھا جو تم سے جنگ نہ کرے تم بھی اس سے جنگ نہ کرنا۔ لا تقتل الا من قاتلک (طبری جلد 2 صفحہ 215) اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی تھی۔ (4) مسلم وہانی کی عبرت ناک سزائے قتل کے بعد ہی کوفہ کی باغیانہ تحریک دم توڑ چکی تھی گویا وہ مقصد حاصل ہو چکا تھا جس کے حصول کے لئے امیر عبید اللہ کو کوفہ میں متعین کیا گیا تھا۔ ایسی حالت میں کوئی بیدار مغز حاکم نہ از خود ایسی کوئی کاروائی کر سکتا تھا نہ دوسروں کو ایسا موقع دے سکتا تھا جس سے مردہ تحریک میں پھر سے جان پڑ جائے۔ حضرت حسین کا کوفہ پہنچنے سے اس کا

احتمال ضرور ہو سکتا تھا۔ لہذا مندرجہ بالا چار وجوہات سے ابو مخنف کی یہ روایت سراسر باطل اور لغو ہے کہ امیر عبید اللہ نے حر نام کے کسی فوجی افسر کو ایک ہزار سواروں کی سرکردگی میں اس غرض سے بھیجا تھا کہ جہاں کہیں اثناء سفر حضرت حسین کو پا جائے انھیں کوفہ میرے پاس لائے بغیر نہ چھوڑے۔ روایت میں یہی الفاظ حر کے منہ سے حضرت حسین کو مخاطب کرتے ہوئے کہلوائے ہیں یعنی "قد امرنا اذا تحن یقناک ان لانضارقک حتی تقدمک علی عبید اللہ بن زیاد" (طبری جلد 2 صفحہ 238)۔ یعنی ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو پا جائیں تو عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ لے چلیں، بے لے جائے آپ کو نہ چھوڑیں۔ مقتل ابی مخنف کے موجودہ ایڈیشن کی مندرجہ روایت میں بتایا گیا ہے کہ حرّ کوفہ سے دس منزل پہلے ثعلبیہ مقام پر آپ کو پالیا تھا بر خلاف اس کے تاریخ طبری کی مندرجہ روایت میں مقام شراف اور القرعا منزل کے درمیان ایسی جگہ دو پہر کے وقت حسینی قافلے کو پالینا بتایا گیا ہے جہاں سے کوئی پچیس تیس میل آگے چل کر دو راستے پھٹتے ہیں ایک راستہ کوفہ جاتا ہے اور البطراف شمال مغرب مڑ کر العذیب وذو حسم وقصر مقاتل و کربلاء ان چار منزلوں سے گزرتا ہوا صحرائے شام کے کنارے سیدھا دمشق کو جاتا ہے۔ اب دیکھئے مقام ثعلبیہ میں کوفہ سے دس منزل اور مقام شراف والقرعا کے درمیان کوفہ سے دو منزل پہلی ہی حسینی قافلے کو پالینے کے باوجود حر تعمیل حکم سے وکار مفوضہ کی انجام دہی سے قاصر رہتا ہے۔ ایک ہزار سپاہیوں کی جمعیت و فوج رکھنے کے باوجود مختصر سے حسینی قافلے کو جس میں خواتین و اطفال سمیت سو سوا سو نفوس سے زائد اشخاص نہ تھے وہ گھیر کر نہ کوفہ لا سکا اور نہ حضرت حسین کو دمشق کی مندرجہ بالا منزلوں سے گزرتے کربلا کے سرسبز و شاداب پڑاؤ پہنچنے سے روک سکا۔ انھی حقائق سے حر کی وضع کہانی کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے اس پر مستزاد اسی کی زبانی یہ کذب بیانی بھی کرائی گئی ہے کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کا مجھے حکم ملا ہے کہ میں حسین کو بہت تنگ کروں اور ایسی جگہ اترنے دوں جہاں چٹیل میدان ہو کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو اور جہاں پانی نہ ہو۔ فلا تنزلہ الا بالعراء فی غیر حصن وعلی غیر ماء (طبری جلد 6 صفحہ 232) مگر یہ تو صریحاً خلاف حقیقت اور نرا جھوٹ ہے۔ ایں ہمہ کذب است و دروغ وبد گوئی۔ کربلاء تو قافلوں کے اترنے کا وہ مقام تھا جہاں کی زمین نرم و ملائم تھی۔ جھاڑ و جھنکار سے ایسی صاف و شفاف تھی کہ بستی کے کاشتکار وہاں بچھوڑ لیتے تھے۔ اسی خصوصیت سے اس کا نام کربلا تھا۔ جو کربلت سے مشتق ہے جسکے معنی چھاننے پھٹکنے کے ہیں۔ پانی وہاں وافر مقدار میں موجود تھا اور حضرت حسین اپنے عزیز رشتہ دار امیر المومنین یزید کے پاس دمشق جاتے ہوئے از خود اس پڑاؤ پر اترے تھے۔ ایک قدیم شیعہ مورخ ونساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کہتے ہیں کہ حضرت حسین کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام کے راستے کی جانب یزید بن معاویہ کے پاس چلے جانے کے لئے مڑ گئے۔ "وعدل نحو الشام قاصداًالی یزید معاویہ" (صفحہ 179 مطبوعہ لکھنو) ان ٹھوس حقائق کی روشنی میں حر کی یہ وضع کہانی ایسی عریاں ہو جاتی ہے کہ تار عنکبوت کی رمق بھی اس میں باقی نہیں رہتی۔ حر کے اس قصے کو تو مصنوعی کربلاء کے مقدمہ الجیش کی طرح پیش کیا گیا ہے جس کا خارج میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اب مقام کربلاء کا صحیح حال بھی دیکھ لیجئے۔

کربلا

عراق عرب کی وہ مرتفع اراضی ہے جو کلدانیوں کے بابل تک میلوں پھیلی ہوئی تھی الطف[163] کہلاتی ہے۔ اس لطف کی بستیوں میں ایک بستی العقر تھی جس کی مضافاتی زمین نرم وملائم جھاڑ وجھنکار سے صاف وشفاف تھی اس لئے کاشتکاروں کے کھلیان اور غلہ پچھوڑنے کے کام آتی تھی اور قافلوں کے پڑاؤ کے لئے بھی عربی لفظ کربلۃ کے معنی چھاننے پھٹکنے کے ہیں اسی لفظ سے کربلا مشتق ہے۔ کربلاء بالمد فاما اشتقاقہ فالکربلۃ (معجم البلدان یاقت حموی جلد 7 صفحہ 229) قریہ العقر اور اس کی یہ مضافاتی اراضی کربلاء سب اسی مرتفع سرزمین الطف پر واقعہ تھی جہاں متعدد پانی کے چشمے بہتے تھے۔ دریائے فرات وہاں سے کوسوں دور تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا کی رو سے بیس میل دور (امریکی ایڈیشن 1968)۔ صاحب معجم البلدان مزید لکھتے ہیں۔

"والطف ارض من صاحیہ الکوفۃ فی طریق البریہ فیھا کان مقتل الحسین بن علی وھی ارض بادیۃ من الریف فیھا عدۃ العیون ماء جاریۃ سنھا الصید و القطقطانہ والدھیمیمیہ وعین جمل وذوا اتھار وسمیت عین الصد بکثرۃ السمک الذی کان بھا" (معجم البلدان جلد 7 صفحہ 51۔ مطبوعہ لیپزک 1867)

اور الطف کوفہ کے پاس کے وہ میدانی زمین جو صحرائے شام کے راستے پر واقع ہے جہاں حسین بن علی مقتول ہوئے تھے یہ اراضی سرسبز ع شاداب وزرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے پانی کے بہتے ہیں جن میں الصید القطقطانہ ورہیمہ وچشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔ الصید یہ چشمہ کا نام اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ اس میں بکثرت مچھلیاں تھیں۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں۔

"کان مقتل الحسین بھکان من الطف یقال لہ کربلاء" (البدایہ والنھایہ جلد 8 صفحہ 198)

حسین کا قتل الطف کے اس مقام پر ہوا جسے کربلاء کہتے ہیں۔

کربلا کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے صاحب معجم البلدان مزید کہتے ہیں۔

"ویقال کربلت الحنطۃ اذا ھذ زتھا ونقیتھا فہ صفۃ الحنطہ" (جلد 1 صفحہ 229)

گندم کی طرح جب غلہ پچھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطۃ۔

صدیوں کے شیعہ پراپگینڈے نے لفظ کربلت کا جس سے کربلاء مشتق ہے دیکھئے کیسا حلیہ بگاڑا ہے۔ مقتل حسین کی وضعی روایتوں میں حضرت حسین کے استفسار پر ایک ہی مقام کے یہ مختلف نام غاصریہ ونینوا وشاطی فرات کہنے کے بعد جب لوگوں نے کربلاء کا نام بتایا، کہا جاتا ہے کہ

---

[163] The higher part of Mesopotamia bordering on Arabia and Chadia is called (الطف)

آپ نے فرمایاارض کرب وبلاء پھر جو کلمات ابومخنف نے آپ سے منسوب کئے وہ صفحہ 95 پر آپ پڑھ آئے ہیں۔ اسی ضمن میں ایک دوسرے مقتل حسین[164] کی یہ عبارت مزید ملاحظہ کرنے سے مقام کربلا کے پراپگینڈے کا قدرے اندازہ ہوسکے گا۔

حسین جب وارد کربلا ہوئے گھوڑے کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں لیکن آگے نہیں بڑھتا، کئی گھوڑے آپ نے اس غرض سے بدلے کہ آگے بڑھیں مگر کوئی گھوڑا آگے نہیں بڑھا تب آپ نے اپنے اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا یہ روبہ کون سی سرزمین ہے اصحاب نے یہ مصلحت جواب دیا کہ اس کو نینوا کہتے ہیں پھر آپ نے فرمایا کچھ اور نام بھی ہے دوسرے صحابی نے عرض کیا اس کو شط فرات بھی کہتے ہیں پھر آپ نے فرمایا ھل لک اسم آخر کیا اس زمین کا اور بھی کوئی نام ہے تو اصحاب نے فرمایا اس کو ماریہ بھی کہتے ہیں۔ بار دیگر آپ نے اصحاب سے فرمایا علاوہ ان ناموں کے اس سرزمین کا کوئی اور نام بھی ہے اب اصحاب باوفا نے گردنیں جھکالیں نظریں زمین پر لگادیں، اس ارض مقدس کو آنسوؤں سے تر کر دیا اور بھرائی آواز میں عرض کیا مولا! اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ اس کا نام سننا تھا کہ آپ نے ایک سرد آہ بھری گھوڑے سے اترے زمین کو چوما اور زمین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا اجازت ہے کہ حسین تیری ایک مٹھی خاک تجھ سے اٹھالے، زمین لرزی کانپی اور کہا مولا! آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں آپ تو مختار کل ہیں الغرض ایک مشت خاک حسین نے وہاں سے اٹھائی خود سونگھی اپنی بہن کو سنگھائی، بہن نے سونگھتے ہی ایک چیخ مار کر کہا بھیا جلدی سے اس خاک کو پھینکو میری جان نکلی جاتی ہے، بھیا اس سے تمھارے خون کی بو آتی ہے۔

تاریخ نگاری اور جغرافیہ سے اس بیان سے کیا واسطہ، اندھی عقیدت کا کرشمہ سمجھئے!

حضرت خالد سیف اللہ کا پڑاؤ کربلاء میں

سید المجاہدین سیدنا خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا گزر مع فوج تقریباً 13 ہجری میں جب الطف کی جانب ہوا، کربلا میں چند روز قیام رہا۔ دوران قیام کربلاء میں مکھیوں کی کثرت کا یہ واقعہ تاریخ طبری (جلد 4 صفحہ 19) پر مرقوم ہے۔

انام خالد علی کربلاء ایاماً و شکاالیہ عبد بنو ثمیۃ الذباب فقالہ خالد اصبر فانی ارید استفرغ المسالح التی امرھا عیاض فسکنا العرب فتامن من جنود المسلمین ان یوتوا من خلفھم وتجینا العربہ آمنۃ وغیر متعتعۃ وبذلک امرنا الخلیفہ واریہ یعدل نجدہ الامۃ وقال رجل من اشجع فیھا شکا ابن وثیمہ۔

خالد سیف اللہ نے چند دن کربلاء میں قیام کیا ان سے عبد اللہ بن وثیمہ نے مکھیوں کی کثرت کی شکایت کی تو حضرت خالد نے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ سرحدی تنظیم سے فارغ ہو جاؤں جس کی ہدایت (حضرت) عیاضؓ[165] نے کی ہے، پھر میں عربوں کو یہاں آباد کروں تاکہ مسلمانوں

---

[164] مقتل حسین مولفہ مولوی سیادت حسین نقوی مطبوعہ افتخار کرشن نگر لاہور

[165] سیدنا عیاض بن غنم القرشی التہریؓ حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ صحابی جلیل کے ابن عم قبل صلح حدیبیہ مشرف بااسلام ہوئے۔ بوقت وفات حضرت ابو عبیدہ نے اپنی جگہ قائم مقام کر دیا تھا، سیدنا فاروق اعظم نے یہ کہہ کر برقرار رکھا کہ ابو عبیدہ کے مقرر کئے ہوئے شخص کو ہم بھی بحال رکھیں گے۔ حضرت عیاض نے بلاد الجزیرہ والرقہ فتح کئے تھے۔ 20 ہجری میں وفات ہوئی۔ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم ہی کی ہدایت سے قبائل عرب کی آبادی کے خیال سے سیدنا خالد سیف اللہ نے سرزمین "الطف" کا سروے 12-13 ہجری میں کیا تھا، جب اس سال انکا قیام کربلاء میں رہا۔

کا لشکر پیچھے کی طرف سے محفوظ ہو جائے اور ہمارے پاس عرب لوگ اطمینان سے اور بغیر کسی اضطراب کے آسکیں، اسی بات کا حکم خلیفہ نے دیا ہے اور ان کی رائے تمام نگہبان امت کی رائے ہے۔ ابن وثیمہ نے جو شکایت (مکھیوں کی کثرت کی) اسے ایک صاحب نے یوں نظم کیا ہے۔

لقد جست فی کربلاء مطیتی

میری سواری کی اونٹنی کربلاء میں روک دی گئی۔

وفی العین حتی عاد غثاً سمینا

اور چھاؤنی میں یہاں تک کہ اسکی فربہی کی بجائے لاغری آگئی ہے۔

اذا رحلت من مبرک جعت لہ

جب اپنے تھان سے چلی جاتی ہے تو (بوجہ کمزوری) واپس آجاتی ہے۔

لعمر ابیھا لا یبنا

اس کے باپ کی قسم اس طرح میں اس کی بے عزتی کر رہا ہوں۔

ویمنعھا من ماء کل شریعہ

ہر حوض سے پانی پینے کو اسے مکھیوں کی وہ قطار۔

زفاق من الذبان زرق عیونھا

روک دیتی ہے جن کی آنکھیں نیلی ہیں۔

کربلا میں پانی کے بافراط ہونے کا مندرجہ بالا تاریخی حقائق سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے[166]۔

اب دیکھئے سیدنا خالد سیف اللہ کے زمانہ قیام کربلاء 13 ہجری میں جب یہ الطف کا سارا علاقہ جس میں کربلاء بھی واقع ہے ایسا مرطوب علاقہ تھا کہ حضرت موصوف نے عرب قبائل کی آبادی کے لئے موزوں و مناسب نہ سمجھا بلکہ اس مرطوب سرزمین کے خلاف پچاس ساٹھ میل دور کا وہ علاقہ جس کی اراضی ریتلی کنکریلی تھی عربی قبیلوں کی سکونت کے واسطے منتخب کر کے شہر کوفہ بسایا گیا۔ ان تاریخی و جغرافیائی شواہد کے باوجود دمشق کے کاروانی رستے کے پڑاؤ کے اس سرسبز و شاداب مقام کربلاء کا ملاحظہ فرمایئے ابو مخنف کی دروغ بیانیوں کے گویا منتر ہی سے جس کا ورد پراپگینڈا معزالدولہ دیلمی کی ایجاد کردہ مراسم محرم 352 ہجری سے مسلسل طور ہوتا آرہا ہے ایک بے آب و گیاہ و چٹیل میدان اور خشک و بنجر اراضی میں تبدیل ہو جانا عام طور سے کچھ ایسا باور کر لیا گیا ہے کہ جہاں کہیں کسی مقام پر پانی کی قلت ہو بطور تکیہ کلام بے تکلف

---

[166] خود ابو مخنف ہی کی روایتوں میں ہے کہ حضرت حسین اور ان کے خاص لوگوں نے بدن رنورہ مل کر غسل کئے تھے۔ بہتے چشموں کے علاوہ کدال سے تھوڑی سی زمین کھود کر آب زلال نکال لیا گیا تھا۔

کہدیا جاتا ہے یہاں تو کربلاء ہو گئی۔ سبیلیں بھی ایام محرم میں اسی بے حقیقت بات کی لگتی ہیں کتبے بھی اسی غلط بات کے آویزاں ہوتے ہیں؟ پانی پیو تو یاد کرو پیاس حسین کی۔ درآنحالیکہ کربلاء میں جیسا شواہد تاریخی وجغرافیائی سے آپ نے بھی دیکھ لیا قلت آب و منع آب کا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ نہ حضرت حسین پیاسے رہے اور نہ حسینی قافلے کا کوئی متنفس محروم آب رہا اور نہ رہ سکتا تھا کیونکہ اس مرطوب مقام میں علاوہ تالابوں کے پانی کے اس درجہ فراوانی تھی کہ ناسخ التواریخ کے غالی شیعہ مورخ کا ہی بیان ہے کہ حضرت حسین نے اپنے ہی خیمے کے پاس کی زمین میں کدال مار کر آب زلال و گوار نکال لیا تھا۔ یہ مورخ لکھتے ہیں۔

آنحضرت (حسین) تبرے برگرفت وبیرون خیمہ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت انگاہ زمین را باتبر لختے حفر کو ناگاہ آب زلال و گوارا ایچو شید واا صحاب آنحضرت بنوشید و مشکہا پر ز آب کروند۔

آنحضرت (حسین) نے ایک کدال اٹھالی اور خیمہ زنانی سے باہر کی جانب 19 قدم قبلہ کی طرف چل کر گئے تھوڑی زمین کھودی یکایک آب زلال و گوار زمین سے نکل پڑا، آپ کے ساتھیوں نے بھی نوش کیا اور مشکیں بھی بھر لیں۔

علاوہ بریں شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی کی تالیف جلاء العیون (صفحہ 199 طبع 1374 ہجری) اور بعض دیگر شیعہ کتب میں صراحتاً بیان ہے کہ حضرت حسین کے صاحبزادے علی اکبر چند لوگوں کو ساتھ لے کر گئے اور اتنی بہت سی مشکیں (چشموں کے پانی سے) بھر لائے کہ سب اہل قافلہ نے وضو اور غسل بھی کر لئے کپڑے بھی دھو لئے اور سواری کے جانوروں کو بھی سیراب کر دیا۔ خود ابو مخنف ہی کی ایک اور روایت (مندرجہ طبری جلد 2 صفحہ 241 طبع اول) میں بتایا ہے کہ نام نہاد جنگ شروع کرنے سے قبل حضرت حسین نے دسویں محرم کو بڑا خیمہ نصب کرایا بڑے کاسے میں مشک بھی حل کرایا پھر نورہ[167] کا اتنا بہت سا گھول تیار کرا لیا کہ بڑے خیمے میں جا کر خود آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے جسموں پر بال صاف کرنے کو نورہ ملا اور غسل کئے، ان سب کاموں کے لئے جن کا ذکر خود شیعہ مولفین نے ہی مندرجہ بالا روایتوں میں کیا ہے پانی افراط سے موجود تو بتایا ہے مگر ایک نو مولود کا حلق تر کرنے کو کہتے ہیں دو بوند پانی میسر نہ تھا۔ ہیجانِ جذبات کے مقصد سے انھیں بے حقیقت باتوں کا یہ رونا بھی مرثیوں میں رویا جاتا ہے۔

ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو + قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چوانے کو

صاف ظاہر ہے کہ حکومت قائمہ کو مطعون کرنے کو یہ اکاذیب تراشے گئے اور بے بات کے بتنگڑ بنائے گئے۔ بدترین مثال ان کی جنگ کربلا کی خیالی تصویر کشی ہے جو سب سے پہلے مقتل ابی مخنف میں کی گئی اور یہی اصل ماخذ ہے۔ جملہ کربلائی لٹریچر کا سانحہ کربلاء کے تقریباً ایک صدی بعد یہ کتاب مقتل ابی مخنف محض سماعی اور وضعی روایتوں سے اس درجہ غلو و مبالغہ آرائی سے مرتب ہوئی کہ طلسم ہوشربا کے قصوں کی یاد تازہ کرتی ہے، یہی کتاب اصل ماخذ ہے جملہ کربلائی لٹریچر کا۔

---

[167] ہڑتال اور چونا قلعی کو باریک پیس کر نوری کا گھول عجمی پہلوان زور آزمائی سے پہلے اپنے جسموں سے بال صاف کرنے کے لئے بالصفا پاؤڈر کی طرح مل لیا کرتے تھے۔ اہل عرب اس سے قطعاً ناآشنا تھے۔

نام نہاد جنگ کربلا کی من گھڑت کہانی

اتنی بات تو سب ہی کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت حسین اپنے کوفی شیعوں کے پیہم واصرار اور عرضداشتوں کی پذیرائی میں مکہ معظمہ سے ماہ ذوالحجہ 60 ہجری کے اول عشرے میں سیدھے کوفہ تشریف کے جارہے تھے۔ شہر کوفہ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے تقریباً 800 عربی میل ہے جو 950 انگریزی میل کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ طویل اور کٹھن سفر اس قدیم زمانے میں جب نقل و حمل کے ذرائع میں اونٹوں کی قطاریں ہی واحد ذریعہ تھیں اٹھائیس انتیس دن میں طے ہوتا تھا۔ راستے میں اتنی ہی منزلیں اور پڑاؤ بھی تھے۔ جن میں کابلاء نام کی کوئی منزل نہیں تھی نہ کوئی پڑاؤ کا مقام۔ کوفہ کے مضافات میں بھی کربلاء نام کی نہ کوئی بستی تھی اور نہ فوجی چھاؤنی یا صوبہ عراق کی پولیس یا ملٹری دستے کا کوئی ہیڈ کوارٹر اس نام کا تھا۔ البتہ کوفہ جانے کا ارادہ ترک کر کے جب کوئی مسافر یا قافلہ راہ کوفہ سے بیس تیس میل پہلے ہی پلٹ کر مخالف سمت میں دمشق کے کاروانی راستہ پر گامزن ہوتا تو تب یہ چار مقامات المغیثہ والعذیب وذوحسم اور قصر مقاتل طے کرنے کے بعد کربلاء پہنچتا تھا۔ حضرت حسین نے اثنائے راہ کوفہ جانے کا قصد ترک کر کے دمشق پہنچنے کا ارادہ کیوں کیا اور کربلاء کے پڑاؤ پر یہ حادثہ قتال وجدال کیسے پیش آ گیا مختصراً پہلے اس کا ذکر آ چکا ہے نام نہاد جنگ کربلا کی من گھڑت کہانی کی ساختگی مندرجہ ذیل حقائق سے بخوبی منکشف ہو گی۔

(1) جملہ قدیم مورخین نے اس واقعے کا اظہار کیا ہے کہ سیدنا معاویہ سے صلح مصالحت کرنے میں حضرت حسین کو اپنے برادر بزرگ حضرت حسن سے اختلاف تھا مگر بڑے بھائی کے اتباع میں بالآخر انھوں نے سیدنا معاویہ سے بیعت خلافت کر لی اور اس پر مستقیم رہے۔ شیعان کوفہ جب حضرت حسن کی وفات کے بعد سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے انھی تحریص وترغیب دینے لگے، حضرت حسین کے اس جواب کو سبھی مورخین نے نقل کیا ہے کہ جب تک یہ شخص (امیر المومنین سیدنا معاویہ) زندہ ہے اپنے اپنے مقام پر خاموش بیٹھے رہو جب ان کا وقت آ جائے ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی غور کرنا۔ ماہ رجب 60 ہجری میں امیر المومنین سیدنا معاویہ کے ارتحال پر ولی عہد خلافت کی حیثیت سے جب امیر یزید منصب خلافت پر فائز ہوئے، عراقی شیعوں نے بکثرت خطوط اور عرضداشتیں حضرت حسین کی خدمت میں ارسال کیں جن میں ان کوفی شیعوں نے (حضرت حسین) کو دعوت دی تھی کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور ان کے بلانے کی تحریص اس لئے کی گئی تھی کہ وہ (یعنی اہل عراق) یزید بن معاویہ کے بجائے ان سے بیعت خلافت کر لیں۔ (البدائیہ والنہائیہ جلد 8 صفحہ 101)۔

خود حضرت حسین کو بھی کوفیوں کی تلون مزاجی کا احساس تھا اور ان کے ہمدردوں عزیزوں نے بھی انھیں متنبہ کیا اس لئے کبھی ارادہ کرتے کہ تشریف لے جائیں اور کبھی ان سے دور رہنا ہی مناسب سمجھتے۔

مرۃ یرید ان یسر الیھم ومرۃ یجمع الاقامۃ عنھم (البدایہ والنھایہ جلد 8 صفحہ 161)

بالآخر اپنے تایا کے بیٹے اور سوتیلے بہنوئی مسلم بن عقیل کو تحقیق حال کے لئے اس ہدایت سے کوفہ بھیجا کہ وہاں کے سیاسی احوال کو موافق اور اہلیان کوفہ کو صادق القول پانا بلا تاخیر مطلع کرنا تو بلا تامل وہاں پہنچ جاؤں گا۔ مسلم نے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی اثنائے راہ اپنے ایک ساتھی کے ہرن شکار کر لینے پر بقول مورخ طبری یہ شگون لیا تھا ہم اپنے حریف (یعنی امیر المومنین یزیدؒ) کا قلع قمع کر دیں گے۔ اس جارحانہ عزم سے کوفہ پہنچنے پر مورخین نے بتایا ہے کہ اٹھارہ یا بارہ ہزار اور ابو مخنف کی اس کتاب کے مطابق اسی ہزار شیعان کوفہ نے مسلم کے ہاتھ پر خلافت

حسین کی بیعت کرلی۔ اور حلفیہ وعدہ کیا کہ امارت (خلافت) حسین کی خاطر اپنی جانوں اور مالوں سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ فبایعوہ علی امرۃ الحسین وحلفوا لینصرنہ بانفسھم واموالھم (البدائیہ والنھائیہ جلد 8 صفحہ 152) ان حالات کی اطلاع مسلم کے علاوہ اور لوگوں نے بھی خطوط اور پیغامبروں کے ذریعے حضرت حسین کو کردی۔ ان کی پھوپھی کے بیٹے جعدہ بن ہبیرہ نے جو دوسرے رشتہ سے ان کے بہنوئی بھی تھے حسب ذیل تحریر میں حضرت حسین کو بعجلت تمام کوفہ پہنچنے کی تاکید کی تھی۔

امابعد ! باغ وبوستاں سرسبز ہوگئے ہیں۔ پھل اور میوہ تیار ہے زمین میں سبزہ اگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ تم اس فوج اور لشکر کے پاس آجاؤ جو تمھاری ہر خدمت کے لئے موجود ہے۔ (ناسخ التواریخ جلد 2 صفحہ 174۔ البدائیہ والنھائیہ جلد 8 صفحہ 151)

ان خطوط اور حلفیہ مواعید پر بھروسہ کرکے حضرت حسین اپنے گھر والوں اور ساٹھ کوفی شیعوں کی معیت میں 10 ذی الحجہ 60 ہجری کو مکہ معظمہ سے کوفہ کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

فخرج (الحسین) متوجھا الیھم فی اہل بیتہ وستین شخصاً من اھل الکوفہ وذلک یوم الاثنین فی عشر ذالحجۃ (البدائیہ والنھائیہ)۔

(حضرت حسین) اپنے گھر والوں اور ساٹھ کوفیوں کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہنچنے کے لئے چل پڑے اور یہ ان کی روانگی کی تاریخ دسویں ذوالحجہ یوم یکشنبہ تھا۔

دوسری طرف بسرے کے گورنر عبید اللہ بن زیاد شہر کوفہ کی انتظامی حالت سنبھالنے کے لئے سترہ آدمیوں کو ساتھ لئے بتعمیل فرمان امیر المومنین بغیر کسی فوجی دستے کے کوفہ پہنچے۔ روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ حضرت حسین کی آمد کا انتظار اس شدت سے تھا کہ شیعان کوفہ نے سمجھا حضرت حسین آگئے ہیں۔

نئے گورنر وقت ضائع کئے بغیر تحریک بغاوت کے سدباب کے لئے مسلم کو جسے ہانی بن عروہ نے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا گرفتار کرا لیا۔ جرم بغاوت کے علاوہ گرفتاری کے لئے جو سپاہی بھیجے گئے تھے ان سے لڑکئی کو قتل کرنے نیز قصر امارت پر حمل آور ہونے کے جرم میں قتل کردیئے گئے۔ قتل ہونے سے پہلے امیر عمر بن سعد سے جو رسول اللہ کے ماموں کے فرزند ہونے سے مسلم کے قرابتدار تھے۔ پیغامبر کے ذریعہ حضرت حسین کو کوفی شیعوں کی غداری سے اپنے مارے جانے اور حضرت حسین کے کوفہ نہ آنے اور راستے سے ہی پلٹ جانے کی وصیت مسلم نے کی تھی جس کی تفصیل کی کیفیت پچھلے صفحات میں بیان کردی گئی ہے۔ اور ابو مخنف کی ہی روایت مندرجہ تاریخ طبری سے بتایا جاچکا ہے کہ سرکاری ہرکارہ کے ذریعے مسلم کا حال اور ان کا پیغام حضرت حسین کو پہنچا دیا گیا تھا جس پر حضرت حسین نے کوفہ کا قصد ترک کرکے اپنے موقف س رجوع کرتے ہوئے امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جانے کی غرض سے بقول شیعہ مورخ ومصنف عمدۃ الطالب یزید بن معاویہ کے پاس پہنچ جانے کی غرض سے دمشق کے راستے پر مڑ گئے۔

وعدل نحو الشام قاصدا الی یزید بن معاویۃ

یزید بن معاویہ کے پاس پہنچ جانے کے لئے ملک شام کی (دمشق کی) جانب مڑ گئے۔ حضرت حسین اور ان کے قافلے کے کسی فرد واحد کو بھی وہم و گمان اس کا نہیں ہو سکتا تھا کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد کوفہ کے قریب پہنچ جانے پر وہاں کے حالات میں یکایک ایسا انقلاب آجائے گا کہ مقصد سفر اس درجہ باطل ہو جائے گا کہ طلب خلافت کے موقف سے رجوع کر لینا ہو گا اور کوفہ پہنچنے کے بجائے راہ دمشق کی جانب باگ موڑنی ہو گی تا کہ امیر المومنین یزید ہی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر بیعت خلافت کی ان سے بالا اخر کر لیں اسی طرح نہ شیعان کوفہ کو جو ان کی آمد کے منتظر تھے ایسا کوئی احتمال ہو سکتا تھا نہ حکام کوفہ کو یہ احساس ہو سکتا تھا کہ قافلہ حسینی راہ کوفہ سے یکلخت پلٹ کر راہ دمشق پر گامزن ہوتے ہوئے کربلا کے پڑاؤ سے گزرے گا۔ ایسے حالات میں کربلا جیسے چھوٹے دیہاتی مقام پر سرکاری فوج کی موجودگی کا امکان ہی نہ تھا خصوصاً اس امر واقعہ کے اعتبار سے کہ مکہ معظمہ سے کربلا کا فاصلہ نو سو پچاس انگریزی میل کا تھا اور انتیس منزلیں سفر کی طے کر کے حسینی قافلہ راہ کوفہ سے اچانک پلٹ کر 10 محرم 61 ہجری کو دمشق جاتے ہوئے اس مقام پڑاؤ سے گزر رہا تھا۔ منازل سفر کی جو جدول اگلے صفحات پر درج ہے مستند کتب بلدان و جغرافیہ کی تفریحات سے تمام منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے صحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں نیز منسلکہ نقشے سے مزید وضاحت طریق سفر کی ہو جاتی ہے۔

(2) نام نہاد جنگ کربلا کی خیالی تصویر کشی جس افسانوی مبالغہ آرائی سے کی گئی ہے، ابو مخنف کی لغو بیانی کا کیا کہنا، حسینی قافلے کے 72 افراد سے لڑنے کے لئے آپ نے دیکھا، اسی ہزار سواروں کا ٹڈی دل[168] کربلاء پہنچا دیتا ہے۔ مگر اس کی تصریح کے ساتھ کہ یہ سب کوفی ہی کوفی تھے کوئی شامی یا حجازی شخص ان میں شامل نہ تھا۔ لیس فیھم شامی ولا حجازی (صفحہ 52) ان ہی کوفیوں کو پہلے بتا چکا ہے مسلم کے ہاتھ پر ایک دن میں خلافت حسین پر بیعت کر لی تھی۔ حتی بایعہ فی ذالک الیوم ثمانون الف (صفحہ 21) اسی کے ساتھ حضرت حسین کی متعدد تقریروں کے یہ جملے کوفیوں کی شکایت اور مذمت میں درج کئے ہیں کہ تم ہی لوگوں نے ہم کو بلایا اور تم ہی نے ہماری بیعت کی اور اب تم ہی اس کو توڑ رہے ہو اور ہمارے خلاف تلوار اٹھا رہے ہو۔ پھر ان کوفیوں کی بے وفائی اور غداری دیکھ کر جب طلب خلافت کا عزم ترک کر کے اپنے عزیز خاص یعنی برادر نسبتی و بھتیج داماد امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جاتے ہوئے اثنائے راہ کربلاء پڑاؤ پر پہنچے یہی کوفی سفر دمشق میں مانع و مزاحم ہوئے۔ آپ کے رفیق زہیر بن القین نے براویت ابو مخنف ان سے کہا تھا ان اپنے چچا کے بیٹے یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو ان کا راستہ مت روکو۔

خلوا بینہ و بین یزید (صفحہ 5-6 مقتل)

فخلوا بین ھذا الرجل و بین ابن عمہ یزید بن معاویہ (طبری جلد 2 صفحہ 243) ان کے اور یزید کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔

ان صاحب کے اور ان کے چچا کے بیٹے یزید بن معاویہ کے درمیان سے ہٹ جاؤ، یہی کوفی حکومت قائمہ کے خلاف خروج اور بغاوت کے اصل مجرم تھے جو حضرت حسین کو مواعید نصرت و امداد کا فریب کر مکہ سے عراق لا رہے تھے۔ حضرت حسین کے دمشق جانے سے ان ہی کوفیوں

---

[168] بعض غالی رافضیوں نے لاکھوں سواروں اور کروڑوں پیادوں کی تعداد بتائی ہے حتی کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ علامہ بھی لاہور کے شیعہ ماہنامے کے مضمون میں لشکر یزید دو لاکھ سے نو لاکھ قرار دیتے ہیں۔ (معارف الاسلام شمارہ ماہ جولائی 1959)

کو اب اپنی جانوں کا خوف دامن گیر تھا اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کے غدارانہ فساد انگیزی سے یہ حادثہ فاجعہ پیش آگیا جس سے نام نہاد سرکاری لشکر یا عمال حکومت کا قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ کوفی مانع و مزاحم سفر کے نہ ہوتے اور حضرت حسین اپنا عزم سفر دمشق میں پورا کر لیتے، امیر المومنین کے پاس دمشق پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے نہ یہ سانحہ پیش آتا نہ تاریخ یہ خو چکاں داستاں من گھڑت اور وضعی روایتوں سے دوہراتی اور نہ اس واقعہ حزن انگیز کو مذہبی رنگ دے کر تفرقہ امت میں ڈالا جاتا۔ اس اتفاقی حادثے کو ابو مخنف اور اسی قسم کے دیگر اشخاص نے مہابھارت جیسا جنگ نامہ بنا ڈالنے اور دیومالائی قالب دینے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور ایسی ایسی مہمل و لغو اور لچر باتیں لکھ ماری ہیں کہ پناہ بخدا۔ مصنوعی جنگ کربلا کے محاذ کا خیالی نقشہ کھینچتے ہوئے ابو مخنف نے یہ کیسی بے پر کی اڑائی ہے کہ امیر عمر بن سعد جو رشتے میں حضرت کے ماموں ہوتے تھے اسی ہزار کا لشکر لے کر اپنے عزیز بھانجے و نواسے رسول سے لڑنے کربلا جا پہنچے چالیس ہزار کوفی سواروں کے ساتھ۔ قلب لشکر میں تیغ آزمائی کے لئے کھڑے ہوئے اور میمنہ و میسرہ (دائیں بائیں بازو) پر شمر بن ذالجوشن[169] اور خولی کے زیر کمان بیس بیس ہزار سواروں کو متعین کیا۔ اور اس خیالی سرکاری لشکر سے بر سر پیکار ہونے کے لئے۔ اس مقتل میں یہ انوکھا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ابو مخنف کہتا ہے کہ حضرت حسین نے صرف بتیس سواروں کو ابن سعد کے چالیس ہزار سواروں کے مقابل کھڑا کیا اور شمر و خولی کے بیس بیس ہزار جنگجو سواروں کے مقابلے میں اپنے صرف بیس بیس سوار کھڑے کئے۔ اس مصنوعی جنگ کی جو تفصیلات اس کذاب مولف نے درج کی ہیں آپ کتاب میں دیکھ رہے ہیں کہ حسینی قافلے کا کوئی جنگ آزما جب رجز یہ اشعار پڑھتا یکہ و تنہا میدان کارزار میں پہنچ کر اسی ہزار کے ٹڈی دل سے مبارز طلبی کرتا دشمن کی صفوں سے جنگ آزمودہ منجھے ہوئے سوار تیغ آزمائی کو یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں تو جس نوعیت اور نسبت سے ان حسینی جنگجوؤں سواروں کی قربت یا قرابت کا کوئی تعلق حضرت حسین سے ہوتا اسی اعتبار اور اسی پیمانے سے وہ ان منجھے ہوئے اور ماہر لشکریوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالتا مثلاً وہ کہتا ہے کہ آخر میں دو نوخیز لڑکے 14 اور 16 برس کے خیام حسینی سے نکلے یہ حضرت حسین کے بھتیجے قاسم اور احمد فرزندان حسن بن علی تھے۔ 14 سالہ قاسم نے لڑائی میں دشمن کے ستر سواروں کو مار گرایا۔ احمد نے پہلے حملے میں پچاس سواروں کو قتل کیا اور پیاس کی شدت سے لوٹ آئے، چچا سے ایک گھونٹ پانی طلب کیا انھوں نے فرمایا صبر کرو تا آنکہ اپنے نانا رسول اللہ کے پاس پہنچ جاؤ وہ تمھیں ایسا سیراب کریں گے کہ پھر کبھی پیاسے نہ رہو گے۔ پلٹ کر میدان جنگ پہنچے اور دوسرے حملے میں ستر سواروں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا گویا سولہ سالہ نوخیز ہاشمی لڑکے نے جسے تیغ زنی کا کوئی سابقہ تجربہ بھی نہیں ایک سو دس فوجی سپاہیوں کو ڈھیر کر دیا۔ یہ واضح رہے کہ حضرت حسن بن علی کے بیٹوں میں احمد نام کا کوئی بیٹا ہی نہیں۔ یہ معرکہ آرائیاں تو نو عمر بھتیجوں کی تھیں حضرت موصوف کے ایک فرزند علی اکبر[170] کی تیغ زنی کا حال مقتل علی الاکبر کی ذیلی عنوان سے یہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے چالیس پچاس نہیں اکٹھے ایک

---

[169] یہ شمر حضرت علی کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ پسران علی کے بھتیجے ہونے سے حضرت علی کے سالے اور برادر حسین کے ماموں بھی تھے اور حضرت علی کی فوج کے ایک دستے کے افسر بھی رہے اور جنگ صفین میں سیدنا معاویہ کے لشکر سے لڑے تھے، اس لڑائی میں زخمی بھی ہوئے تھے۔

[170] حضرت حسین نے اپنے دو بیٹوں کے نام اپنے والد کے اسم گرامی علی پر رکھے تھے۔ بڑے بیٹے علی بن حسین جو شیعوں کے دیئے ہوئے لقب زین العابدین سے مشہور و معروف ہیں کربلا میں 24 برس کے صاحب اولاد تھے۔ اس کذب بیانی سے جسے شیعہ مورخ ابن جریر طبری نے بھی مشتہر کیا ہے کہ چھوٹے بچے ہونے سے قتل نہ کئے گئے وہ علی الاصغر کہلائے اور یہ ان کے چھوٹے بھائی جو کربلا میں 18 برس کے تھے علی الاکبر کہلائے۔ بعض لوگوں نے ایک اور فرزند علی الاوسط کا اضافہ کیا ہے مگر اس نام کا کوئی بیٹا حضرت حسین کا نہ تھا۔ آپ کے یہ فرزند جو غلطی سے علی الاکبر کہلائے گئے امیر المومنین یزید کے رشتے میں بھانجے ان کی پھپھیری بہن کے فرزند تھے۔

سواسی جنگی سواروں کا ان فخر یہ کلمات سے قلع قمع کرڈالا تھا کہ قسم بیت اللہ کہ نبی کے وارث تو ہمی ہیں،۔ میں تمھیں تلوار مارتا رہوں گا جو اس غلام لڑکے (غلام) کی ہے جو ہاشمی سورما ہے۔ ضرب غلام ہاشمی بطل۔ مگر یہ ہاشمی صاحبزادے بھی 18 برس کے نو عمر ہی تھے۔ مدینہ منورہ کی پرامن فضاء میں عیش و عشرت میں پلے بڑھے تھے۔ تلوار چلانے کا کبھی واسطہ ہی نہ ہوا تھا۔ لیکن بیٹے تھے حسین کے اس لئے ابومخنف کے لئے ضروری ہوا کہ ان کے مقتولین کی تعداد دوسرے عزیزان حسین سے بڑھ کر دکھائے۔ اب خود حضرت حسین کی تیغ زنی کے عجوبات ملاحظہ ہوں۔ پہلے ہی حملے میں براویت ابومخنف ڈیڑھ ہزار کو فی قتل کرڈالے۔ اور دوسرے حملے میں کثیر کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ ناسخ التواریخ کی روایت میں ایک ہزار نو سو پچاس[171] سواروں کو ایک حملے میں ذبح کرڈالا۔ مولف مجاہد اعظم فرماتے ہیں کہ حضرت نے متواتر حملے کئے اور پر حملے کئے اور ہر حملے میں دس دس ہزار کی لاشیں بچھادیں۔ اسرار شہادت کی لغو بیانی نے سب کو مات دے دی لکھا ہے کہ حضرت حسین کے ہاتھ سے تین لاکھ، ان کے سوتیلے بھائی کے ہاتھ سے 25 ہزار اور دوسرے عزیزوں کے ہاتھ بھی 25 ہزار اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ کوفی قتل ہوئے۔ ابومخنف وغیرہ ان بے پر کی اڑانے والوں کو یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ اس زمانے میں کوفہ کا تو ذکر کیا سارے صوبہ عراق کی آبادی بھی اتنی نہ تھی کہ ساڑھے تین لاکھ جنگی سوار کوفہ و بصرہ و دوسری بستیوں سے فراہم ہو جاتے پھر ساڑھے تین لاکھ سواروں کو فی کس ایک ہی منٹ کے حساب سے قتل کرنے میں کم از کم چار ہفتے کی مدت درکار تھی۔ درآنحالیکہ شیعہ مورخ طبری اور دیگر مورخین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا جتنی دیر میں قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے یعنی کم و بیز آدھے گھنٹے میں۔ بے تکی عقیدت اور دیومالائی ذہنیت کی کرشمہ سازی نے اسپ حسینی کو بھی کتنے ہی سواروں کا قاتل بنا دیا ہے۔ ساتھ ہی رسول اللہ کی سواری کے گھوڑے یا دلدل کو اس مصنوعی جنگ میں شریک بتانے کی کذب بیانی بھی کی گئی ہے۔ گھوڑے اور خچر (دلدل) کی طبعی عمر اتنی کہاں ہوتی ہے کہ اسی بیاسی برس زندہ رہے۔ حضرت حسین نے مع اہل عیال، خواتین و اطفال مکہ سے عراق کا نو سو میل سے زائد کا یہ طویل ریگستانی سفر اونٹوں کے ہودجوں کی سواری سے تیس دن میں طے کیا تھا کوئی فوجی دستہ تو ساتھ نہیں لیکر جارہے تھے کہ گھوڑے ساتھ ہوتے۔ فرزوق شاعر نے جو آپ کی روانگی مکہ کے وقت موجود تھا اونٹوں ہی کی قطاروں کا ذکر کیا ہے۔ شیعہ مورخین نے بھی یمنی قافلے میں جو سالتمام کی اشیائے خراج دمشق کے بیت المال میں داخل کرنے جارہا تھا اونٹوں ہی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا ان اموال کو ماخوذ کرلیا۔ غرضیکہ حسینی قافلے میں اونٹوں ہی کی قطاریں تھیں اسپان تازی کا وجود نہ تھا۔ یہ سب روایتیں من گھڑت ہیں کہ مقام کربلا میں آپ کا گھوڑا یکایک رک گیا اور بار بار گھوڑے تبدیل کئے مگر کسی گھوڑے نے قدم آگے نہ بڑھایا۔ مجبوراً وہیں اترنا پڑا حالانکہ کوفہ کے راستے سے از خود آپ پلٹ کر دمشق جاتے ہوئے 10 محرم کو کربلا کے پڑاؤ پر پہنچے تھے۔ ابومخنف اور اس کے نام نہاد راویوں کا مقصد ان طبع زاد باتوں سے بیان واقعہ نہیں نوحہ خوانی کی فضاء پیدا کرنا ہے۔ زمانہ حال کے شیعہ مولف مجاہد اعظم نے اس مبحث پر صدہا کتب کے مطالعہ کے بعد صراحتاً لکھا ہے کہ واقعہ کربلا کے بیان میں صدہا کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریر اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں۔ پھر ان مستند

---

[171] شیعہ رسالہ معارف الاسلام لاہور کے مضمون میں تعداد لشکر یزید دو لاکھ سے نو لاکھ بتا کر مقتولین از دست امام 1950 لکھی ہے اور ان کے گھوڑے نے 40 سوار ہلاک کئے۔ تلوار کے زخم جو آپ کے جسم پر آئے اس کا شمار 1951 کیا گیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ ساری گنتی کون کر رہا تھا اور کب اور کہاں اور کیسے یہ ریکارڈ محفوظ رہا۔

کتابوں کی تضاد بیانی کے اظہار کے ساتھ ہی مقتل الحسین اور اسکے مولف کے متعلق کہتے ہیں ابومخنف خود کربلاء میں موجود نہ تھے اس لئے سب واقعات انھوں نے سماعی لکھے ہیں لہذا مقتل پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابومخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔(صفحہ 174)۔ قدیم ترین نسخہ مقتل ابومخنف کا وہی سمجھا گیا ہے جس کا کل مواد شیعہ مورخ ابن جریر طبری متوفی 310 ہجری نے اپنی مبسوط تاریخ کی جلد ششم میں قال ابومخنف کی تکرار کے ساتھ درج کر لیا تھا اسی سے بعد کے مورخین نے اخذ مطالب کیا ہے۔ اس قدیم نسخے کے مندرجات اور نجف کے مطبوعہ نسخے کی تحریروں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ معنی خیز حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ اس مختصر سی کتاب کے جو خروج حسینی اور کربلائی لٹریچر کی سب سے پہلی اور بنیادی کتاب کی حیثیت سے واحد ماخذ ہے، جملہ شہادت ناموں، خطیبوں، ذاکروں، نوحہ خوانوں، مرثیہ گویوں کے بیانات کا، اس کے بھی متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک شیعہ مولف مجاہد اعظم کی تحقیق میں بھی ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں۔ اسی ایک بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقتل کی سماعی روایتوں میں بمقتضائے وقت تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے جس کی حیرت انگیز مثال یہ نجفی نسخہ بھی پیش کرتا ہے۔ ابومخنف نے سماعی واقعات کے بیان میں یوں بیسیوں غیر متعلق اشخاص کے نام لئے ہیں لیکن حضرت حسین کے اہل خاندان آپ کے بڑے صاحبزادے داماد اور بھتیجوں میں سے جو واقعے کے عینی شاہد تھے اور صحیح سلامت واپس وطن پہنچ گئے تھے ان ہی کی زبانی اہل مدینہ نے سب حال سفر عراق و حادثہ کربلاء سنا، از خود نہیں تو اپنوں غیروں کے پوچھنے پر سارا احوال انھوں نے کہہ سنایا تھا بعض ان میں سے ابومخنف کے قریب العہد تھے اور بعض اس کے ابتدائی زمانہ تک حیات بھی رہے۔ مگر اس مولف نے ان اعزہ واقربائے حسین میں سے کسی نام وحوالے سے کوئی واقعہ بیان نہیں کیا یعنی حضرت حسین کے بڑے بیٹے (1) جناب علی (زین العابدین) سے یا (2) حضرت کے بھتیجے اور داماد حسن مثنی شوہر فاطمہ بنت الحسین سے یا (3) دوسرے بھتیجے عمرو بن الحسن شوہر رملہ بنت عقیل سے یا (4) تیسرے بھتیجے طلحہ بن الحسن سے جن کی والدہ ام اسحٰق بیوہ حضرت حسن سے آپ نے نکاح کر لیا تھا یا (5) چوتھے بھتیجے زید بن الحسن سے، یہ سب حضرات باعتبار سن وسال علی الترتیب 24، 25 یا دو چار سال کم و بیش عمر کے تھے، اکثر شادی شدہ مع رفیقہ حیات میں موجود رہے تھے اور مدینہ آکر بعطائے وظائف خلافت بنی امیہ میں باعزم واکرام خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ جناب علی (زین العابدین) کے تعلقات خلوص و محبت کے جیسے سابقاً ذکر ہوا حادثہ کربلاء کے بعد بھی امیر المومنین یزیدؒ نہ صرف ان کی زندگی تک برابر قائم رہے بلکہ وفات ان کی اولا احفاد سے رشتے بھی مناکحت و مصاہرت کے ہوتے رہے۔ یہ تاریخی حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ دوسرے مدعی خلافت حضرت عبداللہ بن الزبیر کے حامیوں نے جب امیر المومنین کے خلاف بغاوت کی آگ مدینہ میں بھڑکائی تھی کچھ بھی حقیقت واصلیت ابومخنف کے مشتہر کردہ مظالم کربلا کی ہوتی تو حضرت حسین کے ولی الدم (قصاص خون لینے والے) جناب علی (زین العابدین) اور انکے دوسرے علوی وہاشمی عصبات واعزہ کے لئے بہترین موقع تھا کہ ابن الزبیر کی اس باغیانہ تحریک حصول خلافت میں شریک ہو کر یزیدی حکومت کا تختہ الٹ دیتے، مگر جناب علی (زین العابدین) وجملہ اعزہ و حسین یہ سب ہاشمی بغاوت کی اس تحریک سے قطعاً الگ رہے اور ابن الزبیر کی بیعت سے انکار پر سختیاں برداشت کیں۔ مگر امیر المومنین یزید کی بیعت پر مستقیم رہے۔ جناب علی (زین العابدین) نے اپنے اس موقف سے بذریعہ تحریر امیر المومنین کو مطلع بھی کر دیا تھا کہ باغیوں کی تادیب کے لئے جو فوجی دستہ دمشق سے آیا تھا جناب موصوف نے اس کے افسر کے سامنے امیر المومنین کے لئے دعائیہ کلمات ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا وصل اللہ امیر المومنین (یعنی اللہ امیر

المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے) یہ واقعہ جناب موصوف کے فرزند محمد الباقر کی روایت سے طبقات ابن سعد میں بھی درج ہے اور الامامۃ و السیاسۃ کے غالی مولف نے بھی درج کیا ہے۔ امیر المومنین کی وفات پر جب یہ فوجی دستہ مکہ سے واپسی پر مدینہ سے گزر رہا تھا جناب علی (زین العابدین) فوجیوں کے جانوروں کے دانے چارے کی قلت کا ذکر سنتے ہی اتنی وافر مقدار میں غلہ فراہم کر دیا تھا کہ سفر دمشق تک کافی ہو۔

خلوص و محبت کے واقعات کے سلسلے میں جو بعد وفات امیر المومنین بھی جاری رہے رشتہ مناکحت کا یہ تاریخی واقعہ اس بات میں تو فیصلہ کن نوعیت کا ہے کہ جناب علی (زین العابدین) نے سربراہ خاندان کی حیثیت سے اپنے چچا عباس بن علی کی پوتی نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علی[172] کو جیسا کہ ذکر پہلے ہو چکا ہے امیر المومنین یزید کے پوتے عبد اللہ بن علامہ خالد بن یزید کی زوجیت میں بخوشی دلی دے کر خلوص و محبت کے تعلقات کو اور مستحکم کر دیا۔ اس علویہ وہاشمیہ دوشیزہ کے والد عبید اللہ اپنے پدر بزرگوار عباس بن علی کے ساتھ حسینی قافلے میں موجود ہونے سے سفر عراق اور واقعات کربلا کے عینی شاہد تھے ان کے والد عباس بن علی کو آب رسانی کی من گھڑت کہانی میں (سقائے اہلبیت) اور علمبردار کہہ کر سرکاری فوج کے ہاتھوں ظلم و شقاوت سے ذبح کیا جانا بتایا جاتا ہے۔ کچھ بھی حقیقت و اصلیت اس کی ہوتی تو ان سقائے اہلبیت کی حقیقی پوتی ایسے مظالم ڈھانے والے کے پوتے کو کیسے بیاہی جاتی اور خود یہ علویہ ہاشمیہ دوشیزہ کس دل سے ایسے گھرانے کی بہو بننا گوارہ کرتی جنھوں نے یا جن کے حکم و اشارے سے اس کے حقیقی دادا اور دادا کے بھائیوں اور بھتیجوں اور دوسرے عزیزوں حتی کہ خورد سال بچوں تک کو جیسا کہ مکذوبہ روایتوں میں بیان ہوتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیا گیا ہو مگر رشتہ یہ ہوا، محبت و خوشدلی سے ہوا اور نتیجہ پھلا پھولا جیسا کتب النساب و تذکرہ و تاریخ کی تصریحات سے محقق ہے۔ اس علویہ وہاشمیہ خاتون کے بطن سے عباس بن علی بن عبد مناف ابوطالب کے دو یزیدی نواسے علی و عباس نام فرزندان عبد اللہ بن خالد بن یزید عالم وجود میں آئے جو اموی خلیفہ کے سابقہ دار الخلافہ دمشق میں اس شان سے سے مسکن گزین رہے اور بزمانہ خلافت عباسیہ ایسے بااثر تھے کہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں عباس علمبردار کے ان اموی نواسوں میں سے اول الذکر علی بن عبید اللہ بن عباس بن علی نے بادعائے خلافت علم بلند کر کے اس وقت کہ عباسی خلیفہ خراسان میں تھے شہر دمشق پر عارضی تسلط کر لیا تھا[173] (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ 42)

---

[172] ان عبید اللہ سے ہی عباس بن علی بن عبد مناف بن ابوطالب کی نسل چلی۔ سابقاً ذکر ہو چکا ہے کہ ان عبید اللہ کی والدہ رسول اللہ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کی پوتی سیدہ ربابہ بن عبید اللہ بن حضرت عباس بن عبدالمطلب تھیں۔ اور خود ان عبید اللہ کی اہلیہ بھی دوسری عباسی خاتون ام محمد بن عبداللہ بن معبد بن حضرت عباس بن عبدالمطلب تھیں اور انھیں خاتون کی دختر یہ نفیسہ تھیں۔ عبید اللہ کی ایک کنیز کے بطن سے حسن و حسین دو بیٹے اور تھے یہ حسن بن عبید اللہ امیر المومنین ہارون رشید کی مصاحبت میں تھے اور حسین خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد خلافت میں مکہ و مدینہ کے عامل رہے تھے۔ ان حسن بن عبید اللہ عباس بن علی کی دوسری زوجہ ام حارث بنت الفضل بن عباس بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب تھیں۔ ان سے حسن مذکور کے ایک بیٹے کا نام اس نو مولد کے نانا کے نام پر الفضل تھا خود عباس بن علی بن عبد مناف ابوطالب کے کسی بیٹے کا نام الفضل تھا نہ ان کی کنیت ابوالفضل تھی اور نہ وہ دراز قد تھے یہ دونوں امتیازی خصوصیتیں رسول اللہ کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کی تھیں ان کے فرزند اکبر کا نام الفضل تھا وہ صحابی اور مجاہد تھے ان کے نام سے حضرت عباس عم رسول اللہ کی کنیت ابوالفضل تھی نہ کہ عباس بن علی بن عبد مناف ابوطالب کی اور نہ وہ طویل قد تھے اور نام بھی ان کا حضرت علی نے اپنے محترم چچا کے نام پر رکھا تھا۔

[173] اموی خلافت کا خاتمہ 132 ہجری میں ہوا تھا، انقلاب سلطنت میں جو خونریزی ہوا کرتی ہے ایسی ہی اس انقلاب میں بھی ہوئی اس تاریخی واقعہ سے ان اکاذیب کی قلعی کھل جاتی ہے جو اسی ابو مخنف ہی نے عباسیوں کے بارے میں مشتہر کئے تھے کہ بچہ بچہ امیوں کا قتل کر دیا گیا تھا۔ اسی بیاسی برس بعد بھی انقلاب کے عباسی خلافت کے عہد میں خود امیر المومنین یزید کے اخلاف خاص دمشق میں ایسے بااثر تھے کہ طلب خلافت میں علم بغاوت بلند کر سکے۔ کتاب النساب و تاریخ کے صفحے پر دیکھا جا سکتا ہے کہ سیکڑوں اموی اشخاص عباسی خلافت کے ذمہ دار عہدوں پر سرفراز رہے۔ دو سو برس تک بغداد کے قاضی القضاۃ یہ اموی قاضی رہے تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے مشہور اندلسی سیاح ابن جبیر نے دمشق کی سیاحت کے دوران وہاں کے باب الجنابہ کے متصل مقبرے میں بالفاظ خود قبور خلفائے بنوامیہ رحمہم اللہ موجود پائی تھیں درآنحالیکہ اس کذاب ابو مخنف نے مشہور کیا ہے کہ ان خلفاء کی قبریں بھی اکھڑوا ڈالیں تھیں۔

اولاد حسنین اور اور دوسرے علوی اکابر کے امیر المومنین یزید کے اموی خاندان سے بعد حادثۂ کربلاء بھی متواتر رشتے ناطے ہوتے رہے۔ خود حضرت حسین کی حقیقی نواسی زینب بن فاطمہ بنت الحسین کو ان کے والد حسن مثنی نے اموی خلیفہ امیر المومنین الولید عبد الملک کی زوجیت میں دے دیا تھا اور حضرت حسین کی ان صاحبزادی فاطمہ نے اپنے شوہر حسن مثنی کی وفات کے بعد اپنا نکاح ثانی اسی اموی خاندان میں کر لیا۔ حضرت حسین کی بڑی صاحبزادی سیدہ سکینہ کے شوہروں کے یکے بعد دیگرے فوت ہو جانے سے جو متعدد نکاح ہوئے تھے ان میں سے دو نکاح اموی خاندان میں ہوئے (کتاب نسب قریش صفحہ 59 و جمہرۃ النساب ابن حزم) غرضیکہ علوی و اموی یہ دونوں خاندان کربلا سے پہلے بھی اور بعد میں بھی آپس کے رشتوں میں درجہ گندھے ہوئے تھے کہ وحشیانہ مظالم اور خاندانی عناد کا امکان ہی نہ تھا۔ اپنے بھائی جناب علی (زین العابدین) کی طرح سیدہ سکینہ کربلا میں جو اس سال شادی شدہ ہر واقعہ کی عینی شاہدہ تھیں اور مادری رشتے سے امیر المومنین یزید کی خلیری بہن بھی ہوتی تھیں اپنے ان خالہ زاد بھائی امیر یزید کی نیکی اور اچھائی کا بر ملا اظہار کرتی تھیں۔ شیعہ مورخ طبری نے ان کا یہ مشہور قول جلد 2 صفحہ 267 پر نقل تو کر دیا ہے مگر قلم در کف دشمن کے طور سے لفظ منکر خدا کے اضافے[174] سے لکھا ہے کہ

فکانت سکینۃ تقول ما رایت رجلا کافدا باللہ خیرین بن یزید بن معاویۃ

سکینہ کہا کرتیں تھیں کہ میں نے منکرین خدا میں سے کوئی شخص یزید بن معاویہ سے بڑھ کر نیک نہیں دیکھا[175]

تاہم یہ سمجھتے ہوئے کہ منکر خدا کا اتہام خلیفہ المسلمین پر دشمنوں کی اختراع ہے حضرت حسین کے فرزند اکبر اور پیاری دختر کا امیر یزید کی ذات میں ستودہ صفات کے لئے دعائیہ کلمات اور ستائشی الفاظ کہنا اور آپ کے داماد و بھتیجوں کا ان کے اخلاف و احفاد و اکابر بنی امیہ سے بعد حادثہ کربلاء یہی رشتے داری کے تعلقات جاری رکھنا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ حادثۂ کربلا کی وہ نوعیت ہر گز نہ تھی جو اس کتاب مقتل الحسین کے مولف نے امیر المومنین یزیدؒ اور عمال خلاف کو کذبا و افترا ملوث کرنے کی غرض سے سماعی واقعات کی مہمل روایتوں اور دیومالائی کہانیوں کی بھرمار سے پر فریب طور پر یہاں بیان کر دی ہے مگر قریب ترین اعزہ حسین کے اپنی آنکھوں دیکھے احوال کے اظہار و بیانات کو اخفا کرنے کی غرض سے ان سب حضرات کو جن کا عالم اس وقت شباب کا تھا اور وہ متاہل بھی طفل صغیر بتا کر یہ تصور دینے کا شرمناک فراڈ کا ارتکاب کیا ہے کہ حسینی خاندان میں سے کوئی با شعور فرد صحیح حالات بتانے کو زندہ نہ بچا تھا۔ اس فراڈ کی قدرے تشریح ملاحظہ ہو۔

---

[174] خیر القرون کے اس خلیفہ کو جس کی بیعت خلافت میں صدہا صحابہ کرام اپنے وقت کے شیخ الصحابہ سیدنا ابن عمر و ترجمان القران حضرت ابن عباس جیسی بلند پایہ ہستیاں ہوں جس کی زوجیت میں خود حضرت حسین کی بھتیجی سیدہ ام محمد بنت سیدنا عبداللہ بن جعفر بن عبد مناف ابوطالب ہو اور سیدنا فاروق اعظم کی پوتی سیدہ ام مسکین ہوں اسے لفظ منکر خدا سے اسی طرح متہم کیا گیا ہے جس طرح شیعہ کا یہ مشہور قول ہے کہ بعد وفات رسول خدا ہمہ صحابہ مرتد ہو گئے تھے سوائے ابوذر غفاری اور سلمان فارسی کے (معاذاللہ)

[175] جناب علی (زین العابدین) فرزند حسین اور دیگر پسمندگان کو ابن زیاد کے نام نہاد دربار میں پیش ہونے کربلا سے الٹا کوفہ لائے جانے، مقتولین کے بریدہ سروں کی کوچہ و بازار میں نمائش کرانے، حضرت حسین کا بریدہ سر کا نیزہ پر چڑھے سورۃ الکھف کی آیتوں کی تلاوت کرنے، حضرت حسین کی بہن بیٹیوں بیبیوں خاندان رسول اللہ کی ان مخدرات پردہ عصمت و عفاف کے بے چادر و کھلے سر پھرانے کی یہ سب بکواس ابومخنف کذاب کی من گھڑت ہمہ کذب است و دروغ و بدگوئی۔ صرف ہیجان جذبات کے مقصد سے یہ اکاذیب تراشے گئے ورنہ کوفہ میں ایک شر پسند جماعت کی غداری کے باوجود مسلم آبادی کی اکثریت ان ہاشمیہ خواتین و دیگر افراد خاندان کی ایسی توہین و تذلیل برداشت نہیں کرتی، غیض و غضب کے طوفان میں نہ ابن زیاد کو وجود باقی رہتا اور نہ ان کے ساتھیوں کا۔ لیکن ایسا کوئی واقع پیش ہی نہیں آیا امیر عمر بن سعد نے اپنی ان خواتین و افراد کو آرام دہ محملوں میں سوار کرا کے حفاظتی دستے کے ساتھ کربلاء ہی سے اسی مقام دمشق بھیجدیا تھا جہاں حضرت حسین تشریف لے جا رہے تھے۔

ابو مخنف کا شرمناک فراڈ

جناب علی (زین العابدین) اپنے ہمنام مقتول بھائی سے عمر میں کوئی چھ برس بڑے کڑیل جوان تھے اور مع اپنی اہلیہ اور دو بیٹوں کے پدر بزرگوار کے اس تمام سفر عراق و کربلا میں موجود رہنے سے جملہ حالات وواقعات کے عینی شاہد تھے انھیں تو علی الاصغر کہا گیا اور ان کے 18 سالہ چھوٹے بھائی کو علی الاکبر۔ یہ بد دیانتی و دروغ گوئی محض اس لئے کی گئی ہے کہ انھیں کم سن بتا کر کربلائی واقعات کی حقیقت کا اور اصل نوعیت کا اخفا کیا جا سکے جو حضرت موصوف کے اس طرز عمل سے روز روشن کی طرح ہویدا ہو جاتی ہے کہ خود انھوں نے اور ان کے اعزہ نے خلوص و محبت کے تعلقات امیر المومنین یزید کی ذات اور ان کے اخلاف سے اس حادثہ کربلا کے بعد بدستور قائم رکھے تھے۔ ابو مخنف کی ہی روایت مندرجہ طبری جلد 2 صفحہ 268 پر ایک جگہ تو ان صاحب اور دو بیٹوں کے باپ کو ھذا اصبھا بتا دیا ہے یعنی چار پانچ سال کا صغیر سن بچہ پھر دو سطر بعد ہی الغلام المریض یعنی بیمار لڑکا کہلوایا ہے اور وہ بھی امیر عمر بن سعد بن ابی وقاص کی زبانی جو قریبی رشتہ دار ہونے سے ان کو خوب پہچانتے تھے۔ دوسری جگہ صفحہ 263 پر ابن زیاد کے نام نہاد دربار میں پیش کئے جانے کی محض بے اصل اور حد درجہ مکروہ روایت میں یہ نرا جھوٹ بولا گیا ہے (176) کہ یہ دیکھنے کو آیا یہ بالغ بھی ہو گئے ہیں فکشف عنہ برہنہ کر کے معاینہ ہوا اور کہہ دیا گیا دعو الفلام اچھا چھوڑ دو اس لڑکے کو۔ پھر اسی کذاب مولف ابو مخنف نے صفحہ 269-70 پر ان سب جوان عمر و مقاتل اعزہ حسین کے بارے میں یہ کہہ کر کہ بوجہ کم سن ہونے کے قتل نہ کئے گئے کس درجہ شرمناک دروغ بانی کا یہ ارتکاب کیا ہے کہ ان اعزہ حسین کو کم سن بتایا ہے۔

(1) واستصغر علی بن حسین بن علی فلم یقتل

اور علی بن حسین بن علی (یعنی زین العابدین) کم سن سمجھے گئے اس لئے قتل نہ کئے گئے۔

(2) واستصغر الحسن بن الحسین بن علی فترک فلم یقتل

اور حسن بن حسن بن علی (یعنی حسن مثنی داماد حسین) کم سن سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل نہ کئے گئے۔

(3) واستصغر عمر بن الحسن بن علی فترک فلم یقتل

اور عمر بن الحسن بن علی (یعنی عمرو شوہر رملہ بنت عقیل) کم سن سمجھ کر چھوڑ دئے گئے اور قتل نہ کئے گئے۔

اس کے علاوہ کذاب راوی نے سیدہ سکینہ حضرت حسین کی محبوب دختر کو بھی نہ بخشا شاید اس قصور میں کہ وہ امیر المومنین یزیدؒ کی نیکی کا برملا اظہار کرتی تھیں۔ تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 267 پر ان کی سوتیلی چھوٹی بہن فاطمہ کو ان سے بڑی بتاتے ہوئے لکھا ہے فاطمۃ بنت الحسین فکانت اکبر من سکینۃ۔ درآنحالیکہ یہ فاطمہ سیدہ سکینہ سے بارہ برس چھوٹی تھیں، حضرت حسین نے ان کی ماں ام الحق بیوہ حضرت حسن متوفی 49 ہجری سے نکاح کر لیا تھا اس سے ثابت ہے کہ محرم 61 ہجری میں دس بارہ برس کی تھیں۔ سیدہ سکینہ کی والدہ الرباب تو حضرت حسین کے حبالہ عقد میں حضرت فاروق اعظم کی خلافت کے آخری سال آنے سے آپ کی سب سے پہلی زوجہ تھیں اور ان دونوں ماں بیٹی سے غیر معمولی انس و شیفتگی ہونے اور ان پر اپنا مال زیادہ خرچ کرنے پر بقول سیدہ سکینہ (الاعانی 14 / 163) آپ کے برادر بزرگ نے تنبیہ کی تھی جس کے

جواب میں اس قطعہ اشعار میں کہا تھا جو پچھلے اوراق میں درج ہے کہ میں اس گھر سے بھی محبت کرتا ہوں جس میں رباب اور سکینہ میزبانی کرتی ہوں اس طرح اپنے والد حضرت حسین ہی کے قول سے ان کی عمر متعین ہو جاتی ہے۔ حضرت حسین کی زندگی میں جب میزبانی کرنے کے سن و سال کی تھیں 61 ہجری میں یقیناً 25،24 سال کی اپنی چھوٹی بہن سے دس بارہ سال بڑی تھیں۔ اخفائے احوال کی غرض سے ان کو کم سن بتانا شرمناک جھوٹ ہے۔ اور یوں تو دنیا میں جھوٹ کی کمی نہیں لیکن ابو مخنف نے واقعات کربلا کے سلسلے میں جو جھوٹ تراشے ہیں اپنی مثال آپ ہیں۔ ابو مخنف سیدہ ام کلثوم بنت علی بیوہ سیدنا عمر فاروق کو بھی کربلا میں بین کرتا ہوا دکھلاتا ہے درآنحالیکہ وہ اپنی حقیقی بہن زینب کے طلاق ہو جانے کے بعد اپنے ان ہی بہنوئی و ابن عم حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آکر اس وقت مدینہ میں ان خاوند کے گھر رہ رہی تھیں۔ ابو مخنف ان کی ان بہن زینب کو پسماندگان کے ساتھ مدینہ لوٹ آنا بیان کرتا ہے درآنحالیکہ وہ دمشق میں ہی رہیں وہیں مریں اور وہیں مدفون ہیں ان کی قبر مضافات دمشق رواحہ پر ہے جس کا ذکر اسلامک شیعائٹ انسائیکلوپیڈیا کی جلد دوم صفحہ 99 پر بالصراحت کیا گیا ہے۔ وہ سیدہ ام محمد زوجہ امیر یزید کی مادر ہونے کے رشتہ سے ان کی خوشدامن تھیں خروج حسینی کی ناکامی کے انقلابی حالات کے بعد وہ کس دل سے مدینہ واپس جانا گوارا کرتیں۔

جناب عبد اللہ بن جعفر طیار ان کے شوہر نے ان کو طلاق دینے کے بعد ان کی سگی بہن سیدہ ام کلثوم بیوہ سیدنا عمر فاروق سے نکاح کر لیا تھا بعد اطلاقہ لاختھا زینب (جہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ 28 مطبوعہ 1962) شوہر سے جدائی اور حسین جیسے بھائی سے دائمی مفارقت کے بعد واپسی میں اب ان کے لئے کیا کشش باقی رہی تھی۔ ادھر امیر یزید جیسے کریم النفس داماد اور سوتیلی بیٹی نے ایسی دلداری و خاطر مدارت کی کہ دمشق میں ان ہی کے پاس رہ کر وفات پائی۔ ان سے جو خطبے اور تقریریں منسوب ہیں محض وضعی ہیں۔ ابو مخنف کی یہ ساری کتاب دیومالائی کہانیوں اور من گھڑت قصوں سے اکثر و بیشتر مرتب ہے۔ تاہم مولف نے خروج حسینی کا مقصد سیاسی بتایا ہے۔ حضرت حسین کے جو چار سوتیلے بھائی عباس بن علی فرزندان ام البنین ان کے ساتھ اس لئے اور بھی گئے تھے کہ ان کی ننہیال کوفہ میں شمر بن ذی الجوشن کے قبیلے میں تھی۔ فرزندان حضرت علی میں جناب محمد ابن الحنفیہؒ کا جو مقام ذکر آچکا ہے وہ اس خروج کے سخت خلاف تھے اسی طرح دوسرے بھائی عمر الاطرف نے تو بقول شیعہ مولف عمدۃ الطالب صاف کہہ دیا کہ میرے بھائی حسین نے مجھ سے خروج کے اصرار کیا مگر میں تو محتاط نوجوان تھا ان کے ساتھ جاتا تو مارا جاتا (صفحہ 207 مطبوعہ لکھنؤ) اے بے لاگ غیر مسلم مورخ ڈوزی کی کتاب کے انگریزی ایڈیشن کا یہ فقرہ جس کا اردو ترجمہ ذیل میں درج ہے ظاہر کرتا ہے کہ ان کے معاصرین اس واقعے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ مورخ ڈوزی لکھتا ہے کہ۔

اخلاف کا یہ عموماً شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف حسین کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے، حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیزی سے رواں دواں ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے

کیوں کہ انھوں نے معاویہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔ اور اپنے حق و دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔ (صفحہ 127، اسپینش اسلام انگریزی ترجمہ مطبوعہ لنڈن 1913)

امر ہے غور طلب اہل سعادت کے لئے

عزم کوفے کا تھا کیا دین کی حفاظت کے لئے

ایک صحابی بھی نہ تھے ساتھ حمایت کے لئے

کیا یہ اقدام نہ تھا محض خلافت کے لئے

سب فسانے ہیں، فسانوں میں حقیقت کیسی

اور تمنائے خلافت میں "شہادت" کیسی

حضرت حسین کے سفر عراق و کربلا کی منزلیں اور فاصلے

منزل	فا صلہ	آمد	روانگی	ابومخنف کی بیان کردہ منزل	منزل	فاصلہ	آمد	روانگی	ابومخنف کی بیان کردہ منزل
مکہ معظمہ	---	---	10ذی الحجہ		فید	31	24 ذی الحجہ	25ذی الحجہ	
بستان عامر	24	10ذی الحجہ	11ذی الحجہ		الاجفر	33	25ذی الحجہ	26ذی الحجہ	
ذات عراق	22	11ذی الحجہ	12ذی الحجہ	ذات عراق	الخزیمہ	24	26ذی الحجہ	27ذی الحجہ	
الغمرہ	26	12ذی الحجہ	13ذی الحجہ		ثعلبیہ	33	27ذی الحجہ	28ذی الحجہ	
المصلح	18	13ذی الحجہ	14ذی الحجہ		قبر العبادی	26	28ذی الحجہ	29ذی الحجہ	
افیعمہ	34	14ذی الحجہ	15ذی الحجہ		الشقوق	29	29ذی الحجہ	1 محرم	
العمق	32	15ذی الحجہ	16ذی الحجہ		زبالہ	21	1 محرم	2 محرم	
سلیلہ	21	16ذی الحجہ	17ذی الحجہ		القاع	24	2 محرم	3 محرم	
معدن بنی سلیم	26	17ذی	18ذی		عقبہ	24	3 محرم	4 محرم	

		الحجہ	الحجہ						
زبدہ	24	18ذی الحجہ	19ذی الحجہ		واقصہ	24	4محرم	5محرم	
مفنیۃالاوان	24	19ذی الحجہ	20ذی الحجہ		القرعا	24	5محرم	6محرم	
معدن نقرہ	32	20ذی الحجہ	21ذی الحجہ		المغیثہ	32	6محرم	7محرم	
الحاجز	34	21ذی الحجہ	22ذی الحجہ	الحاجز	العذیب	34	7محرم	8محرم	
سمیرا	34	22ذی الحجہ	23ذی الحجہ		ذو حسیم قصر مقاتل	54	8،9محرم		
توز	34	23ذی الحجہ	24ذی الحجہ		کربلاء		10محرم		

فاصلہ عربی میل ہے۔ذی الحجہ کی تاریخیں 60ہجری اور محرم کی تاریخیں 61 ہجری کی ہیں۔

(یہ فہرست مبہم اور بوسیدہ ہے، اگر کسی کے پاس کتاب کا اصلی نسخہ موجود ہو تو از راہ کرم اس کی تصحیح کروادیں۔)

ختم شد

***

ٹائپنگ: ظہیر اشرف

تدوین (پروف ریڈنگ): اعجاز عبید